

غیر مسلموں سے تعلقات

اور

ان کے حقوق



[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

مولانا سید جلال الدین عمری



## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [library@mohaddis.com](mailto:library@mohaddis.com)

# غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

[www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com)

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۹۷۲  
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق
مصنف	:	مولانا سید جلال الدین عمری
صفحات	:	۳۳۲
اشاعت	:	اگست ۲۰۰۷ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۱۴۰/- روپے
ناشر	:	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
		ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
		فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۳۱، فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸
		E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in
		Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ	:	ایچ ایس آفسٹ پریٹرز، نئی دہلی - ۲



GHAIR MUSLIMON SE  
TAALLUQAT AUR UNKE HUQOOQ (Urdu)  
By: Maulana Sayyid Jalaluddin Umari  
Pages: 332  
Price: Rs. 140.00

# فہرست مضامین

۱۱

انعامِ سخن

۲۵	<u>غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے احکام</u>
۲۸	<u>خاندانی تعلقات</u> (حسن سلوک کی خصوصی ہدایات)
۲۸	اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے
۲۸	انسان سے رحم اور مہمہ ردی مطلوب ہے
۲۹	صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کی ہدایت
۳۰	غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک
۳۴	غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات
۳۹	<u>عام انسانی تعلقات</u> (حسن سلوک کی عمومی ہدایات)
۴۰	غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک
۴۸	غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات
۵۰	مسلمانوں سے متعلق بعض ہدایات میں غیر مسلم بھی داخل ہیں
۵۲	غیر مسلموں پر خرچ کرنا بھی خدا کی راہ میں انفاق ہے
۵۸	مجاہدین اور غیر مجاہدین کے درمیان فرق
۶۲	ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک
۶۲	مجاہد قوم سے انسانی تعلقات
۶۳	<u>معاشرتی تعلقات</u>
۶۳	معاشرت عرب کے بعض پہلو
۶۴	نذاؤں کی حلت و حرمت

۶۶	اشیاء میں اصل حلت ہے
۶۶	غیر مسلم کا پانی پاک ہے
۶۸	غیر مسلم کی غذا کا حکم
۶۹	غیر مسلم کی تیار کردہ غذائی اشیاء
۷۰	غیر مسلم کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے
۷۲	غیر مسلم کا ذبیحہ
۷۶	غیر مسلم کے برتن
۷۹	غیر مسلم کے کپڑے
۸۱	<u>سماجی تعلقات</u>
۸۱	غیر مسلم کو سلام کرنا
۸۱	غیر مسلم کو دعا دینا
۸۲	پھینک کی دعا کا جواب
۸۲	غیر مسلم کا اکرام
۸۳	غیر مسلم کو مہمان رکھنا
۸۴	غیر مسلم کی عیادت
۸۶	غیر مسلم کے جنازہ کا احترام
۸۷	غیر مسلم کی تجہیز و تکفین
۸۹	جنازہ میں شرکت
۹۲	غیر مسلم عزیز کی قبر کی زیارت
۹۳	غیر مسلم کی تعزیت
۹۵	<u>ازدواجی تعلقات</u>
۹۸	اہل شرک سے ازدواجی تعلقات کی ممانعت
۱۰۱	دو صحابہ میں اس پر عمل درآمد کی مثالیں
۱۰۳	کتابیات سے نکاح کا جواز
۱۰۵	احتیاط پسندیدہ ہے

۱۰۷	<u>کاروباری تعلقات</u>
۱۱۰	غیر مسلم کے کاروباری حقوق
۱۱۱	کاروبار میں شرکت
۱۱۲	اجرت پر غیر مسلم کی خدمت

## بعض مسائل کی تحقیق و توضیح

۱۱۶	<u>۱. غیر مسلم کو سلام کا حکم</u>
۱۱۷	غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت
۱۱۸	ممانعت کی نوعیت
۱۱۸	غیر مسلم کو سلام کرنے کا ثبوت
۱۱۹	سماجی تقاضوں کے تحت غیر مسلم کو سلام کا جواز
۱۲۲	تالیفِ قلب کے لیے سلام کی گنجائش
۱۲۲	مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترک مجمع کو سلام
۱۲۴	غیر مسلم کے سلام کا جواب
۱۲۶	غیر مسلم کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟
۱۲۷	سلام کرنے میں یہود کی شرارت اور اس کا جواب
۱۲۹	جواب میں نازیبا الفاظ کے استعمال کی ممانعت
۱۳۱	سلام کے معاملے میں ذمی اور جرنی کا فرق
۱۳۲	غیر مسلم کو سلام کے لیے مناسب الفاظ
۱۳۴	خلاصہ بحث
۱۳۶	<u>۲. مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ</u>
۱۳۶	مسجد حرام میں مشرکین کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے
۱۳۷	کیا حد و درجہ کا بھی یہی حکم ہے؟
۱۳۸	عام مساجد میں غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے

- ۱۳۹ احسان کے نزدیک حرم میں غیر مسلم صرف ایام حج میں نہیں جاسکتا
- ۱۴۰ مشرک کے نجس ہونے کا مفہوم
- ۱۴۲ غیر مسلم کے مسجد میں داخلہ کا ثبوت
- ۱۴۵ مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری
- ۱۴۷ ۳۔ غیر مسلم سے تحائف کا تبادلہ
- ۱۴۷ رسول اللہ ﷺ کا شاہانِ عجم سے تحائف کا تبادلہ
- ۱۵۶ یہودی عورت کی دعوت قبول کی
- ۱۵۷ ایک حدیث کا صحیح مفہوم
- ۱۵۹ ۴۔ غیر مسلم کے شہادت
- ۱۵۹ سفر میں وصیت کا حکم
- ۱۶۱ کیا غیر مسلم گواہ ہو سکتا ہے؟
- ۱۶۲ کیا صرف اہل کتاب کی گواہی معتبر ہے؟
- ۱۶۴ اہل کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کی گواہی بھی معتبر ہے
- ۱۶۴ کیا مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہوں گے؟
- ۱۶۵ غیر مسلم کی شہادت صرف حالتِ سفر میں قابلِ قبول ہوگی
- ۱۶۶ وصیت کے مفہوم کی وسعت
- ۱۶۶ قسم کس نماز کے بعد دینی جائے گی؟
- ۱۶۶ کیا سورہ مائدہ کی یہ آیات منسوخ ہیں؟
- ۱۶۰ غیر مسلم کی شہادت غیر مسلم کے حق میں
- ۱۶۲ غیر مسلم کی شہادت کے معتبر ہونے کی شرط
- ۱۶۳ بعض حالات میں غیر مسلم کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔
- ۱۶۵ موجودہ حالات پر ایک نظر

۱۷۷	<u>اسلامی ریاست اور اس میں غیر مسلموں کے حقوق</u>
۱۸۰	<u>اسلامی ریاست کے بعض رہنما اصول</u>
۱۸۰	عدل و انصاف کا قیام
۱۸۳	اسلام کے لیے جبر کی اجازت نہیں
۱۸۸	اسلام اور دیگر مذاہب
۱۹۰	اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا رویہ
۱۹۴	<u>جہاد اور اس کے احکام</u>
۱۹۵	اسلام فساد اور خون ریزی کے خلاف ہے
۱۹۸	اسلام کا تصور جنگ
۲۰۱	امن کو ترجیح حاصل ہے
۲۰۲	اسلام خدا پرستی کے لیے آزادی چاہتا ہے
۲۰۳	مشرکین عرب نے مسلمانوں کو عقیدہ کی آزادی نہیں دی
۲۰۵	مدینہ کی اسلامی ریاست پر جارحانہ حملوں کا جواب دیا گیا
۲۰۷	خانہ کعبہ پر مشرکین کا ناجائز قبضہ
۲۰۸	مشرکین عرب کا حکم
۲۱۰	اسلامی ریاست کا دفاع اور تحفظ ضروری ہے
۲۱۲	جنگ کے آداب
۲۱۷	<u>ذمیوں کے حقوق</u>
۲۱۹	ذمی کی تعریف
۲۲۲	ذمی کے حقوق
۲۲۲	ذمی کی جان کی حفاظت
۲۲۴	ذمی کا قصاص مسلمان سے
۲۲۹	ذمی کی دیت
۲۳۵	ذمی کے مال کی حفاظت

۲۳۹	ریاستی امور میں ذمیوں کی خدمات
۲۴۱	جنگ میں غیر مسلموں کی شرکت
۲۴۶	مالِ غنیمت میں غیر مسلموں کا حصہ
۲۴۹	زکوٰۃ کی وصولیابی
۲۵۰	ذمیوں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی
۲۵۲	کیا ذمیوں کی نئی عبادت گاہیں تعمیر ہو سکتی ہیں؟
۲۵۵	<u>اسلامی ریاست اور بین الاقوامی تعلقات</u>

۲۵۵	جنگ ایک ماضی کیفیت
۲۵۶	عدالت ختم ہو سکتی ہے
۲۵۷	مستامن کے احکام
۲۶۲	معاهدات کا احترام
۲۶۳	عہد شکنی پر وعید
۲۶۸	معاہدہ کب ختم ہو جائے گا؟
۲۷۱	بعض بین الاقوامی معاہدے
۲۷۸	جنگی قیدیوں کا تبادلہ
۲۸۰	جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے

غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام کا پس منظر

۲۸۲	کن حالات میں یہ احکام دئے گئے؟
۲۸۳	مخالفین کا رویہ اور ان کے عزائم
۲۸۳	اعدادِ دین سے عدم تعلق کی ہدایت
۲۸۵	یہود، نصاریٰ اور منافقین کا کردار
۲۹۱	صلح حدیبیہ
۲۹۷	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

۲۹۵	مشرکین کی عہد شکنی اور جہاد کا حکم
۲۹۶	خدا اور رسول کی محبت پر غالب آجائے
۲۹۸	غیر جانب داروں کے ساتھ حسن سلوک
۲۹۹	عدم تعلق کے ذیل کی بعض اصطلاحات
۲۹۹	بطانہ کا مفہوم
۳۰۱	مولیٰ کے معنی
۳۰۱	مودت کی تشریح
۳۰۳	کتابیات
۳۰۹	اشاریہ شخصیات





# آغازِ سخن

انسانی تعلقات کا مسئلہ سماج کا سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت اور نزاکت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ سماج میں مختلف افکار و نظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے ساتھ رہتے ہوں۔ ان کا طرزِ حیات اور ان کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے الگ ہو۔ اس صورتِ حال میں ظلم و زیادتی حق تلفی اور نا انصافی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں فکری تعصبات، ذاتی اور قومی رجحانات اور سماجی عوامل رکاوٹ بننے لگتے ہیں۔ اس پر قابو پانا ہر مہذب اور صالح سماج کی اولین ضرورت ہے۔

انسانی تعلقات کا اخلاق اور قانون سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔ اخلاق کا ہدف ان تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانا ہے۔ قانون اس لیے ہے کہ انھیں جائز و رد میں رکھے اور کسی کو ان سے انحراف اور تجاوز کی اجازت نہ دے۔ اخلاق اور قانون اپنا فرض ادا کریں تو سماج کو امن و امان اور سکون کی دولت نصیب ہوگی، ورنہ جنگل کا راج ہوگا۔ حقوق پامال ہوں گے اور طاقتور کے ظلم اور جبرہ دستی سے کمزور سکتے اور پیلاتے رہیں گے۔

دنیا نے الفت و محبت کے پھول کھلتے بھی دیکھے ہیں اور قتل و خون اور فتنہ و فساد کی کشت خزاں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ خدا کی اس زمین پر طبقات کا تصادم بھی رہا ہے اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق بھی پایا گیا ہے۔ ظلم و زیادتی اور اتھال کی تیز و تند آندھیاں بھی چلی ہیں اور عدل و انصاف اور ایثار و ترجیح کے خوش گوار مناظر بھی دیکھنے کو ملے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب کی روح تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ وہ انسان کو اخلاق اور قانون کا پابند بناتا ہے۔ اس لیے انسانی تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانے اور عدل و انصاف کے قیام میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن افسوس کہ دنیا کے بیشتر مذاہب سے یہ روح مفقود ہوتی چلی گئی اور بے جان رسوم نے اس کی جگہ لے لی۔ انہوں نے یہ صلاحیت کھو دی کہ زمانہ کی رفتار اور تغیر پذیر حالات میں زندگی کے پیچیدہ مسائل اور ان کے تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔ ان کے غیر عقلی اور جامد رویے نے دنیا کو ان سے بے زار اور متنفر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب سے رہنمائی کا مقام چھین گیا اور وہ انسان کی نئی زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ فرد کی محض ذاتی دلچسپی کا موضوع بن گیا اور اجتماعی امور و معاملات اس سے آزاد قرار پائے۔ یہ رویہ پہلے مغرب نے اپنایا اور اس کے زیر اثر مشرق نے بھی عملاً اسے قبول کر لیا۔

اس وقت دوسرے مذاہب عالم زیر بحث نہیں ہیں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے بارے میں اس رویہ کو اختیار کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی لیکن مختلف اسباب و عوامل کے تحت دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے ساتھ زیادہ سخت روش اختیار کی گئی۔ اسے اس طرح پیش کیا گیا جیسے وہ آج کے مہذب سماج کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اس کا فروغ نوع انسانی کے لیے انتہائی تباہ کن ہے اور اس کی تاریخ نوع انسانی کے لیے ظلم و زیادتی کی تاریخ ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا تعلق فرد سے ہے اور دوسرے کا ریاست سے۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام علیحدگی پسند ہے اور فرد کے اندر یہی رحمان پیدا کرتا ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کے ماننے اور مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں سے قطع تعلق کا حکم دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ان سب افراد سے کاٹ دیتا ہے جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بے بنیاد اعتراض ہے۔ اسلام کی واضح تعلیمات اس کی تردید کرتی ہیں۔ وہ غیر مسلموں سے عام انسانی اور اخلاقی روابط سے کبھی منع نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ

وہ یقیناً نہیں چاہتا کہ مسلمان کسی دوسرے گروہ میں ضم ہو جائیں۔ اس کے لیے اس نے کچھ حدود مقرر کر رکھے ہیں۔ ان حدود کی مقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی یا اصول اور نظریاتی ملت کے لیے ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کی تردید آسان نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کے بارے میں یہ تصور ہے کہ اس میں سارے حقوق مسلمانوں کو حاصل ہوں گے اور غیر مسلم بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم ہوں گے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کا مقصد قرآن کے الفاظ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر (الحج: ۴۱) اور عدل و انصاف کا قیام ہے۔ (الحمدید: ۲۵) وہ ہر انسان کے جائز اور فطری حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

ان خیالات کے پیچھے ناواقفیت اور لاعلمی کے ساتھ بہت سے تاریخی عوامل کارفرما ہیں۔ ان میں اسلام کی برتری کو تسلیم نہ کرنے کی نفسیات، اسلام کی سرلمبندی اور فرماں روائی کا خوف اور اسے کسی قیمت پر گوارا نہ کرنے کا جذبہ اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور عداوت بھی شامل ہیں۔ اس وجہ سے اسلام کی صاف اور واضح تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش تو نہیں ہوتی البتہ انھیں منہ مٹانے اور اسلام کو بھیا نک شکل میں پیش کرنے کی تدبیریں ہوتی رہتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پورے رویہ میں مسلمانوں کی کوتاہی کا بھی بڑا دخل ہے۔ انھوں نے موجودہ دور میں مختلف مسائل میں غیر مسلموں کے سامنے سنجیدہ اور علمی انداز میں اسلام کا موقف واضح کرنے کی اس طرح کوشش نہیں کی جیسے ہونی چاہیے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط کی کمی بھی اس کا ایک بڑا سبب ہے۔ دونوں میں طویل عرصے سے ایک طرح کی دوری اور حجاب پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے کے لیے جس ٹھنڈے ماحول کی ضرورت ہے اس کی کمی بلکہ فقدان رہا ہے۔ اس لیے بدگمانیاں پیدا ہوتی اور نشوونما پاتی رہی ہیں۔

اس پورے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے بعض بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔  
۱۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ دنیا کے مذاہب میں کس کا رول شخصی اور انفرادی

زندگی تک محدود ہے اور کس کے دائرے میں اجتماعی مسائل بھی آتے ہیں۔ البتہ اسلام کی حد تک یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ایک جامع اور مکمل دین اور عقیدہ و عمل کا ایک مربوط نظام ہے۔ اس نے اس وسیع کائنات اور اس میں انسان کی حیثیت کے متعلق صرف مضبوط عقیدہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کی بنیاد پر انسان کی زندگی کو ایک خاص رخ عطا کیا ہے۔ وہ عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق جوڑتا اور اسے استحکام بخشتا ہے اور اخلاق اور قانون میں اس کے احکام کا اسے پابند بناتا ہے۔ خاندان، معاشرہ، ریاست، شخصی، ملی اور بین الاقوامی تعلقات سب اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے۔ اس کے اس موقف سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے یہ مطالبہ صحیح نہ ہوگا کہ وہ انفرادی زندگی تک اپنے آپ کو سمیٹ لے۔ وہ محدود مذہبیت کا مخالف ہے جس میں خدا اور قیصر کے حقوق الگ ہوں۔

۲۔ اسلام ایک عالمی دین ہے۔ وہ خدا کا آخری پیغام ہے جو انسانوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا خطاب سب انسانوں سے اور ان کے سبھی طبقات سے ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْجِعُوا	(اے پیغمبر) کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم
رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا	سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ۵۰
الَّذِي لَدَيْ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	اللہ جس کا آسمانوں اور زمین پر اقتدار
وَالْاَرْضِ..... (الاعراف: ۱۵۸)	ہے۔

جس دین کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو، جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے، وہ کسی طبقہ سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا، ورنہ اس کا خطاب محدود ہو کر رہ جائے گا۔ جو نظریات طبقات کے درمیان کشمکش پیدا کرتے ہیں وہ ایک کے ذریعے دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ ان میں عمومی اپیل نہیں ہوتی وہ ایک کے لیے پرکشش ہوتے ہیں تو دوسرے کے لیے قابل قبول نہیں ہوتے۔

۳۔ اسلام نے اپنے عقیدے اور فکر کو عام کرنے کے لیے جبر واکراہ کے تمام طریقوں کو رد کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر طریقہ اس کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کے لیے اس نے صرف دعوت و تبلیغ کی راہ کھلی رکھی ہے۔ وہ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اس نے صبر و ثبات کے ساتھ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور مخالفت اور مزاحمت کو نرم و حوصلہ اور ہمت سے برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَفْعُلُونَ وَاهْجُرْهُمْ  
هَجْرًا جَمِيلًا (الزلزلہ: ۱۰)

جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور ان کو اچھی طرح چھوڑ دو۔ اس نے بار بار کہا کہ یہ راہ عفو و درگزر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ  
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الزفر: ۸۹)

ان سے درگزر کیجئے اور سلام کہئے ان کو بہت جلد (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

فَاصْفَحْ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ۝  
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلِيقُ الْعَلِيمُ  
(الحجر: ۸۵-۸۶)

ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے تمہارا سب وہی ہے جو پیدا بھی کرتا ہے اور باخبر بھی ہے۔ اس نے اپنے لمننے والوں کی یہ خوبی بیان کی ہے۔

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ إِنَّهُنَّ لَأَعْلَمِينَ  
عَنِ النَّاسِ (آل عمران: ۱۳۲)

وہ غصہ کے پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اس نے ہدایت کی ہے کہ بات چیت میں، دعوت میں اور اپنے طرز عمل میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے بدترین دشمن کی بھی دشمنی ختم ہو جائے اور وہ دوستوں کی صف میں آجائے۔ (تم السبہ: ۲۴-۲۵)

کیا ان واضح تعلیمات کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنے مخالفین کو برداشت

نہیں کرتا اور ان سے جنگ کی زبان میں بات کرتا اور اپنا عقیدہ ان پر بے جبر مسلط کرتا ہے؟  
۴۔ اسلام سچے دل سے خدا اور رسول کو ماننے اور خوش دلی سے ان کی اطاعت کا نام ہے۔ یہ چیز جبر واکراہ سے نہیں پیدا ہوتی۔ جہاں جبر واکراہ ہوگا وہاں ایمان اور اسلام کا اظہار تو ہو جائے گا لیکن حقیقت میں یہ ایمان نہیں بلکہ نفاق ہوگا۔ قرآن مجید نے نفاق کو دل کا روگ، نذب وافترا اور خدا اور رسول کے ساتھ دھوکہ اور فریب کہا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَمُولُ  
اٰمَنًا بِاللّٰهِ وَيَأْتِيهِمُ الْاٰخِرِ  
وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۗ يُخَادِعُوْنَ  
اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، وَمَا  
يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا  
يَشْعُرُوْنَ ۗ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ  
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ  
عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا  
يَكْذِبُوْنَ ۗ

(البقرہ: ۸-۱۰)

لوگوں میں بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ وہ دھوکا دے رہے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں روگ ہے۔ اللہ نے ان کے اس روگ میں اضافہ کر دیا ہے اور ان کے لیے درذناک عذاب ہوگا اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بول رہے تھے۔

اس نے کہا کہ منافقین کا وہی انجام ہوگا جو انجام کہ خدا کے منکرین کا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ  
وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (اسراء: ۳۰)

بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جابج کر دے گا۔ ایک اور جگہ ان کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ  
الاسْفَلِ مِنَ النَّارِ (اسراء: ۱۲۵)

بے شک منافقین جہنم کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے۔

قرآن مجید نے منافقین پر جتنی سخت تنقید کی ہے اور ان کی ذہنی پستی خود غرضی

بے علمی بلکہ بد علمی کو نمایاں کیلئے ہے اور اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کا پردہ چاک کیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے، کیا اس کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کی صفوں میں منافقین کا اضافہ ہوتا چلا جائے؟ کیا وہ ایسا طریقہ اختیار کرے گا کہ سماج میں نفاق کی بآباری ہو اور وہ فروغ پاتا چلا جائے؟ اسلام اگر جبر واکراہ کے موقف میں ہو تو بھی کسی کو ایمان اور اسلام پر مجبور نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس سے نفاق کی راہ کھلتی ہے۔ دنیا کا کوئی عقیدہ اور کوئی فکر نفاق کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا اسلام ہی اس کے ابھرنے اور پروان چڑھنے کے مواقع فراہم کرے گا؟

اسلامی ریاست کے ذکر کے ساتھ یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس میں غیر مسلموں کی کیا حیثیت ہوگی؟ ان کے حقوق کیا ہوں گے؟ اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا؟ اس ذیل میں بھی بعض باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۱۔ اسلامی ریاست انسان کی حکمرانی کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ اس میں اقتدار کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے، کوئی فرد یا گروہ یا جموئہ افراد نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ریاست اپنا نظم چلاتی ہے۔ اس میں حالات و ظروف کے لحاظ سے نئے قوانین بھی وضع ہوں گے اور نئی راہیں بھی تلاش کی جائیں گی، لیکن یہ سب کچھ کتاب و سنت کے حدود کے اندر ہوگا۔ اس سے باہر نکلنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی۔

۲۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور فطری طور پر ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی جو قرآن و حدیث پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے مملکت کی اساس تسلیم کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا اس پر ایمان نہیں ہے ان پر نہ تو اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور نہ وہ اسے خوش دلی سے چلا سکتے ہیں۔ لیکن ریاست میں انھیں خدا اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہوگی۔ اسلامی قانون کی رو سے ان کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں گے۔ کسی بھی فرد یا جماعت کو ان حقوق پر دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔ انتظامی امور میں حکومت ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

۳۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت اور ان سے تعلقات کا یہ قانونی پہلو ہے۔ لیکن عام زندگی میں قانون سے زیادہ اخلاقی رویہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسلام نے تعلقات میں صداقت اور راست بازی کی پابندی اور جھوٹ اور مکر و فریب سے اجتناب کا حکم دیا ہے، نخوت اور استکبار کی جگہ تواضع اور خاکساری کا مزاج پیدا کیا ہے، درشت مزاجی اور شدت کے مقابلے میں نرمی اور رافت کو پسند کیا ہے غنیمت و غضب پر قابو پانے اور تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، انتقام میں حد سے آگے نہ بڑھنے اور عفو و درگزر سے کام لینے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی ترغیب دی ہے، شر اور فتنہ و فساد سے بچنے اور مہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ یہ ہدایات بالکل عام ہیں۔ ان کا تعلق خاص مسلمانوں سے نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے تعلقات میں ان کا احترام کریں۔ اس معاملہ میں اسلام نے انہوں اور غیروں میں فرق نہیں کیا ہے۔ ایک مسلمان کا ربط و تعلق کسی بھی مذہب و عقیدہ کے ماننے والے سے ہو، توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کا پابند رہے گا۔ جس سماج میں ان اخلاقیات کی فرماں روائی ہو وہاں فطری طور پر ظلم و زیادتی کے امکانات کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں گے اور اگر کبھی کسی کی طرف سے کوئی غلط قدم اٹھے تو قانون اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہوگا اور اپنا فرض انجام دے گا۔

۴۔ اسلامی ریاست کے ذکر کے ساتھ جہاد کا ذکر اس طرح چھڑ جاتا ہے جیسے اس کا مقصد وجود دیا اولین ہدف مسلمانوں کو غیر مسلموں کے خلاف صف آرا کرنا اور جہاد کے نام پر قتل و خون ریزی کا بازار گرم کرنا ہے۔ حالانکہ جس طرح دنیا کی ہر بات کو جنگ سے سابقہ پیش آسکتا ہے اسی طرح اسلامی ریاست کو بھی جہاد کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسے اس کے حقیقی پس منظر میں اور اسلام کی زیادہ وسیع اور عمومی تعلیمات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ وہ ایسی جنگ نہیں ہے جو قتل و خون ریزی اور انسانوں کو محکوم بنانے اور حکمرانی کی خواہش کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے بلکہ اس جنگ کے پیچھے

اعلیٰ اخلاق، عدل و انصاف پر مبنی قانون، دعوت و تبلیغ کا مخلصانہ جذبہ اور انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کی تمنا اور آرزو و موج زن ہوتی ہے۔ سوچا جا سکتا ہے کہ یہ جنگ دوسری جنگوں سے کتنی مختلف ہوگی اور اس کے کتنے اچھے ثمرات ملنے آئیں گے؟

آئندہ صفحات میں غیر مسلموں سے تعلقات کی بحث بھی ہے اور ان کے حقوق بھی بیان ہوئے ہیں۔ تعلقات میں خاندانی، سماجی، معاشرتی، معاشی کئی طرح کے تعلقات زیر بحث آئے ہیں۔ بعض اختلافی مسائل میں شریعت کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے ان تعلقات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ تعلقات اور حقوق فرد اور ریاست دونوں ہی سے متعلق ہیں البتہ تعلقات میں شخصی پہلو غالب ہے۔ حقوق کا شرع ریاست سے جڑ جاتا ہے۔ ریاست کی بحث میں غیر مسلم کی حیثیت اور اس کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ اس ذیل میں جہاد اور اس کے احکام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اسلام کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ آخری صفحات میں غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام و ہدایات کا پس منظر بیان ہوا ہے۔ کتاب میں اصلاً قرآن و حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ان کی شرح و تفسیر میں معتد علماء اور شارحین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض فقہی مسائل میں فقہاء کے خیالات تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔ ایک خیال یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے مسائل میں صرف وہ رائے بیان کی جانی چاہیے جسے لکھنے والا صحیح سمجھتا ہو اور جسے اس کے نزدیک ترجیح حاصل ہو، اس لیے کہ تفصیلات سے ذہن الجھن محسوس کرتا ہے۔

یہ ممکن تھا اور آسان بھی۔ لیکن جن حضرات کی فقہی ذخیرہ پر نظر ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے سامنے دوسری رائیں بھی ہوتیں۔ وہ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس بحث میں ذاتی رجحان کے تحت مخالف رایوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ مختلف رایوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد ہی کسی رائے کو ترجیح دی جائے۔ پھر یہ کہ آج کا دور تقابلی مطالعہ کا دور ہے۔ دنیا کے ہر موضوع کا، جس میں فقہ بھی شامل ہے، تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جدید علمی تصنیفات اور انسائیکلو پیڈیا میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ بعض فقہاء کے خیالات سے غیر مسلم قارئین خوش محسوس کریں گے اس لیے ان کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات بھی بہت زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اس لیے کہ مطالعہ مذاہب اب عام ہو رہا ہے ہمارے دینی اور فقہی لٹریچر سے مسلمان علماء ہی نہیں، غیر مسلم اصحاب علم بھی واقف ہیں۔ وہ فقہی اختلافات کے درمیان صحیح نقطہ نظر جاننا چاہیں گے۔ اس لیے ان کے لحاظ سے بھی مناسب اور معقول طریقہ یہی ہے کہ زیر بحث مسائل میں فقہی آراء کا تجزیہ کر کے بتایا جائے کہ موجودہ حالات میں بہتر اور موزوں رائے کیا ہے؟ اور اسے کس بنیاد پر ترجیح حاصل ہے؟ یہاں اسی کی کوشش رہی ہے، لیکن اس کوشش میں کوئی ایسی رائے نہیں اختیار کی گئی ہے جو بے دلیل ہو اور جسے سلف کی بالکل تائید حاصل نہ ہو۔

فقہاء کی رائوں میں سختی بھی ہے اور نرمی بھی۔ تنگی بھی ہے اور توسع اور کشادگی بھی جن مسائل میں فقہاء کی رائیں سخت اور بے لچک معلوم ہوتی ہیں جیسے غیر مسلموں سے ملکی خدمات لینے یا مختلف معاملات میں ان پر اعتماد کا مسئلہ، انھیں اس وقت کے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ورنہ انھیں ہدف تنقید بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام کے دور اول یا اس کی ابتدائی صدیوں میں جو ممالک فتح ہوئے یا جہاں تبلیغ و دعوت کامیاب رہی وہاں کی اکثریت دین کے آغوش میں آتی چلی گئی۔ اس میں حجاز، مصر، عراق، شام اور افریقہ و ایشیا کے بعض ممالک شامل ہیں۔ یہاں غیر مسلم تھے بھی تو چھوٹی سی اقلیت میں تھے۔ ان ممالک میں اور اُس وقت کے حالات کے تحت حکومتی اداروں میں غیر مسلموں کی شرکت نمایاں نہیں ہے اور فقہاء کے ہاں اس طرح کی رائیں بھی ملتی ہیں کہ ملکی نظام، اس کے دفاع اور حفاظت کے لیے ان کی خدمات کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ایک ایسی مملکت ہے جس میں مسلمان اپنے تمام داخلی و خارجی امور میں خود کفیل ہیں اور انھیں کسی دوسرے کی احتیاج نہیں ہے۔ یہ صورت حال ان ممالک کی نہیں ہو سکتی جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود وہ اقلیت میں اور غیر مسلم اکثریت میں ہوں۔ یہاں امور مملکت

سے انھیں علمِ حدہ نہیں رکھا جاسکتا، انھیں شریک کیے بغیر اس کا چلانا ممکن نہ ہوگا۔ اس صورت میں بظاہر فقہی رائے بھی مختلف ہوگی۔

موجودہ دور میں مختلف سماجی اور سیاسی عوامل کے نتیجے میں مشترک سماج وجود میں آ رہے ہیں اور کوشش اس بات کی ہو رہی ہے کہ اقلیتیں انتظامِ ملکی میں شریک ہیں۔ انھیں الگ تھلگ نہ رکھا جائے اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

معاملات میں غیر مسلموں پر اعتماد اور عدم اعتماد کی بحث میں خیال ہوتا ہے کہ اس وقت کی پوری دنیا کی صورت حال کا بھی بڑا دخل رہا ہے اسلامی دور کی ابتدائی صدیوں میں مسلمان فی الجملہ دینی اور اخلاقی اعتبار سے دوسروں سے برتر تھے، ان کے اندر خدا کا خوف تھا، اخلاقی بلندی تھی وہ معاملات کے صاف اور کھرے تھے، ان پر اعتماد کیا جاسکتا تھا اور کیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس ان کے ارد گرد کی دنیا میں اخلاقی گراؤ اور پستی تھی، افراد اور اقوام اپنا اعتماد کھوپچی تھیں، راست بازی، دیانت و امانت اور ایثار و عہد جیسی خوبیاں کم زور ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں یہ سوال بہر حال پیدا ہوتا تھا کہ مسلمان اپنے معاملات میں دوسروں پر کس حد تک اعتماد کر سکتے ہیں؟ بعض حضرات نے اسے انفرادی نقطہ نظر سے دیکھا کہ افراد صحیح اور غلط ہر طرح کے ہوتے ہیں، ان کے متعلق کوئی عمومی فیصلہ درست نہ ہوگا۔ بعض حضرات نے اسے بحیثیت قوم دیکھا اور عمومی رائے قائم کی۔

اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ مسلمانوں کے اندر تقویٰ اور خدا ترسی کی کیفیت ختم ہو چکی ہے، ان کا اخلاقی امتیاز باقی نہیں رہا، بلکہ بعض پہلوؤں سے ان کا معیار دوسروں سے فروتر ہے۔ معاملات میں دوسرے ان سے زیادہ بھروسہ کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور ان پر مسلمانوں سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال بعض قدیم ریلوں پر نظر ثانی کا تقاضا کرتی ہے۔

غیر مسلموں اور ان کے حقوق کے ذیل میں دارالاسلام، دارالاحزاب اور دارالامان جیسی بحثیں بھی چھیڑ جاتی ہیں۔ یہ اصطلاحیں قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوئی ہیں بلکہ فقہاء کرام

نے اسلامی نقطہ نظر سے مختلف ممالک کی حیثیت واضح کرنے کے لیے وضع کی ہیں۔ ان کے نزدیک دارالاسلام وہ ہے جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں اور مسلمان امن و امان کی زندگی گزار رہے ہوں اور مسلمان ہونے کی وجہ سے انھیں کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہ لاحق ہو۔ دارالحرب وہ ہے جہاں کفر و مشرک کا غلبہ اور احکام کفر و شرک جاری ہوں۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان امن کا معاہدہ ہو تو وہ دارالامن ہوگا۔ ان سب کے احکام مختلف ہیں۔ اس وقت دنیا کا کوئی ملک دارالاسلام ہونے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح اس نے کسی ملک کو دارالحرب قرار دے کر اس سے اعلان جنگ نہیں کر رکھا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک بین الاقوامی معاہدوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہ حالات اس موضوع پر از سر نو غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مسلم ممالک کی از روئے شرع ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کریں، ان کے حدود میں انھیں اپنے عقیدے اور مذہب پر عمل کی آزادی ہو، انھیں ترقی کے مواقع فراہم ہوں اور ان پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی از روئے دستور ممنوع ہو۔ مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں وہ دو طرح کے حالات سے گزر رہے ہیں، غیر جمہوری ممالک میں وہ بنیادی حقوق تک سے محروم ہیں۔ انھیں اپنے دین و ایمان کو بچانا دشوار ہوتا ہے۔ وہ اپنے وجود و بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جمہوری ممالک میں بڑی حد تک بنیادی حقوق انھیں حاصل ہیں، انھیں جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ملا ہوا ہے، عقیدہ اور عبادت کی آزادی میسر ہے، وہ آزادی سے نماز اور روزے پر عمل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کا اپنا نظم چلا سکتے ہیں، حج کی انھیں اجازت ہے، مساجد کی تعمیر اور ان کی آباد کاری کا نظم کر سکتے ہیں، جمعہ اور عیدین کے قیام کی انھیں اجازت ہے، عائلی قوانین نکاح، طلاق، وراثت، وقف اور بیبے جیسے معاملات میں اسلامی قانون ان پر نافذ ہوتا ہے، وہ دینی اور دنیوی تعلیم کا نظم کرنے اور دینی مدارس اور دنیوی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں، ہندوستان جیسے ملک میں از روئے دستور انھیں مساوی حقوق حاصل ہیں اور وہ حکومت میں برابر کے شریک ہیں، بڑی بات یہ کہ جمہوری ممالک میں انھیں اپنے دین کی تبلیغ کی اجازت حاصل

ہے۔ وہ اسے عام کر سکتے ہیں۔ جس ملک کے یہ حالات ہوں اسے وہ چھوڑ نہیں سکتے۔ دین پر عمل کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کے جو مواقع انہیں حاصل ہیں ان سے انہیں فائدہ اٹھانا ہوگا۔ ظاہر ہے یہ صورت حال دارالحرب یا دارالاسلام کی نہیں ہے۔ کسی جمہوری ملک کو نہ تو دارالاسلام کہا جاسکتا ہے اور نہ اس پر دارالحرب کا اطلاق ہوتا ہے۔ دارالاسلام کی طرح یہاں غیر مسلموں کے حقوق کا سوال نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ از روئے دستور انہیں بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ یہاں ان سے تعلقات کی نوعیت وہ بھی نہیں ہوگی جو عربوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ جمہوری ملک کو ایک آزاد دعوتی ملک کہنا شاید زیادہ صحیح ہوگا۔ مسلمان کی حیثیت یہاں از روئے دستور دوسرے شہریوں کی طرح ایک پراسن آزاد شہری کی ہے۔ اسی حیثیت سے غیر مسلموں سے اس کے تعلقات استوار ہوں گے اور غیر مسلم اس سے تعلقات قائم کریں گے۔

میں برادر عزیز ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پوری کتاب کی توجہ سے پروف ریڈنگ کی، مضامین اور آخذ کی فہرست تیار کی اور کتاب میں جن مسلم شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کا اشاریہ مرتب کیا یہ اشاریہ امید ہے اس کتاب کے لیے بھی اور اس نوعیت کی دوسری علمی کتابوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تمہ جزائے خیر دے۔ میں نے ان تمام چیزوں پر ایک نظر ڈال لی ہے، اس کے باوجود غلطی اور فرورگداشت کا امکان ہے۔ اس کی نشاندہی علمی خدمت ہوگی اور انشاء اللہ اللہ اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ اور اراق اس کے دین کو سمجھنے کا ذریعہ ثابت ہوں، اس کے بندوں کو ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، اپنے فضل و کرم سے وہ انہیں شرف قبولیت سے نوازے، بغرضتوں سے درگزر فرمائے اور ہمیشہ اپنے سائے میں رکھے۔ انہ مسمیع قریب

جلال الدین

۲ راکت ۱۹۹۸ء

مجیب۔



# غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے احکام

## غیر مسلموں سے تعلقات

اسلام کی تصویر جن مختلف پہلوؤں سے بگاڑنے بلکہ مسخ کرنے کی مسلسل کوشش ہوتی رہتی ہے ان میں غیر مسلموں سے تعلقات کا پہلو بہت ہی نمایاں اور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام انفرادیت پسند ہے۔ وہ مسلمانوں میں علمدگی کے جذبات ابھارتا ہے، وہ انھیں دوسروں سے کاٹتا اور الگ تھلگ کرتا ہے، وہ اپنی اور غیروں کے درمیان اتنا زبردست فرق پیدا کرتا ہے کہ غیروں کے ساتھ عام انسانی تعلقات کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ وہ اخلاق کا درس ضرور دیتا ہے لیکن اس کا تعلق اپنے ماننے والوں سے ہے، دوسروں سے نہیں ہے۔ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں آجائیں انھیں وہ باہم اخلاقی رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس دائرہ سے باہر اس کی تعلیمات کلرنگ بدل جاتا ہے اور وہ ایک دوسری ہی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ شکل بڑی بھیانگ ہے۔ اس میں محبت کی جگہ نفرت و عداوت اور نرمی کی جگہ سختی اور درشتی نمایاں ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کا جو مزاج بناتا اور جس طرح کی ذہنی تربیت کرتا ہے اس سے ان کی اپنے مخالفین سے ان خود مختار شروعات ہو جاتی ہے اور وہ ہر محاذ پر ان سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔

اسلام کی اس خود ساختہ تصویر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جن ذہنوں کی پیداوار ہے وہ یا تو ناواقفیت کا شکار ہیں یا دوسروں کو فریب اور دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام، مسلمانوں کو باہم اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، ان کے باہم اخلاقی اور قانونی

حقوق مقرر کرتا ہے، ان کے درمیان تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرتا ہے اور انہیں ایک نظام حیات دے کر ایک امت بناتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام نے اس امت کو ایک اعلیٰ نصب العین دیا ہے۔ وہ یہ کہ وہ دنیا میں خدائے واحد کے دین کی علم بردار بن کر اٹھے، انسانوں کو ان کی دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دے، دنیا میں خیر کو عام کرے، بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو ٹٹانے۔ اس دین کے بارے میں یہ تصور کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں کدورت اور نفرت پیدا کرتا ہے، انہیں ایک دوسرے کا حریف اور دشمن بناتا ہے اور ان کے تعلقات میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

آئندہ صفحات میں غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کسی قدر تفصیل سے پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اجنبیت کی دیوار نہیں کھڑی کی ہے بلکہ ان تعلقات کو وہ ایک سماجی، معاشرتی اور معاشی ضرورت سمجھتا ہے۔ اگر غیر مسلم سے خونی رشتہ اور خاندانی تعلق ہو تو اسے وہ خاص اہمیت دیتا ہے۔ یہ تعلیمات صاف بتاتی ہیں کہ اسلام پر سختی سے قائم رہتے ہوئے اور اس کے احکام کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کے افراد سے انتہائی شریفانہ روابط رکھے جاسکتے ہیں اور رکھے جانے چاہئیں۔ یہ دین داری کے منافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے مطابق ہے۔

لے اس کی کسی قدر تفصیل راقم کے مضمون "اہل ایمان کے باہمی تعلقات" میں موجود ہے۔ مطبوعہ

ماہنامہ زندگی ڈوٹمی دہلی جنوری ۱۹۸۹ء۔

# خاندانی تعلقات

(حسن سلوک کی خصوصی ہدایات)

اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم ہے

اسلام نے اللہ تعالیٰ کا جو تصور دیا ہے اس میں اس کا رحمن ورحیم ہونا نمایاں ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کے آغاز ہی میں سورہ فاتحہ سے ملتا ہے۔ اس کا ابر رحمت پوری کائنات پر بہا رہا ہے۔ اسی سے اس کا وجود قائم ہے، ہر گوشہ عالم میں اس کی رحمت کے آثار ہو رہے ہیں۔ انسان اپنی پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر لمحہ میں اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

انسان سے رحم اور ہمدردی مطلوب ہے

اسلام چاہتا ہے کہ انسان بھی رحمت کا پیکر بنے اس کے اندر محبت، الفت، تعاون، ہمدردی اور غم خواری کے جذبات موجزن ہوں۔ اس کی سیرت و کردار سے رحم دلی کا مظاہرہ ہو، اس کا سینہ سنگ دلی اور شقاوت سے پاک ہو، وہ اپنے اپنا دنوں کے ساتھ وہ سلوک کرے جس کی توقع وہ خدا کی ذات سے کرتا ہے اور جس سے وہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود شب و روز بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔ وہ ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہے، ظلم و عدوان سے اس کا دامن داغ دار نہ ہو، اس کے اندر عفو و درگزر کی صفت پائی جائے، وہ جذبات سے مشتعل نہ ہو، طیش میں نہ آئے اور غصہ برقا بور کھے، مہربانیت کا دامن نہ چھوڑے اور معاشرہ میں محبت اور رحمت کی خوشبو پھیلاتا رہے۔

وَلَوْ أَصَوْا بِأَبَانَةٍ لَوَلَّوْا صَوًّا  
جو ایک دوسرے کو مہر کی تاکید کرتے ہیں  
بِالْمُنْحَمَةِ (البلد: ۱۷)  
اور رحم کھانے کی تاکید کرتے ہیں۔

## صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کی ہدایت

انسانی تعلقات کے استحکام کا پہلا قدم صلہ رحمی ہے۔ اس کا تعلق خونی رشتوں سے ہے۔ اسلام نے ان رشتوں کو بہت اہمیت دی ہے۔ اس کی تعلیمات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان فطری طور پر جو رشتے اور ناٹے ہیں ان کا احترام ہو ان سے بہتر اور خوش گوار تعلقات ہوں، ان کے حقوق پہچانے جائیں اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی سے احتراز کیا جائے۔ اگر انسان کا اپنے قریب ترین دائرہ میں بہتر سلوک ہو تو توقع ہے کہ وسیع تر دائرہ میں بھی اس کا رویہ محبت و اخوت اور ہمدردی کا ہو گا اور پورے معاشرہ پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوں گے، لیکن اگر قرابت دار بھی انسان کے ظلم و جور کا شکار ہونے لگیں تو جن افراد سے اس کا دور کا واسطہ ہے وہ اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صلہ رحمی کے بغیر محبت، شرافت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کے نزدیک انسان کے قرابت دار اس کے حسن سلوک، تعاون اور ہمدردی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ کے نیک بندے ان کے حقوق سے غافل نہیں ہوتے۔

الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ  
جو اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرتے  
وَمَا يَنْقُضُونَ أَيْمَانَهُمْ وَالَّذِينَ  
ہیں اور اس کے عہد کو نہیں توڑتے  
يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ  
اور جو ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے  
يُؤْتُوا وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ  
جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور  
سُوْرَةُ الْحِسَابِ ۵  
اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور رب سے  
حساب کا جہنم خوف لائق رہتا ہے۔  
(ارعدہ: ۲۰-۲۱)

خدا سے غافل اور دنیا دار انسانوں کا حال بالکل دوسرا ہوتا ہے۔ ان کی

زندگی ان اعلیٰ صفات سے عاری ہوتی ہے اور وہ فساد فی الارض مچاتے پھرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَنْفُضُونَ عَهْدَ  
اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ  
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ  
بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُوا فِي  
الْأَرْضِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمُ  
الْعَنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ  
الدَّارِ ۝

(الزمر: ۲۵)

جو لوگ اللہ سے کیے گئے عہد کو  
اسے مضبوط بنانے کے بعد توڑ ڈالتے  
ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا  
حکم دیا ہے انھیں کاٹ ڈالتے ہیں اور  
زمین میں فساد مچاتے ہیں یہی لوگ ہیں  
جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے  
آخرت میں برا انجام ہے۔

اسلام نے معاشرہ کے فلاح کی بنیاد عدل و احسان، قربت داروں کے حقوق کی ادائیگی، فحش و منکر اور ظلم و عدوان سے اجتناب پر رکھی ہے۔ ان اعلیٰ اقدار کے بغیر کسی مہذب سماج کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ  
وَإِلْحْسَانٍ وَإِيتَاءِ ذِي  
الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ  
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
وَأَنْ يُعْطِيَكُمْ لِعِظْمِكُمْ  
تَذَكَّرُونَ ۗ

(المائد: ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان  
کا حکم دیتا ہے اور قربت داروں کو دان  
کامیابی دینے کا اور وہ منع کرتا ہے فحش  
اور منکر سے ظلم اور سرکشی سے تمہیں وہ  
نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

## غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک

قربت اور رشتہ داری کی بنیاد والدین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید کی ہے۔ اس میں گو کہ غیر مسلم بھی آتے ہیں۔ لیکن غیر مسلم والدین کی طرف سے کبھی جارحانہ رویہ بھی اختیار کیا جاسکتا

اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' باب 'خدمت کے یہ مستحق ہیں'۔

ہے اور نزول قرآن کے وقت مسلمان نوجوان اسی رویے سے دوچار تھے۔ اس صورت حال میں اندیشہ تھا کہ مسلمان اولاد پر اس کا رد عمل ہو اور وہ غیر مسلم والدین کے ساتھ کوئی نامناسب سلوک کر بیٹھیں، اس لیے ہدایت کی گئی کہ عقیدہ ہر چیز پر مقدم ہے۔ ماں باپ اگر توحید کے مقابلہ میں شرک و کفر کی دعوت دیں اور اس پر اصرار کرنے لگیں تو ان کی بات ناقابل قبول ہوگی اور وہ کسی حال میں نہیں مانی جائے گی لیکن ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے دنیوی حقوق ادا کیے جائیں گے اور وہ کبھی نظر انداز نہ ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهَمَّ عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُهُ فِى عَمَّالَيْنِ أَبِى أَشْكُرُ لِي وَوَالِدَيْكَ إِنِّى الْمَصِيْرُ وَإِنِّى جَاهِدُكَ عَلَىٰ أَنْ تَشْرِكَ بِي فِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ وَلَوْلَا لَطْفُهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوفًا	ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے کم زوری پر کم زوری اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال کا درد بھرتے میں لگے، اس لیے ہم نے اسے وصیت کی کہ تم میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اور ان کے ساتھ معروف کے
--	---

(تقمیل: ۱۵، ۱۴) مطابق اپنا برتاؤ رکھ۔

ان آیات میں صاف طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ والدین کے ساتھ چلے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں جن سلوک کیا جائے گا۔ ان کے شرک و کفر کی وجہ سے کسی قسم کی بدسلوکی روانہ ہوگی۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے 'وان جاهدك' الخ (اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے)

کے الفاظ سے واضح کر دیا ہے کہ حسن سلوک کا یہ حکم مسلم والدین اور غیر مسلم والدین دونوں ہی کے لیے ہے۔ پھر یہ فرما کر صاحبہمما فی الدنیا معروفہ (دنیا میں ان کے ساتھ معروف کے مطابق برتاؤ رکھو) اس حکم کو موکد اور مستحکم کر دیا ہے۔

اس کے قانونی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ باپ اگر اولاد کو قتل کر دے تو اس سے (شریعت کے عام ضابطہ کے مطابق) قصاص نہیں لیا جائے گا، وہ اس پر تہمت لگائے تو اس پر حد نہیں جاری ہوگی، اولاد کے قرض کی عدم ادائیگی پر اسے قید نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ والدین محتاج ہوں تو ان کا نان و نفقہ اولاد پر واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں معروف کے ساتھ برتاؤ میں آتی ہیں اور اس کے خلاف اقدام اس کے منافی ہوگا۔<sup>۱۵</sup>

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ آدمی کے والدین چاہے مسلمان ہوں یا کافر ان کا نان و نفقہ اس پر واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے ساتھ بھی برتاؤ میں معروف کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اس کا تقاضا ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔  
من المعروف ان یعیش فی نعم اللہ تعالیٰ ویترکہما جوعاً۔ یعنی یہ کوئی نیکی اور مزدور نہیں ہے کہ آدمی خود تو اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا مارنے چھوڑ دے۔  
علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

والایۃ دلیل علی صلۃ الابین	آیت دلیل ہے اس بات کی کہ کافر
الکافرین بما امکن من العال	ماں باپ کے ساتھ مال کے ذریعہ ممکن
ان کان فقیرین والانتہ	حد تک صلاحی کی جائے گی اگر وہ محتاج
القول والدعاء الی الاسلام	ہوں اور ان کے ساتھ گفتگو میں ملاحظت
برقی سنہ	برقی جائے گی اور اسلام کی طرف نذری سے انہیں دعوت دی جائے گی۔

۱۵۔ جصاص، احکام القرآن: ۲۳۲/۳، احادیث سے ان تمام نکات کی تائید ہوتی ہے۔

۱۶۔ جبار، ج ۲ ص ۲۲۸، ۲۲۹۔ نیز ملاحظہ ہو 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' ص ۶۳

۱۷۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن ۴۵/۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے مشہور واقعہ سے ملتا ہے۔

فرماتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب بنی قلمہ پر گیا، میری ماں جو مشرک تھیں مجھ سے ملنے آئیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رجمی کرو۔<sup>۱</sup>

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور تحفہ گوہ، پیر اور کھن لائی تھیں، لیکن حضرت اسماء نے انھیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کر لیں اور اپنے گھر بھی آنے دیں۔<sup>۲</sup>

امام نووی فرماتے ہیں:-

فیه جواز صلۃ القریب  
اس حدیث سے مشرک رشتہ دار کے  
ساتھ صلہ رجمی کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ خطاب نے لکھا ہے:

فیه ان الرحم انکانوۃ  
توصل من المال ونحوہ  
کما توصل المسلمۃ ویستنبط  
منہ وجوب نفقۃ الاب  
اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے  
کہ کافر رشتہ کے ساتھ بھی مال وغیرہ کے  
ذریعہ صلہ رجمی کی جائے گی جیسا کہ مسلم رشتہ  
کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سے یہ منبلا

<sup>۱</sup> ان کا نام قتیلہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں طلاق دے دی تھی فتح الباری: ۵/۲۳۳

<sup>۲</sup> بخاری، کتاب الہب، باب الہدیۃ للمشرکین، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی الاقربین

<sup>۳</sup> نیل الاوطار: ۶/۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱

انکافر و الام انکافرة دان  
کان الولد مسلماً لہ  
بھی کیا جاتا ہے کہ کافر باپ اور کافر  
ماں کا نفعہ وار جب تک پہلے ہے اولاد مسلمان ہو۔

## غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات

قرآن مجید نے والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی ہے۔ احادیث میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم رشتہ دار دونوں ہی آتے ہیں۔ بعض قانونی احکام میں ان کے درمیان فرق ہے لیکن حسن سلوک اور تعاون اور ہمدردی کے غیر مسلم رشتہ دار بھی مستحق قرار دئے گئے ہیں۔ یہاں پہلے ایک قانونی فرق کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ قرآن مجید نے وراثت کے سلسلہ میں یہ قانون بیان کیا ہے کہ آدمی کے خوئی رشتہ دار ہی اس کے وارث ہو سکتے ہیں۔ غیر رشتہ دار وراثت نہیں ہو سکتے۔ وراثت کا اس نے تعین کر دیا ہے۔

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا  
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ  
ہم نے ہر ایک کے لیے جو کچھ والدین  
اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے وارث  
مقرر کر دئے ہیں۔ (النساء: ۲۳)

اسلامی قانون وراثت میں دین کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ ایک مسلمان کی وراثت کا حق اس کے مسلمان قرابت داروں ہی کو ہے، غیر مسلم قرابت دار اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ اسی طرح غیر مسلم کی وراثت کا حق اس کے غیر مسلم رشتہ داروں ہی کو حاصل ہوگا۔ مسلمان رشتہ دار اس سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث ہے:-

لا يرث المسلم الكافر  
مسلمان نہ تو کافر کا اور نہ کافر مسلمان

ولا الكافر المسلم له وارث ہوگا۔ کا وارث ہوگا۔  
 وراثت کے کچھ اصول ہیں اور رشتہ داروں کے درمیان ایک ترتیب ہے۔  
 اسی لحاظ سے وہ وراثت کے حق دار ہوں گے۔

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ  
 اور رشتہ دار ایک دوسرے کے  
 بَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ  
 زیادہ حق دار میں اللہ کے قانون میں۔  
 شَيْءٍ عَلِيمٌ (الانفال: ۷۵)  
 بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔  
 یہ بات صرف وراثت کی حد تک ہے۔ اس سے ہٹ کر جو رشتہ دار اور خویش  
 اقارب وراثت نہیں ہیں آدمی ان کی مدد اور تعاون کر سکتا ہے اور اسے کرنا چاہیے۔ وقتِ ضرورت  
 ان کے حق میں وصیت بھی کی جاسکتی ہے:-

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ  
 اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک  
 بَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْأُمَّةِ  
 دوسرے کے زیادہ قریب ہیں دوسرے  
 وَالنَّمُوحِيِّينَ إِلَّا أَنْ تُفْعَلُوا إِلَّا  
 اہل ایمان اور مہاجرین سے۔ مگر یہ کہ تم اپنے  
 أَوْلِيَّكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ  
 رفیقوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرنی چاہو  
 فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا  
 تو کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کی کتاب میں لکھا  
 (الاحزاب: ۶) ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا غیر وارث مسلم عزیزوں اور قرابت داروں کی طرح غیر مسلم رشتہ داروں  
 کی بھی مدد کی جاسکتی ہے اور ان کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے؟ فقہاء سلف نے اس کا  
 جواب اثبات میں دیا ہے۔ اسے وہ جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیاد سورہ احزاب کی یہی  
 مذکورہ بالا آیت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ نے اپنے ایک

سہ بخاری، کتاب الفرائض، باب لایرث المسلم الکافر مسلم، کتاب الفرائض، اس موضوع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔  
 حصص الاحکام القرآن: ۱۷۲/۱۷۳۔ نودی، شرح مسلم ج ۴، جز ۱۱، ص ۵۲-۵۳۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۶/۱۶۲-۱۹۴

یہودی عزیز کے لیے وصیت کی تھی۔

حضرت عکرمہ کی ایک روایت میں ہیں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت صفیہؓ نے اپنا ایک مکان حضرت معاویہؓ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا۔ انہوں نے ایک عزیز سے جو یہودی تھا، کہا اگر تم اسلام لے آؤ گے تو میرے وارث ہو جاؤ گے، لیکن اس نے ان کی بات نہیں مانی۔ پھر انہوں نے اس کے نام وصیت کر دی۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق وصیت تیس ہزار کی تھی۔  
امام شعبی کہتے ہیں:-

تَجِزُ وَصِيَّةَ الْمُسْلِمِ لِلنَّصْرَانِيِّ سَلْمَانَ نَهْرَانَ كَوَصِيَّةِ كَرَسْتَايَةَ۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے سورہ احزاب کی آیت کے اس فقرہ **اَلَا اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّ اَوْلِيَاءَكُمْ مَعْرُوْفًا** (مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ بھلائی کرو) کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ عطاء اور بخشش مراد ہے۔ میں نے کہا کہ کیا وہ بخشش جو ایک مومن اپنے کافر قرابت دار کو کرتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ زندگی میں وہ جو اسے دیتا ہے اور اپنے بعد اس کے لیے جو وصیت کرتا ہے۔

حضرت قتادہؓ سے اس فقرہ کی تشریح ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

اَلَا اِنْ يَكُوْنُ لَكَ ذُو قَرَابَةٍ  
لَيْسَ عَلَيَّ دِيْنِكَ فَتَوْصِي لَهٗ  
قَرَابَتِ دَارِ هُوَ جَسْنُ كَادِيْنٍ مَّبْتَرَا دِيْنِهٖ

۱۔ دارمی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ للاہل الذمہ۔ ۵۱۴/۲۔ ایک اور روایت میں دو یہودی قرابت داروں

کا ذکر ہے۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۲۳

۲۔ عبدالرزاق: المصنف: ۳۳/۶

www.kitabosunnat.com

۳۔ حوالہ سابق

۴۔ حوالہ سابق: ۳۲، ۳۳/۶

بالنشیء، هو وليك في النسب      ہو اور تم اس کے لیے وصیت کرو۔  
ولیس ولتک فی الدین۔      وہ رشتہ کے لحاظ سے تمہارا ولی ہے  
دین کے لحاظ سے ولی نہیں ہے۔

حضرت حن بصری نے بھی اس کی یہی تشریح کی ہے یہ  
محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے کہ مسلمان یہودی  
اور نصرانی کو وصیت کر سکتا ہے یہ  
صلہ رحمی میں وقت ضرورت قرض دینا اور قرابت دار مجبور ہو تو قرض معاف کر دینا  
بھی شامل ہے۔

عبداللہ بن مروان نے حضرت مجاہد سے پوچھا کہ میرا ایک مشرک رشتہ دار میرا مقروض  
ہے۔ کیا یہ قرض میں چھوڑ دوں؟ انہوں نے کہا ہاں چھوڑ دو اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔  
اسلام چاہتا ہے کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ سماجی تعلقات رکھے جائیں  
اور ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور تعاون کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کا ایک ذریعہ  
تحفے تحائف دینا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ سے ملتا ہے۔  
واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا بطور تحفہ  
بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ریشم کے استعمال سے تو آپ نے منع فرمایا  
ہے پھر یہ مجھے کس لیے عطا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم اسے  
پہنو بلکہ اس لیے ہے کہ کسی اور کام میں لاؤ، کوئی دوسرا فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت عمرؓ نے  
یہ جوڑا اپنے ایک (اخیا فی) بھائی کو جو مشرک تھے، تحفہ میں بھیج دیا۔

۱۱ عبدالرزاق: المصنف : ۳۳/۶ - ۳۲

۱۲ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۱۲/۱۲۶

۱۳ ابو عبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳

۱۴ بخاری، کتاب الہب، باب الہدیۃ للمشرکین۔ مسلم، کتاب النبا، باب تحريم استعمال ائمة الذہب والفضة الخ

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں:

وفى هذا صلة  
دليل لجواز صلة  
الاقارب الكفار  
والاحسان اليهم وجواز  
الهدية الى الكفار له  
اس سب میں دلیل ہے اس بات  
کی کہ اقربیت داروں کی صلہ رحمی اور  
ان کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے اس  
میں کفار کو بدیہ اور کھنچے کا جواز بھی  
موجود ہے۔

غیر مسلم والدین اور قرابت داروں سے خونی رشتہ بہر حال ہوتا ہے۔ اسلام نے اس کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ ان کے دکھ درد میں کام آنے، ان سے خوش گواری تعلقات رکھنے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اگر وہ دین سے پھرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اور اس سے بغاوت کی راہ پر لے جانا چاہیں تو ان کی اطاعت کسی قیمت پر نہیں کی جائے گی اور دین کی سر بلندی کی راہ میں مزاحم ہوں تو ان کا مقابلہ بھی کیا جائے گا لیکن ان کے دنیوی حقوق ادا کیے جاتے رہیں گے اور وہ پامال نہ ہوں گے۔

۱۔ نووی، شرح مسلم ج ۵ جز ۱۲ ص ۳۹

# عام انسانی تعلقات

(حسن سلوک کی عمومی ہدایات)

یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید نے غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک کا باغیچہ صریح حکم دیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم رشتہ دار بھی از روئے شرع حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ جن غیر مسلموں سے خون اور رشتہ کا تعلق نہیں ہے ان کے سلسلہ میں عمومی ہدایات ہیں جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ بعض اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو خطاب کر کے دی گئی ہیں لیکن ان ہدایات پر عمل جس طرح مسلمانوں کے سلسلہ میں ہوگا اسی طرح غیر مسلموں کے سلسلہ میں بھی ہوگا۔ دونوں کے ساتھ الگ الگ رویہ نہیں اختیار کیا جائے گا۔ خاص بات یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے ذیل میں بعض شہادت کو رفع بھی کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان پہلوؤں کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

قرآن مجید میں والدین اور قرابت داروں کے علاوہ یتیموں، مسکینوں، یتیموں، پڑوسیوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ عام حکم ہے۔ اس لیے حسن سلوک ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مطلوب ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے جس کسی کے ساتھ بھی غیر اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے گا وہ غیر اسلامی رویہ ہوگا۔

قرآن مجید کی ان عمومی تعلیمات میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے۔ اس کا تعلق فرد اور ریاست دونوں سے ہے۔ اس میں جنگی نفسیات اور سیاسی نزاکتیں بھی

لے تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' باب خدمت کے مستحق ہیں؛

شامل ہو جاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے ان کے ساتھ جو مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا اس سے بآسانی ان عمومی تعلیمات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

## غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

انسان جب خدا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو اس کے ہاتھوں اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق محفوظ نہیں رہ پاتے۔ وہ کم زوروں، ناداروں، یتیموں اور مسکینوں پر ستم ڈھانے اور ان کے حقوق پر دست دازی کرنے لگتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہی گئی ہے۔<sup>۱</sup> اس کے برخلاف خدا کے نیک بندوں کا کردار وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

دَائِبِعَمْرُونَ اِنطَعَامَ عَلٰی	اور وہ کھانا کھلاتے ہیں، اس کی
حَيْثُمْ مَسْكِيْنَا وَ يَبِيْمًا وَّ اَسِيْرًا	خواہش اور طلب کے باوجود مسکین، یتیم
اِنَّمَا نَطْعَمُكُمْ لِيُوجِبَ اللّٰهُ لَنَا	اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف
نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّ كَا شُكْرًا	اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں تم سے
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا لِيَوْمَ عَبُوسًا	کسی بددعا یا شکر کے طالب نہیں ہیں ہمیں
قَمْطَرِيْنًا	تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب
(الہمز: ۸-۱۰)	کا ڈر ہے جو سخت عیبست والا اور طویل ہوگا۔

معاشرہ کے کم زور افراد کو کھانا کھلانا، خدا کے نیک بندوں کے مجموعی کردار کی محض ایک علامت ہے۔ اس سے ان کی پوری زندگی کا رخ سمجھا جاسکتا ہے۔ یہاں اسی پہلو سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ کم زوروں کو بے سہارا نہیں چھوڑتے، مشکلات میں ان کے کام آتے ہیں، ان کو کھلاتے پلاتے اور ان کی ہر طرح

۱۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ سورۃ الفجر: ۱۰-۱۹، سورۃ البلد: ۱۱-۱۷، سورۃ المدثر: ۴۰-۴۱۔ اس کی پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ: "کم زور۔ اسلام کے سایہ میں" مطبوعہ ماہنامہ زندگی، رام پور گتہ نمبر ۱۱۱

سے مدد کرتے ہیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔

یہاں تینوں اور مسکینوں کے ساتھ قیدیوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ تیم اور مسکین چاہے اپنے ہوں یا پرانے، ان کا تعلق کسی بھی قوم اور طبقہ سے ہو، ان کی بے کسی اور مظلومی کا احساس پایا جاتا ہے۔ یہی احساس آدمی کے اندر ان سے ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔ وہ ان کی مدد کرے یا نہ کرے انھیں مدد کا بہرہ حال تحقق سمجھتا ہے۔ صرف شقی القلب اور خود غرض انسان ہی ان جذبات کو دبا سکتا ہے لیکن قیدیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ سیاسی مجرم سمجھے جاتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کا وہ جذبہ عام حالات میں مفقود ہوتا ہے جو کسی تیم یا مسکین کے سلسلے میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کے ساتھ دنیا میں بہت ہی برا سلوک ہوتا رہا ہے، انھیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں، وہ کال کو ٹھریوں میں پڑے پڑے ختم ہو جاتے تھے، باہر نکلتے تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور بیروں میں بیڑیاں ہوتی تھیں، ان کی ضروریات کی تکمیل کی کوئی مستعین صورت نہ تھی۔ بسا اوقات بھیک پران کا گزارہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کے اندر قیدیوں کے مجرم اور گناہ کار ہونے سے زیادہ ان کے انسان اور ہمدردی کے مستحق ہونے کا جذبہ ابھارا۔

یہ آیت سورہ دہر کی ہے۔ عام طور پر علماء نے اسے مدنی قرار دیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مقاتل، کلبی اور یحییٰ بن سلام نے اسے مکی کہا ہے۔ اس کی تائید سورہ کے مضامین سے ہوتی ہے۔ مکہ کے اصحاب ثروت اور زر پرست مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ جس شقاوت اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں رہا ہوگا۔ اسلام نے اس پورے رویہ پر تنقید کی اور اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کی کہ وہ ظلم و جور کے شکنجہ میں کسے ہوئے قیدیوں کو اپنی محبت اور حسن سلوک سے راحت پہنچا رہے ہیں۔ یہ بات جس پس منظر میں کہی گئی ہے اور عملاً جو صورت حال تھی اس میں مسکین

تیم اور قیدی مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم ہی تھے۔ کئی دور میں گو مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں تھے لیکن ان کی یہ تصویر ابھر کر سامنے آ رہی تھی کہ ان کم زوروں کے ساتھ ان کا رویہ ہمدردی، محبت اور انسان دوستی کا ہے۔

مشہور تابعی مفسر عکرمہ نے 'امیر' سے غلام مراد لیا ہے ۱۱۱

غلامی بھی ایک طرح کی قیدی ہی ہے۔ قرآن مجید نے بندِ غلامی کو توڑنے اور غلاموں کو آزاد کرنے کی تحریک شروع کی اور ترغیب و تشویق کے ذریعہ اسے آگے بڑھایا۔ مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو خدا کے ان نیک بندوں نے قیدیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ 'امیر' سے اس آیت میں کس قسم کے قیدی مراد ہیں۔

ہر ریاست بعض خاص قسم کے جرائم کے ارتکاب پر اپنے شہریوں کو قید و بند کی سزا دیتی ہے۔ یہ شہری یا ملکی قیدی ہیں۔ ریاست حالتِ جنگ میں ہو تو دشمن کے افراد بھی قیدی بنائے جاتے ہیں۔ انہیں غیر ملکی قیدی کہا جاسکتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں دونوں طرح کی رائیں ملتی ہیں ۱۱۲

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔

الاسیر من اهل الشرك	ایر وہ ہے جس کا تعلق مشرکین سے
يكون في ايدىهم	ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں (قیدی) ہے
لقد امر الله بالاسرى ان	یہی تفسیر قتادہ اور سعید بن جبیر نے کی ہے حضرت قتادہ کہتے ہیں۔
يحسن اليهم وان اسواهم	لقد امر الله بالاسرى ان
	کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی

۱۱۱ ابن کثیر، تفسیر: ۴/۲۵۵

۱۱۲ ابن جریر، تفسیر: جزء ۲۹ ص ۱۲۹-۱۳۰

یومئذ لاہل الشریکۃ  
اہل شرک ہی ہوتے تھے۔  
ابن جریر کہتے ہیں:

لم یکن الا سیر یومئذ  
اس زمانہ میں قیدی مشرکین ہی میں  
الا من المشرکین  
سے ہوتے تھے۔  
علامہ ابوعبید اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

یرید ان اللہ تعالیٰ قد صد  
ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
علی اطعام المشرکین ۴۴  
مشرکین کو کھلانے پر تعریف کی ہے

حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ 'اسیر' اہل قبلہ (مسلمان) اور غیر اہل قبلہ (غیر مسلم) دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔

امام قرطبی نے اسے ایک جامع قول قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں مشرک قیدی کو کھانا کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے۔ البتہ اس پر خرچ فرض صدقات سے نہیں، نقل صدقات سے ہوگا۔

امام ابن جریر طبری کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'اسیر' کا لفظ عام ہے۔ وہ حربی بھی ہو سکتا ہے جو جنگ میں گرفتار ہوتا ہے اور اہل قبلہ میں سے بھی ہو سکتا ہے جسے کسی جرم میں گرفتار کیا گیا ہو۔ یہاں نیک بندوں کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا اور اس سے تقرب کے لیے اور جذبہ رجم سے انہیں کھلاتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں۔ یہ بات قیامت تک کے لیے ہے۔  
علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ یہاں 'اسیر' سے مراد مشرک قیدی ہیں۔ ان کی ذیل

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۹/۱۲۹

۲۔ ابوعبید، کتاب الاموال ص ۵۲۳

۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۹/۱۲۹

۴۔ ابن جریر، تفسیر: جز ۲۹ ص ۱۲۰

یہ ہے کہ مسلمان قیدی کو علی الاطلاق 'اسیر' نہیں کہا جاتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک قیدیوں پر ہر طرح کے اموال صدقات صرف کیے جاسکتے ہیں لیکن (جیسا کہ پہلے گزر چکا) ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ صدقات مستثنیٰ ہیں جن کے وصول کرنے کا حق حاکم کو ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان تعلیمات کا عملی ثبوت ہے۔

جنگ بدر میں مشرکین کے شر آدمی مارے گئے اور شر ہی قیدی بنائے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس پر عمل جس طرح ہوا اس کا ذاتی تجربہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزییر بن عمیر کی زبانی سنئے:

وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے۔ فرماتے ہیں کہ انہیں بعض انصار کے حوالے کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور رکھا کر رہ جاتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتا۔ اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم

۱۔ احکام القرآن: ۳/ ۵۷۹

۲۔ بخاری، کتاب النفاذی۔ ابن ہشام میں ہے کہ قیدی سآؤن تھے۔ ان میں بیشتر کا نام بنام ذکر ہے۔ ابن ہشام ۲/ ۳۶۲ - ۳۶۷، قیدیوں کی تعداد میں اور بھی اختلافات ہیں، بخاری کی روایت صحیح اور متبرہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ ۲/ ۴۵۶، ۴۶۳۔

۳۔ ماوردی نے ایک کم زور سی روایت نقل کی ہے کہ ہاجرین میں سے سات افراد نے بدری قیدیوں کی گفتگو کا بوجھ اٹھایا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت ابو بکرؓ، علیؓ، زبیرؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، سعید بن العاصؓ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم۔ ماوردی، النکت والعیون: ۴/ ۲۷۰۔ انصار کے سلسلہ کی تفصیل نظر سے نہیں گزری۔

سی محسوس ہوتی تھی۔

یہ جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے اور قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس	قیدی لایا جاتا تو آپ اسے کسی مسلمان کے
حوالہ کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا	سلوک کرے۔ یہ قیدی اس کے پاس دو دن
دن رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات	کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔

جنگ بدر کے قیدیوں ہی کے سلسلہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں ہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے اور وہ پھر کہیں آپ کے خلاف اپنی خطابت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں (اس طرح کی) سزا دوں تو اللہ تمہیں بھی سزا دے سکتا ہے گو کہ میں نبی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے، ممکن ہے کہ کل وہ کسی ایسی حیثیت میں ہو جو تمہارے لیے ناگوار نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں ملکی قیدیوں اور قید خانوں کے متعلق قوانین موجود ہیں اور اصلاحات ہوئی ہیں، جنگی قیدیوں کے بارے میں بھی بعض بنیادی اصول تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ایک تو ان کا چرچا زیادہ ہے، پابندی کم ہے، دوسرے یہ کہ ان اصلاحات اور قوانین کا تعلق ریاست سے ہے، عوام ان سے غیر متعلق رہتے ہیں، انھیں ان سے

سہ ابن ہشام، سیرۃ النبی، ۲: ۲۵۶-۲۵۷

سہ زبیری، الکشاف عن حقائق التنزیل، ۴: ۱۹۹

سہ ابن ہشام، سیرۃ النبی، ۲: ۲۶۰-۲۶۱

دل چسپی نہیں پیدا ہوتی۔ اسلام نے ریاست کے ساتھ اس کے ایک ایک فرد میں قیدیوں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے۔ اس کے نتیجے میں تاریخ نے یہ کارنامہ دیکھا کہ جو قوم اسلام کے ماننے والوں پر برسرِ پیکار تھی اور جو انھیں ختم کرنے اور مٹانے کے درپے تھی، اس کے افراد جب میدانِ جنگ سے گرفتار ہو کر آئے تو انھوں نے خود تکلیف اٹھا کر ان قیدیوں کو راحت پہنچائی، خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا اور انھیں اچھا کھلایا پلایا، ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا۔ ان کی یہ ساری خدمت بے لوث اور بے غرض تھی، وہ نام و نمود نہیں چاہتے تھے، انھیں کسی صلہ کی تمنا نہ تھی۔ ان کے سامنے صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی تھی۔ وہ جو کچھ کرتے تھے اسی کے لیے کرتے تھے۔

اس طرح اسلام نے بتایا کہ غیر ملکی اور دشمنوں کی صف سے گرفتار ہونے والے قیدی بھی بہتر سلوک کے مستحق ہیں، ان کے ساتھ غیر انسانی رویہ اختیار کرنا اور انھیں ذہنی اذیت پہنچانا ناروا ہے۔ وہ گو دشمن ہیں لیکن انسان ہیں جب وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں آزاد نہیں ہیں تو ان کے انسانی حقوق کا احترام ہمارا فرض ہے۔ ریاست کو یہ حق بھی ہے کہ اگر اس کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے انھیں آزاد کر دے۔ یہ سب باتیں اسلام کے قوانینِ جنگ کا ایک حصہ ہیں۔ ان سے دنیا نے جنگ و صلح کے بین الاقوامی اصول و آداب سیکھے اور بہت سی اصلاحات کیں۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں تو دشمن کے قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کا ذکر ہو رہا ہے جس کی اسلام نے تعلیم دی اور جس کا عملی نمونہ اس کے ماننے والوں نے پیش کیا۔

بعض لوگوں نے سورہ دہر کی زیر بحث آیت کا تعلق مسلمان قیدیوں سے بھی جوڑا ہے۔ ظاہر ہے دشمن اور غیر ملکی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے، مسلمان قیدیوں کے سلسلہ میں اس سے بہتر رویہ ہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں:-

کان اسیر ہم      اس وقت ان کے قیدی مشرک تھے  
یومئذ المشرك و اخواک      (ان کے ساتھ جن سلوک رہا، تمہارا بھائی ہو  
المسلم احق ان      مسلم ہے وہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے  
تطعمه له      کہ تم اسے کھلاؤ پلاؤ اور اس کی عزت دیا  
کا خیال رکھو)

امام ابو یوسفؒ نے قیدیوں کے سلسلہ میں خاصی تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو فساد، فسق و فجور اور چوری وغیرہ کسی جرم میں گرفتار کیا جائے تو اگر وہ صاحب حیثیت ہے تو اسی کے مال سے اس پر خرچ کیا جائے لیکن نادار ہے اور زندہ رہنے کا سامان نہیں کر سکتا تو اس پر صدقہ کیا جائے یا بیت المال سے اس پر خرچ کیا جائے۔ دونوں ہی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں لیکن میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ بیت المال سے اس پر خرچ کیا جائے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب ایک مشرک قیدی کو کھلانا پلانا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے تو مسلمان کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے بھوک سے مرنے کے لیے کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟

مسلمان خلفاء، قیدیوں کے کھانے پینے اور سردی گرمی میں ان کے لباس کا نظم کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؓ نے عراق میں اور پھر حضرت معاویہؓ نے شام میں اس پر عمل کیا۔

اس کے بعد قید خانوں کی اصلاح کی تجاویز پیش کی ہیں۔ اسلام کی روح یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی اور شہری قیدیوں کے ساتھ بھی بہتر سے بہتر سلوک ہو۔ اسلامی تاریخ اسی کا ثبوت فراہم کرتی رہی ہے۔ اس کے

۱۔ ابن جریر طبری جلد ۲۹ ص ۱۳۰۔ زحمتی، الکشاف: ۱۹۶/۴

۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۱۳۹-۱۵۱

لیے جو قواعد و ضوابط بنائے جائیں ان میں ہی روح کار فرما ہونی چاہیے۔

## غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات

اسلام کی عمومی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے ایک اور مثال غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات کی ہے۔

انسان کا عملاً سب سے قریبی تعلق اس کے پڑوس سے ہوتا ہے۔ یہ تعلق جتنا مضبوط ہو وہ اتنا ہی سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ پڑوسی اس کے لیے خطرہ نہیں ہے، اس سے اسے کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی جان مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے گی اور وہ اس کے دکھ درد اور آسائش و راحت میں شریک ہوگا تو وہ یکسوئی اور دلچسپی کے ساتھ کاروبار حیات میں اپنی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے، ورنہ وہ سخت دشواریوں سے گزرے گا۔ اسلام نے انسان کو بہترین پڑوسی بننے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من كان يؤمن بالله

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا

والدیوم الآخر فلا يؤذ

ہے اسے اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں

جارتا

پہنچاتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ جب سالن پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں میں سے جس کے گھر ضرورت ہو اس میں سے کچھ اسے بھیج دو۔

پڑوسیوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم عام ہے۔ اس کے مستحق مسلمان پڑوسی کی طرح غیر مسلم پڑوسی بھی ہیں۔

ساہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار۔

مسلم، کتاب لہروالصلۃ، باب الومیۃ بالجوار والاحسان الیہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے ایک سے دو بار دریافت کیا کہ ہمارے فلاں یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوس کے سلسلہ میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ اسے وارث نہ بنا دیں بلکہ اس حدیث کے حوالے سے علامہ رشید رضا مصری کہتے ہیں۔

ہذا دلیل علی ان ابن عمر فہم من الوصایا المطلقة فی الجار انہا تشمل المسلم وغیر المسلم وناھیك بنہمہ وعلمہ ۱۷

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پڑوس کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں جو مطلق تاکید آئی ہیں ان سے یہ سمجھا کہ ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا علم و فہم تمہارے لیے کافی پہنچا ہے۔

اس کے بعد پڑوسیوں کا حق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الاحسان الی الجار الاهداء الیہ ودعوته الی الطعام ولعاهدۃ بالزیارۃ والعیادۃ ۱۸

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے ہدیہ اور تحفہ دیا جائے، کھانے پر بلایا جائے اور ملاقات اور عیادت کے ذریعہ اس کی خبر گیری کی جاتی رہے۔

قرآن مجید میں پڑوسی کی ایک قسم 'الجار الجنب' بتائی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہودی اور نصرانی مراد لیے ہیں۔ اس حوالہ سے علامہ قرطبی کہتے ہیں۔

فانصاة بالجار ما مودہا مندوب پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے

۱۷ البوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

۱۸ رشید رضا، تفسیر المنار: ۹۲/۵

۱۹ حوالہ سابق

الیہا مسلماکان اذکافرا<sup>۱</sup> یہ مندوب اور پسندیدہ ہے۔ پڑوسی  
چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

مزید فرماتے ہیں :-

قال العلماء الاحادیث علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام  
فی اکرام الجارجاوت مطلقۃ و احترام میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق  
غیر مقیدۃ حتیٰ انکافرینہ ہیں اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ کافر کی بھی  
قید نہیں ہے (اس کا بھی اکرام ہوگا)

اس سے صاف واضح ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات عام ہیں ان کا تعلق  
صرف مسلمانوں سے نہیں ہے۔ ان پر عمل جس طرح اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہوگا  
اسی طرح دیگر مذاہب والوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

## مسلمانوں سے متعلق ہدایات میں غیر مسلم بھی داخل ہیں

قرآن و حدیث کی بہت سی تعلیمات وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کے پیش نظر دی گئی ہیں۔  
ان میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے؟ لیکن  
معنوی لحاظ سے یہ عام ہدایات ہیں ان سے غیر مسلم خارج نہیں ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے  
مسلمان کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیے وہی سلوک غیر مسلم کے ساتھ بھی اس کے لیے روا  
ہے۔ دونوں کے سلسلہ میں دو الگ رویے وہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی دو ایک  
تعلیمات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

مشداح، امام بخاری کی الادب المفرد، طبرانی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مسعود  
کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۵/۱۸۳

۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۵/۱۸۸

احبیبوا الداعی ولا  
دعوت دینے والے کی دعوت قبول  
کرد، ہدیہ کو واپس مت کرو اور مسلمانوں کو  
المسلمین زد و کوب مت کرو۔

دعوت اور ہدیہ قبول کرنے کے کچھ آداب ہیں۔ یہاں ان کا ذکر نہیں ہے۔ آخری فقرہ ہے 'ولا تضربوا المسلمین' علامہ مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: مسلمانوں کو مت مارو سوائے اس کے کہ ان پر کوئی حد لازم آجائے یا کسی غلطی پر تادیب کرنی پڑے۔ ان کے ساتھ لطف و محبت کا معاملہ کرو یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ تھا۔ آپ نے کسی خادم یا غلام یا لونڈی کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا۔ تقویٰ سے قریب تر رویہ یہ ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔ مسلمان کو بلا وجہ مارنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

والنعبید بالصلم غالی  
فمن له ذمۃ اذعہد  
معتب یحرم ضربہ تعذیالہ  
سلان کا ذکر غالب صورت حال  
(مسلم معاشرہ) کے پیش نظر ہے درنہ اسلامی  
ریاست میں جو ذمی ہے یا جس کے  
ساتھ معتبر عہد و پیمان ہے ناحق اسے مارنا  
بھی حرام ہے۔

کسی مسلم یا غیر مسلم کو زد و کوب کرنا غلط اخلاقیات کی ایک مثال ہے۔ اس سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی بھی غلط اخلاقی رویہ کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔ ایک مسلمان کا جو رویہ ہونا چاہیے اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے ہوتا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے۔

۱۱۱ استشار احمد کم  
تم میں سے کسی سے اس کا بھائی شترہ

اخاۃ فلیشر علیہ کرے تو اسے (صحیح) مشورہ دے۔

علاوہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے کسی ذہنی معاملہ میں مشورہ طلب کرے تو جو بات اس کے حق میں بہتر ہو اسی کا مشورہ دے ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ خیانت ہوگی۔ اس لیے خیر خواہی لازم ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ذکر الاغ غالبی و نلو  
استشار ذمی کان کذالک علیہ  
بھائی کا ذکر غالب مشورہ مال و مسلم صاحب  
کی بنا پر ہے۔ اگر کوئی ذمی مشورہ کرے تو  
اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے غیر مسلموں سے ربط و تعلق سے کہیں منع نہیں کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی ہدایت یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے، ان سے خونی رشتہ ہو تو اس کا احترام کیا جائے، بحیثیت انسان ان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ وقت ضرورت ان کی خدمت کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا اس کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل اور کار ثواب ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کچھ ذہنی تحفظات تھے تو اسلام نے انہیں رفع کیا ہے اور کسی قسم کے شک و شبہ کو باقی رہنے نہیں دیا ہے۔

## غیر مسلموں پر خرچ کرنا بھی خدا کی راہ میں انفاق ہے

قرآن مجید نے اس خیال کی اصلاح کی کہ انفاق صرف مسلمانوں پر ہونا چاہیے اس نے واضح کیا کہ غیر مسلموں کے دکھ درد میں کام آنا اور ان کی مالی مدد کرنا بھی راہِ خدا میں انفاق ہی کی ایک صورت ہے۔

سورہ بقرہ میں ایک جگہ راہِ خدا میں انفاق کا ذکر ہے، اس کی ترغیب ہے۔ اخلاص

اور بے غرضی کے ساتھ خرچ کرنے اور نام و نمود اور ریا کاری سے بچنے کی تاکید ہے، کھلے چھپے ہر طریقہ سے انفاق کا حکم ہے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت ہے جو دست سوال دراز نہیں کرتے۔ (آیت ۲۶۱ تا ۲۶۴) میں ان تفصیلات کے بیچ میں ایک آیت آئی ہے جو قابل غور ہے اور ہمارے موضوع سے اس کا خاص تعلق ہے۔  
 ارشاد ہے :-

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ	(اے پیغمبر! آپ پر ان کو ہدایت بخش
وَلِكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ	دینے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اللہ
يَشَاءُ، وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ	جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔
فَلِأَنْفُسِكُمْ، وَمَا تُنْفِقُونَ	تم جو بھی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے
إِلَّا أَنْتُمْ، وَجِبِلَّ اللَّهِ، وَمَا	اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ (دیکھو) تم
تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ	اللہ کی رضا ہی کے لیے تو خرچ کرتے ہو۔
إِلَيْكُمْ، وَأَنْتُمْ لَا تَطْلُمُونَ ۝	تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اس کا پورا بدلہ
(البقرہ: ۲۶۲)	تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی

یہ آیت یہاں کیوں آئی ہے؟ اس کا اصل مضمون سے کیا تعلق ہے؟ اس بارے میں تفسیر میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ مسلمان جو کچھ صدقہ و خیرات کریں وہ مسلمانوں ہی پر کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے، سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ میں جو حاجت مند ہوتے مسلمان ان پر انفاق کیا کرتے تھے، جب مسلمانوں ہی میں حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا :-

لا تَتَصَدَّقُوا إِلَّا عَلٰی	اپنے ہم مذہب لوگوں ہی پر تم صدقہ
أَهْلِ دِينِكُمْ	و خیرات کرو

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی جو دائرہ اسلام سے باہر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں انصار کے رشتے بنو قریظہ اور بنو نفیر سے تھے۔ انصار ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان پر خرچ کیا جائے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پس منظر میں یہود اور ان سے تعلقات تھے۔ گویا آیت نے ہدایت کی کہ ان کے نادار بھی حن سلوک کے مستحق ہیں اور ان پر بھی انفاق ہونا چاہیے۔ بعض دوسری روایات میں اسی پس منظر کے ساتھ مشرکین کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر انفاق نہیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہی بات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے کہ وہ اپنے مشرک قرابت داروں پر خرچ نہیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کی اجازت انھیں دے دی گئی۔ حضرت قتادہؓ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں کیا ان پر بھی انفاق کیا جاسکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسلام کی جس طرح ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور اس کے ماننے والے جس طرح جو روستم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے، اس کے خلاف مسلمانوں کے اندر دماغ

سہ قرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۲۲۴/۳

سہ ابن جریر، جامع ایمان من تاویل ای القرآن ۵۸۸/۵ طبع جدید دار المعرفہ، مصر

سہ ابن جریر: ۵۸۴/۵

سہ بیہقی - السنن الکبریٰ: ۱۹۱/۴ نیز ابن جریر حوالہ سابق

سہ ابن جریر: ۵۸۸/۵

کا پایا جانا غیر فطری نہ تھا۔ ان کے دل میں کبھی یہ سوال ابھرتا ہو گا کہ ان کے خویش و اقارب اور درود نزدیک کے لوگ آخر اس دین کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں جس میں سب کی صلاح و فلاح کا سامان ہے؟ کبھی یہ سوچتے ہوں گے کہ ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہمہردی کی جائے اور مشکلات میں ان کی مدد کی جائے جو زندگی بھر ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتے اور ناوک فگنی کرتے رہے؟ کبھی یہ خیال آتا ہو گا کہ ان دشمنانِ دین کے ساتھ تعاون کا کوئی اجر و ثواب بھی ہے یا نہیں؟ کبھی یہ خواہش موجزن ہوتی ہوگی کہ کاش یہ ایمان لے آتے اور ہم اپنا سب کچھ ان پر نچھادر کر دیتے۔ اور کی روایات ان سب کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

قرآن مجید نے انفاق اور اس کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے اس جذبہ کی بھی اصلاح کی ہے کہ تعاون اور ہمہردی کے مستحق صرف اپنے ہم مذہب افراد میں اور ان ہی کے ساتھ حسن سلوک ہونا چاہیے۔ اس نے کہا کہ انسانوں کی خدمت کی راہ میں عقیدہ و خیال اور دین و مذہب کے اختلاف کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ جو شخص ضرور مستند ہے اس کی مدد کرنا دینی اور اخلاقی فرض ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہل کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ آدمی کی یہ خواہش یا اصرار کہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ایمان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے اندر طلب صادق پائی جاتی ہے اسے وہ اس دولت سے نوازتا ہے۔ آدمی یہ سوچ کر انسانوں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے کام کرنا چلا جائے کہ اس کا اجر و ثواب اللہ نے چاہا تو محفوظ ہے اور کل وہ اس کے کام آئے گا۔ اس پورے پس منظر کے ساتھ آیت ان بہت سے الزامات کی تردید کرتی ہے جو اسلام کے کردار پر کیے جاتے ہیں

اس سے پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقہ پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرمادی۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فامر بالصدقة بعدھا اس آیت کے بعد آپ نے حکم دیا  
 علی کل من سألک من کل کر کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال  
 دین بلہ کرے تو اس پر خرچ کرو۔

اسی سلسلہ کی ایک اور روایت ہے:

تصدقوا علی اهل الادیان تمام اہل مذاہب پر صدقہ و خیرات کرو  
 حضرت سعید بن مسیبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی  
 گھرانے پر صدقہ کیا تھا جو بعد میں بھی جاری رہا۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی کہتے ہیں:

هَذَا الْكَلَامُ مُتَّصِلٌ بِذِكْرِ  
 یہ آیت صدقات کے ذکر سے ملی

الصدقات فكانتہ بئین فیہ جواز  
 ہوئی ہے۔ گویا اس میں یہ واضح کیا گیا

الصدقة علی المشرکین ہے کہ مشرکین پر صدقہ کرنا جائز ہے۔

اس بحث کا تعلق مسئلہ کے اخلاقی پہلو سے ہے۔ آئیے اب ذرا اس کے فقہی  
 اور قانونی رخ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے مال کا  
 کتنا اور کون سا حصہ غیر مسلموں کی مدد اور ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں خرچ کر سکتا  
 ہے اور کون سا حصہ خرچ نہیں کر سکتا؟

اسلامی شریعت میں صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو فرض اور واجب  
 ہیں اور دوسرے وہ جن کی نوعیت فرض یا واجب کی تو نہیں ہے لیکن اللہ کی رضا  
 کے لیے کیے جاتے ہیں۔ فرض صدقات میں سب سے پہلے زکوٰۃ کا سوال سامنے آتا  
 ہے۔ زکوٰۃ مال کی ایک خاص مقدار یا نصاب پر فرض ہوتی ہے۔ یہ صاحب نصاب

لہ ابن کثیر، تفسیر: ۱/۲۲۲

۱؎ رواہ ابن ابی شیبہ عن سعید بن جبیر مرسلًا (نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ: ۲/۳۹۸)

۲؎ ابو عبیدہ، کتاب الاموال، ص ۵۲۳۔ نصب الرایۃ: ۲/۳۹۸

۳؎ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/۳۲۴

مسلمانوں سے لی جاتی ہے اور متعین مدت میں غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

’اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے۔ دوسرے صدقات کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

صدقہ فطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر ہر صاحب حیثیت یا فقہ حنفی کی رو سے ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہوتا ہے۔ یہ صدقہ اسے اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔

صدقہ فطر کے بارے میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کے حکم میں ہے، لہذا اسے زکوٰۃ ہی کی طرح مسلمانوں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ ذمیوں پر بھی اس کے صرف کو جائز سمجھتے ہیں۔ عمرو بن میمون، عمرو بن شریک اور مرہ بہانی کے بارے میں آتا ہے کہ فطرہ کی رقم میں سے وہ راہوں کو بھی دیا کرتے تھے۔  
ابو میسرہ کہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس صدقہ فطر جمع کرتے وہ پورا کا پورا یا اس کا ایک حصہ راہوں کو دیتے تھے۔  
فقہ حنفی میں کہا گیا ہے:

ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی  
ذمی و یدفع الیہ ما سوی ذلک  
من الصدقۃ

کسی ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صدقات اسے دیئے جاسکتے ہیں۔

فقہہ کے بارے میں کہا گیا ہے:

ویؤدی المسلم الغطرۃ عن  
مسلمان اپنے اس غلام کی طرف سے

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰۶/۲-۱۰۷

۲۔ ابو عبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳۔ نیز ملاحظہ ہو ابن قدامہ، المغنی: ۳۱۵-۳۱۴/۲

۳۔ ابو عبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳

۴۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵

عبد کا انکار ہے۔ بھی نظرہ ادا کرے گا جو کا فر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص نے فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن مجید کی بعض آیات کا حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مشرکین پر بھی کیے جاسکتے ہیں لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ زکوٰۃ کی تمام قسمیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے تمہارے اصحاب ثروت سے زکوٰۃ وصول کرنے اور تمہارے اصحاب حاجت پیرا سے لوٹا دینے کا حکم ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن صدقات کے وصول کرنے کا حق امام باریا ست کو ہے وہ ذمیوں پر صرف نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ذمیوں کو دئے جاسکتے ہیں۔ جیسے نذر کا صدقہ، غلطیوں کے کفارہ کا صدقہ یا صدقہ فطر۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صدقات واجبہ غیر مسلموں پر صرف نہیں کیے جاسکتے۔ اسے انہوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء کے ہاں اس مسئلہ میں کتنی وسعت ہے اور انہوں نے کتنی گنجائش رکھی ہے۔

زکوٰۃ ایک چھوٹی سی مدد ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ دیگر صدقات واجبہ کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے۔ ان سے ہٹ کر انسانوں کی خدمت، تعاون اور ہمدردی کی بہت سی شکلیں ہیں۔ اسلام ان سب کی ترغیب دیتا اور تشویق پیدا کرتا ہے۔ ان کے ذریعہ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

## مخارجین اور غیر مخارجین کے درمیان فرق

جو لوگ اسلام کے نظام فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہیں وہ دو طرح کے روئے اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک رویہ عداوت اور مخالفت کا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو آزادی اور امن و

سہ بدرجہ ۱ ص ۱۸۹-۱۹۰ پر جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے ان کی صحت و ضعف پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو

سہ جصاص، احکام القرآن: ۵۴۷ - ۵۴۸

نصب الایہ: ج ۲ ص ۲۱۲ - ۲۱۶

سکون سے رہنے نہ دیں اور اسلامی ریاست سے ان کی جنگ جاری ہو، دوسرا رویہ آزادی، حریتِ فکر و عمل اور نظم و زیادتی سے اجتناب کا ہوگا۔ اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ سے عام انسانی ہمدردی اور تعاون سے منع نہیں کرتا البتہ ممالک اور رازدارانہ تعلقات سے احتراز کا حکم دیتا ہے کیونکہ یہ چیز دشمن کو تقویت پہنچانے کے ہم معنی ہے۔ جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلق ہے اس کے ساتھ حسن سلوک، تعاون اور ہمدردی کی بہر حال اجازت ہے۔ اس نے اس سے منع نہیں کیا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔

لَا يَذَّكَّرُ عَنْهُ رَبُّكَ لَئِنْ يَدْعُواكَ إِلَىٰ دِينِهِمْ أَوْ إِلَىٰ مَنَافِعِهِمْ أَوْ إِلَىٰ مَنَافِعِكَ أَوْ إِلَىٰ مَنَافِعِ الْوَالِدِينَ أَوْ إِلَىٰ مَنَافِعِ الْوَالِدِينَ أَوْ إِلَىٰ مَنَافِعِ الْوَالِدِينَ	اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس بات
--	---

۱۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام کا پس منظر کے ذیل میں آگے آ رہی ہے۔

۲۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی اور ظلم کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ تمہارا رویہ عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ بات نا انصافی کی ہوگی کہ انہیں بھی دشمنوں کی صف میں رکھا جائے اور دونوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جائے۔ اس کا ایک اور مفہوم ابن عربی مالکی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قسط سے مراد وہاں عدل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حصہ کے بھی آتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی خاطر اپنے اہوال کا ایک حصہ ان پر خرچ کرو اس لیے کہ جہاں تک عدل کا تعلق ہے وہ محارب اور غیر محارب سب کے =

فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُواكُمْ  
مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا  
عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تُوَدُّوهُمْ  
وَمَنْ يَمُؤْتَهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الظَّالِمُونَ ۝

سے منع کرتا ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی  
کر جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں  
جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے  
نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے  
کی مدد کی۔ جو شخص ان سے دوستی کرے

(الممتحنہ: ۸۰-۹) وہی ظالم ہے۔

اس آیت میں وہ کون لوگ مراد ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہیں  
کی اور اس طرح کا اقدام کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ اس کے جواب میں سلف  
سے حسب ذیل رائیں ملتی ہیں۔

۱۔ حضرت حن بصریؒ اور ابو صالحؒ کا بیان ہے کہ یہ آیات بنو خزاعہ، بنو حرت بن  
کعب کنانہ، مزینہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل سے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور آپ کے  
خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔

۲۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں بنو ہاشم کے ان افراد کی طرف اشارہ ہے  
جو ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے  
ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ان ہی میں حضرت عباس بھی ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غیر مسلم عورتوں اور بچوں سے متعلق  
ہے۔ (اس لیے کہ ان کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)۔

= ساتھ واجب ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔ وتقسطوا اليهم امی تعطوهم قسطا من  
اموالکم وليس یریدہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل و فی من  
لم یقاتل۔ احکام القرآن: ۲۰/۲۳۹

سہ اولیٰ، روح المعانی جز ۲۸ ص ۴۵۔ نیز ملاحظہ فرمائی، تفسیر کبیر: ۸/۱۳۲

سلف کی ان تشریحات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر تشریح کی خاص پہلو کو واضح کر رہی ہے۔ ان سب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا جن قبیلوں، قوموں اور ملکوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ ہوگا، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری ہی کا نہیں بلکہ برتر و احسان کاروہی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

جو قوم اسلامی ریاست سے برسرِ پیکار ہے، اس میں بھی ایسے گروہ اور طبقات ہو سکتے ہیں جن کے دل میں اسلامی ریاست سے حلیفانہ جذبات نہ ہوں اور جو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہوں۔ ان کے ساتھ بھی بہتر تعلقات رکھنے اور تعاون اور ہمدردی کا روہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اسی طرح محارب قوم کے وہ افراد جو جنگ میں جھد نہیں لے سکتے (جیسے عورتیں، بچے اور مندور وغیرہ) ان کے ساتھ وہ روہ اختیار نہیں کیا جائے گا جو برسرِ جنگ افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ وہ ہمدردی اور لطف و محبت کے مستحق ہوں گے۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کے ذیل میں سلف سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی بہتر اور صحیح توجیہ ان حضرات نے کی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسرِ جنگ نہ ہوں ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن سلوک کیا جائے گا۔ اس میں ایک گروہ اور دوسرے گروہ کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ آیت کو منسوخ بھی نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ اہل حرب میں سے کسی سے قربت اور رشتہ داری ہو یا نہ ہو اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی منسوخ اور ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا کوئی رازانہ پر نہ کھلے یا ساز و سامانِ حرب کے ذریعہ انھیں تقویت نہ پہنچائی جائے۔

## ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک

اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ ذمی اور حربی کے درمیان ایک مسلمان کے رویہ میں فرق ہوگا۔ ذمی اسلامی ریاست کا شہری ہوتا ہے اور اسے ایک طرح کا معاہدہ اس حاصل ہوتا ہے۔ اس کے احکام حربی کے احکام سے مختلف ہیں۔ ذمی کے دکھ درد میں کام آنا اور خشکات میں اس کی مدد کرنا ایک اخلاقی فریضہ ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں:

آیت کے الفاظ اَنْ تَبْرَدُوْهُمْ وَتَقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ میں عموم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیوں کو صدقات دئے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو ہم سے برسرِ جنگ ہیں، البتہ اس سے حربی کو صدقات دینے کی ممانعت نکلتی ہے (اس لیے کہ ریاست سے وہ حالت جنگ میں ہے)۔

## محارب قوم سے انسانی تعلقات

کسی قوم سے حالت جنگ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے عام انسانی تعلقات بھی نہ رکھے جائیں اور مصیبت میں اس کے ساتھ ہمدردی نہ کی جائے اور اس کی تکلیف پر خوشی منائی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ بتا رہے کہ دشمن اگر نازک حالات سے گزر رہا ہے اور معاشی یا کسی نوع کی ہمدردی کا مستحق ہے تو اس کے ساتھ تعاون ہونا چاہیے۔ امام محمد فرماتے ہیں:-

حربی یا ذمی کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کہہ کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو رسول اللہ نے ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیر کے پاس پانچ سو درہم بھیجوائے تاکہ وہ مکہ کے ضرورت مندوں اور محتاجوں میں انھیں تقسیم کر دیں۔ مزید فرماتے ہیں:-

صلوٰۃ رحمیٰ ہر ذمہ میں پسندیدہ ہے۔ دوسروں کو ہدیہ بھیجنا مکرم اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔

سلوٰۃ علامہ ابو بکر جصاص کے الفاظ یہ ہیں: اَنْ تَبْرَدُوْهُمْ وَتَقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ عموم فی جواز دفع الصدقات الی اهل

الذمۃ اذ لیس ہم من اهل قتالنا، فیہ النہی عن الصدقة علی اهل الحرب۔ احکام القرآن ۵/۳۰۳

نیز ملاحظہ فرمادیں: روح المعانی جلد ۲۸ ص ۴۵۔ ذمیوں کے حقوق پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ سلوٰۃ رد المحتار جلد ۲۲ ص ۹۲

## معاشرتی تعلقات

موجودہ دور میں انسان کی ضروریات زندگی کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا چلا گیا ہے اور ان میں بڑا تنوع آ گیا ہے۔ آج کی تیز رفتار مادی ترقی کے ساتھ ان میں روز بروز اضافہ ہی کا امکان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی بستی، شہر یا علاقہ ہی کے لیے نہیں بڑے سے بڑے ملک کے لیے بھی ان ضروریات کے سلسلہ میں خود کفیل ہونا دشوار ہو رہا ہے۔ اس کے لیے ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے مددینی پڑتی ہے۔ اس طرح درآمد و برآمد ہر ملک کی ضرورت بن گئی ہے۔ ایک چیز ایک ملک میں تیار ہوتی ہے دوسرا ملک اس کے لیے منڈی فراہم کرتا ہے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہے یا جو چیزیں لازمہ حیات بن گئی ہیں ان کی پیداوار اور تیاری پر کسی خاص قوم یا ملک کی اجارہ داری نہیں ہے۔ انھیں کوئی بھی ملک تیار کر سکتا ہے اور جہاں جس قسم کی ضرورت ہو فراہم کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ بین الاقوامی حالات اور آمد و رفت کی سہولتوں نے قوموں اور ملکوں کو قریب کر دیا ہے۔ کسی ملک کے افراد کا دوسرے ملک میں لمبی مدت تک قیام بلکہ وہاں جا کر آباد ہو جانا بھی ناممکن نہیں رہا۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے سامنے ان اشیاء کے استعمال کا سوال آتا ہے جنھیں غیر مسلم تیار کرتے ہیں۔ اس وقت خاص طور پر غذا اور لباس اور ان کے متعلقات زیر بحث ہیں۔ ان ہی کے ذیل میں بعض سوالات پر گفتگو کی جائے گی۔

### معاشرت عرب کے بعض پہلو

غذا اور لباس کا تعلق تہذیب اور معاشرت سے جڑا ہوا ہے۔ دنیا کی ہر قوم کی طرح

مشرکین عرب کی بھی خاص تہذیب اور معاشرت تھی، رسوم و رواج تھے، ان کی مخصوص غذائیں تھیں، ان کی تیاری کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ خوشی کے مواقع پر تقریبات اور دعوتوں کا رواج تھا اور ہر تقریب کا الگ نام تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی اسی تہذیب اور معاشرت میں پیدا ہوئے، صحابہ کرامؓ کا بھی اسی ملک اور اسی تہذیب سے تعلق تھا۔ آپؐ کی اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی غذا، لباس، رہن سہن اور معاشرت وہی تھی جو اہل عرب کی تھی۔

## غذائوں کی حلت و حرمت

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنی غذا کے لیے جن اشیاء کا استعمال کرتا ہے مذہب کی دنیا میں ان کی حلت و حرمت کا سوال بڑا اہم رہا ہے۔ بعض چیزیں ایک مذہب میں

لے بعض تقریبات کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔

- ۱۔ دبیر۔ نکاح کے بعد کی تقریب۔
- ۲۔ عقیقہ۔ بچہ کی پیدائش پر ساتویں دن کی دعوت۔
- ۳۔ اعذار۔ ختنہ کے موقع پر کی جانے والی دعوت۔
- ۴۔ النقیع۔ وہ دعوت جو سفر سے برعافیت واپسی پر کی جائے۔
- ۵۔ انوکیرہ۔ مکان کی تعمیر کی خوشی میں کی جانے والی دعوت۔
- ۶۔ الجفلی۔ دعوت عام
- ۷۔ النقری۔ دعوت خاص

دعوت کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا اسے المأدب کہا جاتا۔

ملاحظہ ہو۔ ابوہریرہؓ نے محمد بن عبد اللہ الاندلسی، العقد الفرید، بحث الطعمۃ العرب، ۶/۲۹۰-۲۹۲ متعلقہ احکام کی وضاحت اور تشریح کے لیے لسان العرب بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تقریبات میں سے بعض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اس لیے انہیں سنت کا درجہ حاصل ہے۔

جائز اور مباح ہیں تو دوسرے مذہب میں وہ ممنوع اور حرام سمجھی گئی ہیں۔ اہل عرب بھی انبیاء کی حلت و حرمت کے قائل تھے، لیکن اس کی بنیاد زیادہ تر مشرکانہ تصورات اور اوہام و خرافات پر تھی۔ اسلام نے ان کے باطل تصورات کی اصلاح کی اور کہا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے: (المحلہ: ۱۱۶) اس کے ساتھ اس نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ سورہ انعام مکی سورت ہے اس میں مشرکین کے غلط رسوم و رواج اور مذہبی خیالات پر تفصیل سے جرح و تنقید ہے۔ اسی میں ارشاد ہے:

قُلْ لَا أُجِدُّ فِي مَا أُنزِلَ  
إِنِّي مَعْرَمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ  
يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ  
مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ  
لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ  
أَوْ فِسْقًا أُهْلًا بِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ  
فَمَنْ اضْطُرَّ عَلَيْهِ بَاغٍ وَكَالٍ  
عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

کہہ دو کہ مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں کسی  
کھانے والے پر جو چیزیں کدہ کھاتے ہیں  
کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ  
مردار یا ہتہا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت اس  
لیے کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ جانور پر  
زبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام بیکار جائے  
لیکن اگر کوئی (جان بچانے کے لیے ان نعمت  
کے کھانے پر) مجبور ہو جائے اور وہ حد سے  
نہ بڑھے اور زیادتی نہ کرے تو تمہارا رب بڑا  
معاف کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔

(الانعام: ۱۴۵)

اس آیت میں بعض وہ چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں جنہیں اہل عرب حلال سمجھتے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض اور چیزوں کی حرمت بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جیسے شراب کی حرمت (المائدہ: ۹۰-۹۱) یہاں

۱۰-۱۱ اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' ص ۱۰-۱۱

اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ

## اشیاء میں اصل حلت ہے

اشیاء کی حلت و حرمت کے سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے۔ حرام صرف وہی اشیاء ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان ان سے لازماً احتراز کرے گا۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں حلال ہیں انہیں وہ استعمال کر سکتا ہے۔ حرام و حلال کے اس فرق کے ساتھ وہ جس معاشرہ کا فرد ہے اور جہاں اس کی نشوونما ہوئی ہے، وہاں کی غذا اس کی غذا ہوگی اور وہ جہاں بھی جائے گا اور جس ماحول میں بھی رہے گا مناسب حال اور اپنی پسند کی غذا استعمال کرے گا۔ جو چیزیں وہ خود کھا سکتا ہے وہ دوسروں کو بھی کھا سکتا ہے اور ان کے ساتھ ان چیزوں کے کھانے پینے میں شریک بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا بھی فرق نہیں ہے۔ حلال چیزیں غیر مسلم تیار کریں تو ان کی خرید و فروخت اس کے لیے جائز ہوگی۔

اب آئیے اس موضوع کے بعض پہلوؤں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی قدر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے۔

## غیر مسلم کا پانی پاک ہے

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حلال اور پاک نعمت ہے۔ ہر جاندار کی حیات کا اس پر دار و مدار ہے۔ یہ نعمت سب کے لیے ہے۔ بہت سے لوگ انسانوں کے درمیان ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی

لے قرآن و حدیث میں مطہرات و مشروبات میں کن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اور کن چیزوں کی حرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور کن چیزوں میں کراہت پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۴/۱۱۵-۱۲۳

شخص جسے وہ کم تر ذات کا سمجھتے ہیں پانی کو ہاتھ لگا دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال ان کے لیے ممنوع ہو جاتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پانی اصلاً پاک ہے۔ کسی فرد کے ہاتھ لگانے سے وہ ناپاک نہیں بنتا تو وہ ناپاک اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں کسی شخص اور ناپاک چیز کی آمیزش ہو جائے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غیر مسلموں کا پانی کھانے پینے حتیٰ کہ عبادات تک کے لیے استعمال کیا ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رات میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سب کی آنکھ لگ گئی۔ نماز قضا ہو گئی۔ فوراً بعد میں ادا کی گئی۔ ہمارے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ حواریوں کے ساتھ مجھے پانی کی تلاش میں بھیجا۔ جب ہم نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت پانی سے بھرے ہوئے دو مشک اپنی اونٹنی پر لیے جا رہی ہے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے؟ اس نے کہا قریب میں پانی نہیں ہے۔ میں اپنے قبیلہ سے ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ طے کر کے پانی لا رہی ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک بیوہ عورت ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں۔ ہم اسے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کے حکم پر اونٹنی کو بٹھایا گیا۔ آپ نے مشک پر دست مبارک رکھا۔ تھوڑا سا پانی لے کر اس پر کھلی کی۔ اس کے بعد آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ ہم چالیس افراد تھے۔ ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہمارے پاس جو چھوٹے بچے برتن تھے سب بھر لیے۔ ایک صاحب کو غسل کی حاجت تھی۔ انھیں اس کے لیے پانی دیا گیا۔ اس کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مشک اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ پھٹ جا رہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا دیکھو ہم نے تمہارا پانی کم نہیں کیا ہے۔ پھر آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے بچی ہوئی روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں اسے دیں آپ نے اس سے کہا جاؤ یہ اپنے بچوں کو کھلاؤ۔ اس نے اپنے قبیلہ میں پہنچ کر پورا واقعہ سنایا تو سب لوگ اسلام لے آئے۔

سہ بخاری، کتاب المغازی، باب علامات النبوة فی الاسلام، مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، =

حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے شام کے سفر میں ایک نصرانی عورت کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا۔<sup>۱</sup>  
 امام شافعیؒ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا۔<sup>۲</sup>  
 حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پانی کو اس تفصیل میں گئے بغیر کہ وہ کس قسم کا پانی ہے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی عبادت کے لیے وضو کرتا ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے بھی وضو کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر مستین طور پر یہ معلوم ہو کہ پانی نجس ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔<sup>۳</sup>

## غیر مسلم کی غذا کا حکم

اب غذاؤں کو لیجئے۔ انسان کی غذا میں کئی طرح کی چیزیں شامل ہیں۔  
 ۱۔ بعض چیزیں قدرت کی طرف سے اسے تیار شدہ شکل میں مل جاتی ہیں جیسے پھل اور میوے۔ اس میں انسان کا دخل صرف زراعت، شجر کاری اور آب پاشی وغیرہ کی حد تک رہتا ہے۔ بعض اوقات بغیر محنت کے بھی یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔  
 انہیں اگر کوئی غیر مسلم پیدا کرتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جس

= باب قضاء النفايت واستجاب تجويد قاضی شوکانی کہتے ہیں۔ ثبت فی الصحیحین از علیہ السلام و سلم تؤمناً

من مزادة مشرک زینل الاوطار: ۲۶/۱

سہ بخاری، کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته۔ قطبی نے دارقطنی کے حوالے سے اس واقعہ کی تفصیل

نقل کی ہے۔ اجماع الاحکام القرآن: ۲۴/۱۳ - ۲۵

سہ ابن حجر، فتح الباری: ۲۹۹/۱

سہ ابن حجر، فتح الباری: ۲۹۹/۱

طرح مسلمان کی پیداوار جائز ہے اسی طرح غیر مسلم کی پیداوار بھی جائز ہے یہی حکم گہوں، چاول اور دیگر غذائی اجناس کا ہے۔

۲۔ بعض چیزیں وہ ہیں جنہیں آدمی ان کی فطری حالت میں بطور غذا استعمال نہیں کر پاتا، اس لیے ان میں اپنی جسمانی حالت، مزاج اور معدہ کی رعایت سے مناسب ترمیم کر کے استعمال کرتا ہے۔ اسی کے لیے وہ گہوں سے آٹا تیار کرتا اور آٹے سے روٹی پکاتا ہے، یاد انوں سے تیل نکال کر استعمال کرتا ہے۔ اگر یہ خدمات کوئی غیر مسلم انجام دے تو مسلمان کے لیے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اگر کوئی اس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو بقول علامہ قرطبی یہ اس کی احتیاط ہوگی جو ابہر حال باقی رہے گا بلکہ ۳۔ جانور کا گوشت بھی انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام کی رو سے حلال جانور کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ اس میں تقرب اور عبادت کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس پر بحث آگے آرہی ہے۔

## غیر مسلم کی تیار کردہ غذائی اشیاء

غیر مسلموں کی تیار کردہ حلال مطبوعات استعمال کی جاسکتی ہیں۔ احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے پھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر اسے قطع کیا اور تناول فرمایا۔ پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ شام وغیرہ سے آتی تھی۔

سہ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶۹/۴۴

سہ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الجبن

سہ تاحی شوکانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پنیر کے استعمال کے بارے میں فرماتے ہیں، اکل من الجبن المبول

من بلاد الشامی کما اخبر احمد ابوداؤد من حدیث ابن عمر، نیل الاوطار: ۱/۲۶۱

حضرت عبداللہ بن مفضل فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر میں مجھے چربی سے بھرا ہوا ایک جراب (چمڑے کا تھیلا) ملا میں نے اچھلنے پاس محفوظ کر لیا اور کہا کہ یہ میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اتنے میں پلٹ کے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔<sup>۱</sup>

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہود کے ذبیحہ کی چربی کا استعمال مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ چربی یہود کے لیے حرام تھی اس لیے ان کے ذبیحہ سے نکلی ہوئی چربی ہمارے لیے بھی حرام ہوگی، لیکن امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔<sup>۲</sup>

چربی کو محفوظ رکھنے اور اسے قابل استعمال بنانے کے لیے وہ کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرتے رہے ہونگے چربی پر کھن، گھی اور روغن وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

## غیر مسلم کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے

دعوتیں اور تقریبات ہر معاشرت کا ایک لازمی جز ہیں۔ اس سے خوشی میں شرکت ہوتی ہے، تعلقات استوار ہوتے ہیں اور قربت بڑھتی ہے۔ اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دے تو اسے قبول کرنا پندیدہ ہے، بلاوجہ اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔<sup>۳</sup>

غیر مسلم کے ساتھ بھی کھانا پینا مباح ہے۔ وقت ضرورت اسے دعوت دی جاسکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ جس معاشرہ میں مختلف مذاہب کے

<sup>۱</sup> لے بخاری، کتاب الذبائح والصدق، باب ذبائح اہل الکتاب و شجوباعن العرب وغیرہم، کتاب الجہاد، باب جواز الاکل من طعام الغنیۃ فی دار الحرب۔

<sup>۲</sup> نووی، شرح مسلم، ج ۴، جز ۱۲، ص ۱۰۲-۱۰۳، نیز ملاحظہ ہو، قرطبی، ۴/۶۰

<sup>۳</sup> ملاحظہ ہو، راقم کی کتاب، صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ص ۱۶۹

ماننے والے رہتے ہوں وہاں اس طرح کی دعوتوں اور تقریبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔  
اس سے دینی اور سماجی بہت سے فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا۔

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی  
حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان  
(۵: ۵)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، کا ایک مفہوم یہ بھی ہے  
اور اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ جس طرح تم ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اسی طرح تم انھیں اپنا ذبیحہ کھلا  
سکتے ہو۔ اس کی ممانعت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے حضرت انس

کی روایت ہے:

ان یہودیوں کا دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ علیہ وسلم انی خبز شعیر کو جو کی روٹی اور بدبودار چربی دیتا ہے  
واہالۃ سنخۃ ناجاہ سلہ دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی۔

روایات سے ثابت ہے کہ جنگ خیبر کے ختم ہونے کے بعد ایک یہودی عورت  
نے آپ کے پاس بکری کا گوشت بھجوا یا آپ کی دعوت کی، اس میں زہر تھا۔ آپ  
نے تقریبتے ہی اسے تھوک دیا۔ اس کے باوجود اس کا اثر آپ پر ہوا۔ آپ کے ساتھی بشر  
بن براہمہ کا اسی سے انتقال ہو گیا۔

۲۰۰۲/۲۱۱/۳ مستدام ۲۰۰۲/۲۱۱/۳ ۲۰۰۲/۲۱۱/۳

۲۰۰۲/۲۱۱/۳ مستدام ۲۰۰۲/۲۱۱/۳ ۲۰۰۲/۲۱۱/۳  
۲۰۰۲/۲۱۱/۳ مستدام ۲۰۰۲/۲۱۱/۳ ۲۰۰۲/۲۱۱/۳  
۲۰۰۲/۲۱۱/۳ مستدام ۲۰۰۲/۲۱۱/۳ ۲۰۰۲/۲۱۱/۳

کی سماجی اور سیاسی اہمیت، سماجی تحقیقات اسلامی، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۶ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے کھانے پینے کا اہتمام بھی فرمایا ہے۔  
قبیلہ ثقیف کے وفد کو جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا آپ نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا حضرت  
خالد بن سعیدؓ اس کے کھانے کا نظم فرماتے تھے۔ وفد کے لوگ حضرت خالدؓ کے کھانے  
سے پہلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔

## غیر مسلم کا ذبیحہ

جانور کا گوشت ہمیشہ سے انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام نے حلال جانور  
کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے ساتھ بعض شرطیں رکھی ہیں۔  
۱۔ حلال جانور بھی مردار نہ ہو، چاہے وہ طبعی موت مرا ہو، یا گلا گھونٹنے، یا چوٹ  
کھانے سے یا کسی بلند مقام سے گرنے یا دوسرے جانور کے سینگ مارنے اور حملہ  
کرنے سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (المائدہ: ۳)

۲۔ اسے ذبح کیا جائے اور اللہ کے نام پر کیا جائے۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ  
عجیب بات ہے کہ جس جانور کو اللہ نے مارا ہے وہ تو ناجائز ہے اور جسے انسان ذبح  
کرے وہ حلال اور جائز ہے۔ قرآن نے اس نامعقول اعتراض کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور  
کہا کہ اللہ کے نام پر جو جانور ذبح ہو اس کے کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ ارشاد ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
عَلَيْهِ إِنَّ كُنْتُمْ بآيَاتِهِ  
مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا  
مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ  
فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ  
(الانعام: ۱۱۸-۱۱۹)

پس تم کھاؤ وہ جسے اللہ کا نام لے  
کر ذبح کیا گیا ہے۔ اگر تم اس کی ہدایات  
پر یقین رکھتے ہو۔ آخر تم اس جانور کو کول  
نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے جب  
کہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے وہ چیزیں بتا  
دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔ (ان میں)

یہ ذبیحہ نہیں ہے)

۱۔ قبیلہ ثقیف نے بعض شرائط کے ساتھ جو میں اسلام قبول کر لیا۔ ابن ہشام: ۱۹۲/۳-۱۹۷۔ (ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ۲/۵۲-۵۳)

۳۔ جو جانور اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذَكَّرَ  
اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ  
جس جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ کا  
نام نہیں لیا گیا ہے اسے مت کھاؤ بیشک  
(الانعام: ۱۲۱)

۴۔ اسی وجہ سے جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ جیسے بت پرست قومیں بتوں کے نام سے کرتی ہیں یا استھانوں پر جانوروں کا چڑھاوا چڑھاتی ہیں۔ اس کا کھانا حرام ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ.....  
وَمَا أَهْلًا بِهِ بَعْدَ اللَّهِ  
تم پر حرام کیا گیا ہے..... اور وہ جانور  
جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام  
لے کر ذبح کیا جائے۔ (البقرہ: ۱۷۳)

مشرکین عرب کسی آسمانی شریعت کے پابند نہیں تھے۔ انہوں نے مذہب کے نام پر حلال و حرام کے کچھ خود ساختہ طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ مردار تک کھا جاتے اور ذبح کرتے تو دیوبی دیوناؤں کے نام پر کرتے اس لیے اسلام نے مشرکین کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا۔ اس کے برخلاف اہل کتاب خدا اور وحی و رسالت کو اصولی طور پر مانتے اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے اس لیے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

أَلْيَوْمَ أَجِلَّ لَكُمْ أَنْظِيَّتْ  
وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
جِلَّ نَتَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ  
جِلَّ نَتَّهُمْ  
آج تمہارے لیے نام پاک چیزیں  
حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا بھی  
تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب  
دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لیے بھی

(النملہ: ۵) حلال ہے۔

آیت میں 'طعام' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی کھانے کے ہیں۔ اس میں گوٹوم

پایا جاتا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے ذبیحہ مراد ہے یہی بات متعدد تابعین سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کو حرام سمجھتے ہیں اور اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔

علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے تفصیلاً میں بعض باتوں میں اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ذبیحہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے تھے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے پر اجماع ہے صرف شیعہ حضرات کو اس سے اختلاف ہے۔ فقہاء و احناف نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کا بھی فرق نہیں کیا ہے۔ ان کے نزدیک کتابی چاہے ذمی ہو یا حربی اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ نصاریٰ کبھی حضرت مسیحؑ کے نام پر اور کبھی کسی کئیہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرتے ہیں۔ یہود (کا ایک فرقہ) حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ اس طرح کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سلف میں بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ

۱۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس طعاہم ذباہم۔ بخاری، کتاب الذبائح والصدقہ

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱۹/۲

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ بدایۃ المجتہد: ۴/۱۲۶ اور اس سے آگے۔

۴۔ جصاص، احکام القرآن: ۱/۳۹۶

۵۔ نووی، شرح مسلم، جلد ۲، جزء ۱۲ ص ۱۰۲

۶۔ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۲۵۸

کس کے نام سے ذبح کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے عقائد و اعمال سے واقف ہے، اس کے باوجود جب اس نے ان کا ذبیحہ حلال کیا ہے تو اسے حلال ہونا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام میں حضرت ابوذرؓ اور عبادہ بن صامتؓ کی رائے ہے۔ تابعین میں حضرت عطاء زہری، ربیعہ، شعبی اور کچولؓ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر جانور ذبح کریں تو یہ ہمارے لیے حلال نہ ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن نے صاف طور پر اس جانور کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے کھانے کی ممانعت کی ہے جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو (الانعام: ۱۲۱)۔ تابعین میں حضرت حسن بصری اور طاؤسؓ کی بھی یہی رائے ہے۔

نظا ہرزیہی دوسری رائے کتاب و سنت سے زیادہ قریب اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان کتابی سے جانور ذبح کر لے تو یہ ذبیحہ جائز ہوگا یا نہ ہوگا۔ امام مالک سے جواز اور عدم جواز دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں جن لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اسلامی شرائط کے مطابق جو جانور وہ ذبح کر رہا ہے وہ حلال ہے۔ اس طرح کی نیت کتابی کی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انہوں نے یہ شرط تسلیم نہیں کی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے لہذا وہ مسلمان کی طرف سے اس معاملہ میں نیابت بھی کر سکتا ہے۔ احناف کے نزدیک کسی مسلمان کا کتابی سے جانور ذبح کرنا مکروہ ہے لیکن جانور حلال ہوگا۔

۱۔ لہ نووی، شرح مسلم، جلد ۴، جز ۱۲، ص ۱۰۲-۱۰۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۶/۶: ۷۶

۲۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۴/۱۲۷

۳۔ ہدایہ: ۴/۴۲۸

## غیر مسلم کے برتن

جو برتن غیر مسلم افراد یا کمپنیاں تیار کرتی ہیں ان کی خرید و فروخت یا استعمال کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ البتہ جو برتن ان کے استعمال میں ہوں ان کے بارے میں سوال یہ ہے کہ ان کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کے ساتھ کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب متعدد احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب ہیں، کیا ہم ان کے برتن کھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

فان وجدتم غیر انیتہم  
فلا تأکلوا وان لم تجدوا  
فاغسلوها ثم کلو انیتہم  
برتنوں میں نہ کھاؤ۔ لیکن اگر دست یاب نہ ہوں تو انھیں دھو لو پھر ان میں کھاؤ۔

حضرت ابو ثعلبہؓ ہی سے مروی ایک روایت میں اہل کتاب کے ساتھ مجوس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابو ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

انا اهل سفر نمس بالیہود  
والنصارى والمجوس فلا  
تجد غیر انیتہم قال  
فان لم تجدوا غیرہا  
فاغسلوها بالماء ثم کلو  
فیہا واشربوا۔  
ہم (ہمیشہ سفر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا گزیر یہود، نصاریٰ اور مجوس کے علاقوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ہوتے) ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا۔ اگر ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ہوں تو تم ان میں پانی سے دھو لو پھر ان میں کھاؤ اور پیو۔

لہ نگاری، کتاب الصید والنباغ، باب صید القوس، مسلم، کتاب الصید والنباغ۔ باب الصید بالکلب الملعون  
لہ ترمذی، الواب الصید، باب الصید، کتاب الصید، باب الصید بالکلب الملعون۔

ایک اور روایت میں ہے۔

مسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قدورالمجوس فقال انقوها غسلوا وطبخوا فیهما لہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کے کھانا پکانے کے برتنوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں دھو کر پاک کرو اور پھر ان میں کھانا پکاؤ۔

حضرت ابو ثعلبہ خشتیؓ کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مجوس اور بت پرست۔ کے استعمالی برتن اس وقت استعمال کیے جانے چاہئیں جب کہ دوسرے برتن دست یاب نہ ہوں اور استعمال سے پہلے انہیں خوب صاف کر لینا چاہیے۔ حضرت ثعلبہؓ ہی کی ایک اور روایت سے اس کی وجہ بھی سامنے آتی ہے۔ اس روایت میں ان کا سوال ان الفاظ میں نقل ہوا ہے۔

انا نجا وراہل الکتاب ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے  
 وہم یطبخون فی قدورہم  
 الخنزیر ویشرکون فی انیتہم  
 الخمر  
 ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (کیا یہ برتن ہم استعمال کر سکتے ہیں؟)

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

ان وجدتم عنیرھا ان وجدتم عنیرھا  
 فکلوا فیہا واشربوا وان لم تجدوا عنیرھا فارحضرھا  
 بالماء لہ  
 اگر تمہیں ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن دستیاب ہوں تو تم ان ہی میں کھاؤ اور پیو۔ اگر دوسرے برتن نہ ہوں تو انہیں پانی سے دھو کر صاف کرو۔

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ اہل کتاب یا غیر مسلموں کے ان برتنوں کا حکم

۱۔ ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی انبئہ المشرکین۔

۲۔ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی استعمال انبئہ اہل الکتاب۔

ہے جنھیں وہ حرام اور ناپاک چیزوں کے پکانے اور کھانے پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جو برتن ان چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوں ان کے بارے میں یہ حکم نہ ہوگا لہذا ہتہام کے ساتھ پاک صاف کر کے بدرجہ مجبوری استعمال کیا جائے۔ اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ اچھی طرح دھو دینے کے بعد ہر طرح کے برتن استعمال کیے جاسکتے ہیں، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے، مشرکین کے کھانے پینے کے جو برتن ہاتھ آتے انھیں استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ

ایک روایت میں ہے کہ ہم انھیں دھو کر استعمال کر لیا کرتے تھے یہ

امام نووی فرماتے ہیں، حضرت ابو طلحہؓ کی روایت میں غیر مسلم جن برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے یا شراب پیتے ہیں ان کے استعمال سے، اگر دوسرے برتن موجود ہوں تو، منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو دوسرے برتن ہیں، فقہاء کے نزدیک وہ دھونے کے بعد پاک ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی کراہت باقی نہیں رہتی۔ آدمی کے پاس دوسرے برتن ہوں تو بھی انھیں وہ استعمال کر سکتا ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ غیر مسلم کے برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے انھیں دھوئے اور بعض صورتوں میں پانی کھولا کر انھیں صاف کرنے کی ہدایت اس لیے ہے کہ وہ نجاست سے بچتے نہیں ہیں اور مردار کھاتے ہیں۔ دھوئے بغیر پکانے میں برتن مٹی کے ہوں تو ان کے اثرات آسکتے ہیں۔ دھونے اور صاف کرنے کے بعد ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ برتن سونے اور چاندی کے نہ ہوں یا خنزیر کے کھال سے نہ بنے ہوں (جیسے مشکیزہ وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ضرورت ہو اور

سہ ابو داؤد حوالہ سابق

۷۲۳/۹: ابن حجر، فتح الباری

۷۷ نووی، شرح مسلم، جلد ۲، جز ۱۳ ص ۷۹-۸۰

برتن تاجے یا لوہے کے ہوں تو انھیں دھو دیا جائے اور مٹی کے ہوں تو اس میں پانی پکانے کے بعد دھو دیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو برتن وہ کھانا پکانے کے لیے نہیں بلکہ دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرتے ہیں انھیں دھوئے بغیر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کے برتن سے طہارت (استنجاء و وضو، غسل) حاصل کی جائے اور اس کا پاک یا ناپاک ہونا واضح نہ ہو تو اگر غیر مسلم کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال سے کوئی مذہبی حذیبہ یا تقدس وابستہ نہیں ہے تو قطعی طور پر طہارت صحیح ہو جائے گی لیکن اگر اس کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال میں کوئی ذمی حذیبہ یا تقدس پایا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی صحیح مسلک یہی ہے کہ طہارت ہو جائے گی۔ امام اوزاعی، ثوری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب اس برتن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ امام احمد اور احنبن راہویہ کے علاوہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے بھی اسے ناپسند کیا ہو۔

## غیر مسلم کے کپڑے

غیر مسلم جکروں یا ان کے کارخانوں کے تیار کردہ کپڑے کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ ان کے استعمال شدہ کپڑوں کے بارے میں علماء کے یہاں کچھ تفصیل ملتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے استعمال شدہ کپڑے جیسے علامہ طیلسان (وہ چادر جو لباس کے اوپر عبا کی طرح اوڑھی جاتی ہے) یا بدن کے اوپر کے حصہ میں استعمال ہونے والے کپڑے تو یہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

۷۸/۶، الجامع لاحکام القرآن

۳۹۱/۲، عمدۃ القاری

البتہ جسم کے نچلے حصہ کے لیے جو کپڑے استعمال ہوتے ہیں ان سے احتراز اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ عبادت کے لیے طہارت کا خیال نہیں رکھتے۔ ابو الخطاب کہتے ہیں کہ اصل طہارت ہے۔ جب تک کسی کپڑے کے ناپاک ہونے کا ثبوت نہ ہو اسے پاک ہی سمجھنا چاہیے۔

غیر اہل کتاب، مجوسیوں اور بت پرستوں کے برتنوں اور کپڑوں کے بارے میں ابو الخطاب کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی اہل کتاب ہی کا ہے۔ یعنی ان کے کپڑے اور برتن پاک سمجھے جائیں گے اور ان کا استعمال جائز ہوگا جب تک کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔

یہ تو استعمالی کپڑوں کا حکم ہے۔ وہ کپڑے جو غیر مسلم تیار کرتے ہیں وہ پاک ہیں۔ ان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ فقہاء کی عام رائے یہی ہے۔

غیر مسلموں سے معاشرتی روابط کے بعض اور پہلوؤں کی سماجی تعلقات کے تحت وضاحت ہو سکے گی۔

۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱/۱۱۱

۲۔ حوالہ سابق ص ۱۱۲

## ساماجی تعلقات

معاشرتی تعلقات کے ذیل میں کھانے پینے اور لباس کا ذکر آچکا ہے۔ ان تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ساماجی تعلقات کے تحت اس کے بعض اور پہلوؤں کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

### غیر مسلم کو سلام کرنا

احادیث میں سلام کو رواج دینے کا حکم ہے۔ زیادہ تر علماء کے نزدیک اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے، اس لیے غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جاسکتا، لیکن بعض حضرات کے نزدیک سلام ایک طرح کی دعا ہے۔ یہ دعا غیر مسلم کو بھی دی جاسکتی ہے۔

### غیر مسلم کو دعا دینا

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پنیے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حسین و جمیل رکھے۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے۔  
علامہ نبوی اس روایت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ

۱۔ اس مسئلہ پر مستقل بحث آگے آرہی ہے۔

۲۔ عبدالرزاق، المعنیف : ۳۹۲/۱۰

کو دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ اسے حسین و جمیل بنا دے۔ چنانچہ اس کے بال سیاہ ہو گئے۔ وہ نوٹھے برس کے قریب زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہیں آئی۔

## چھینک کی دعا کا جواب

کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہے تو حکم ہے کہ سننے والا 'رحمک اللہ' کہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہو دا آپ کی مجلس میں زبردستی چھینکتے تھے تاکہ زبان مبارک سے ان کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ ادا ہوں۔ آپ یہ حکم اللہ کے الفاظ تو ان کے لیے استعمال نہیں فرماتے تھے البتہ 'یہدیکم اللہ ویصلح باکم' کہا کرتے تھے۔ یہ بھی دعا ہے اور اس کا مطلب ہے اللہ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات کو ٹھیک کر دے۔

اس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کو اس کے مناسب حال دعا دی جاسکتی ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شرفانہ رویہ کا فطری تقاضا ہے۔

## غیر مسلم کا اکرام

حسن سلوک کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں اخلاقی رویہ سے بھی ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت میں، مننے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت و احترام کا مقام دیا جائے۔

قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی یہودی آیا تو انہوں نے اس کی

لہ بیوی، شرح السنۃ ۱۲۰ ۲۴۳

لہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف یثمت الذمی، ترمذی، ابواب الاستیذان، باب کیف یثمت العاطس۔

تعظیم و توقیر کی حاضریں میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے سورہ ممتحنہ کی آیت ۷۱ کا حوالہ دیا۔

مطلب یہ کہ قرآن مجید نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے۔ یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کسی ذمی کے احترام میں کھڑا بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علامہ عزالدین بن سلام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ نہ کھڑا ہونے میں کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو فرماتے ہیں کہ کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء احناف میں ابن وہبان اس کا ایک مثبت پہلو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذمی کا اسلام کی طرف رجحان ہو تو قیام کی گنجائش ہے بعض لوگوں نے ہردینی مصلحت کو یہی حیثیت دی ہے۔

اس قسم کے مسائل کو بالعموم اس سوال سے جوڑ دیا گیا ہے کہ مسلمان جب بر اقتدار ہوں تو ان کا ذمیوں کے ساتھ جو اقتدار میں شریک نہیں ہیں کیا روٹی ہونا چاہیے لیکن اگر اسے اسلام کی عام اخلاقی تعلیمات اور اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی اور احسان کی ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے زیادہ وسیع پس منظر میں ان پر غور و فکر ہو سکتا ہے۔

## غیر مسلم کو مہمان رکھنا

اس سے پہلے حضرت اسامہؓ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ ان کی مشرک والدہ مکہ سے مدینہ ان کے گھر آئیں، کچھ تحفے بھی لائیں، ان سے انھیں توقعات بھی تھیں حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انھیں اپنے گھر بٹھرایا اور ان کی خدمت

۱۔ ابن عربی مالکی، احکام القرآن: ۲۵۰/۲۔ اس آیت کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ آوسی۔ روح المعانی جزر ۲۸ ص ۲۵

کی اس حدیث کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

قبول ہدیۃ المشرک	فیہ دلیل علی جواز
کما دلت علی ذالک	اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ
الاحادیث السانفۃ وعلی	مشرک کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے جیسا
جواز انزالہ منازل المسلمین	کہ اس باب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں
	ان سے ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں
	اس امر کا جواز بھی موجود ہے کہ مشرک
	کو مسلمانوں کے گھروں میں بٹرایا جاسکتا ہے۔

## غیر مسلم کی عیادت

ساجی تقاضوں میں ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے اور اس سے محبت اور مدد رزی کا اظہار کیا جائے۔ اسلام نے مریض کی عیادت کی ترغیب دی ہے اور اسے بہت بڑا کار ثواب بتایا ہے۔

احادیث سے غیر مسلم کی عیادت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کی ہے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے (اس دوران میں) اس سے کہا اے ماموں! آپ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیجئے۔ اس نے کہا کہ میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ نے فرمایا نہیں ماموں ہیں (اس لیے کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہؓ کا تعلق مدینہ سے تھا) اس نے کہا کہ کیا لا الہ الا اللہ کا اقرار میرے حق میں بہتر ہوگا؟ آپ

لہ شوکانی، نیل الاوطار: ۱۰۷/۶۔ غیر مسلم کو تحفے دینے کا ثبوت حضرت عمرؓ کے اس واقعے سے بھی ملتا ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے رشتہ کے ایک مشرک بھائی کو ایک چادر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دی تھی، تحفے میں بھیجی اس موضوع پر مستقل بحث آگے آرہی ہے۔

۲۷ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرما تم کی کتاب صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، ص ۳۶۵۔ ۳۶۹

نے فرمایا۔ اس سلسلہ

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سر بانے بیٹھے۔ اس سے کہا کہ تم اسلام لے آؤ۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچا لیا۔

ان روایات سے مشرکین اور یہودی کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے۔ اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔ آدمی جسے حق سمجھے گا اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ فقہاء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے اس میں از روئے شرع کوئی کاٹ نہیں ہے۔

حضرت عطاء بن ابی براء کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم بیمار ہو جائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔

ان کا منت قرباۃ قریبۃ	اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی
بین مسلم و کافر فلیعد المسلم	رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت
الکافر سئلہ	کرنی چاہیے۔

لے مسند احمد: ۳/ ۱۵۲، ۱۵۳، ۲۴۸

۱۵ بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا سلم العی فی مات الخ، مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۲۴، میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ آپ کا ایک یہودی بڑوسی تھا جو اخلاقی طور پر برا نہ تھا۔ آپ نے اس کی عیادت کی پھر اوپر ہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو۔

سئلہ عبدالرزاق، المصنف: ۶/ ۳۵

کسی سے قربت اور رشتہ داری ہو تو اس کے حقوق زیادہ ہیں لیکن یہ عیادت کے لیے شرط نہیں ہے، یہ ایک دینی، اخلاقی بلکہ انسانی تقاضا ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔ یہ ایمان بن موسیٰ کہتے ہیں۔

نعود بنی المنصاری وان لم  
تکن بیننا و بینہم قرابۃ  
ہم لوگ نصاریٰ کی اولاد کی عیادت  
کرتے ہیں اگرچہ ہمارے اور ان کے درمیان  
قربت نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں عمومی انداز میں کہا گیا ہے :-

ولابأس بعیادۃ الیہودی والنصرانی لانہ نوع برفیق  
والنصرانی لانہ نوع برفیق  
حقہم وما نہینا عن  
کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور جن لوگ  
ہے اس سے اس میں منع نہیں کیا گیا ہے۔

درختار میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ذمی کی عیادت جائز ہے، مجوسی کی عیادت کو بھی صحیح قول کے مطابق جائز قرار دیا گیا ہے۔

## غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

حضرت اہل بن حنیفہ اور قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تھے۔ ایک جنازہ گزرا تو وہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا وہ نفس

۱۔ عبدالرزاق، المصنف : ۲۶/۶

۲۔ ہایہ : ۲۵۲/۴

۳۔ ردالمحتار علی الدر المختار : ۳۲۱/۵

(جان) نہیں ہے؛ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا موت سے ایک گھبراہٹ ہوتی ہے (اس کا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں ہے) ۱۱

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بھی انسان کی موت ایک خوفناک حادثہ ہے۔ اس سے مومن کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم تجہیز و تکفین اور اس نوع کے دیگر مذہبی مراسم آزادی سے انجام دے سکتے ہیں ۱۲

### غیر مسلم کی تجہیز و تکفین

کافر والدین یا عزیزوں کا انتقال ہو جائے تو مسلمان اولاد ضرورت پر ان کے کفن و دفن کا نظم کرے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو آپ نے ان کی عیادت فرمائی ۱۳۔ جب انتقال ہوا تو حضرت علیؑ نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر آپ رو پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی مغفرت کی دعا بھی کرتے رہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا تو رک گئے ۱۴۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا کہ انہیں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے

۱۱۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام بجزاء الیہودی۔ مسلم، کتاب الجنائز۔ باب اقیام الجنائز۔

۱۲۔ علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے طریقوں میں فرق ہونا چاہیے اور ان کی تجہیز و تکفین کے

اوقات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ اس حدیث سے بعض علماء کے بقول ان اجتہادات کی تردید ہوتی ہے حافظ

ابن حجر فرماتے ہیں واستدل بحدیث ابیاب علی جواز اخراج جنائز اهل الذمۃ نہارا

غیر متمیزۃ عن جنائز المسلمین۔ اشار الی ذلک الزین بن المنیر قال والذمۃ بمخالفة

رسوم المسلمین وقع اجتہاداً من الامۃ۔ فتح الباری: ۱۸۱/۳

۱۳۔ مصنف عبدالرزاق: ۳۶/۶

۱۴۔ ابن سعد الطبقات ۱/۱۲۳، ۱۲۴۔ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی مانگت سورہ توبہ آیت ۱۱۳ میں آئی ہے۔

باپ کو دفن کرو۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا وہ تو مشرک اور ہدایت سے محروم تھے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو دفن کرو۔ پھر اور کوئی کام کیے بغیر سیدھے میرے پاس آؤ میں گیا انھیں دفن کیا اور آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا اور دعا دی۔ ایسی دعا کہ اس کے عوض مجھے سرخ و سیاہ اونٹ (دنیا جہان کی دولت) بھی پسند نہیں ملے۔

غیر مسلم کے غسل اور تدفین کو بعض فقہاء نے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے صرف اس صورت میں اس کی اجازت دی ہے جب کہ اس کی تدفین کا نظم نہ ہو۔  
مگر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ یہودی یا نصرانی ہو، اس کا انتقال ہو جائے اور اس کے اہل مذہب میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو جو اسے دفن کر سکے تو میں اسے دفن کروں گا۔ اسے درندوں کو کھانے کے لیے نہیں چھوڑوں گا۔

فقہ حنبلی میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کسی کافر کا انتقال ہو جائے تو وہ اسے غسل نہیں دیں گے اور دفن نہیں کریں گے، چاہے وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (آئیہ کہ اسے دفن کرنے والا کوئی نہ ہو۔) اس صورت میں مسلمان اسے دفن کر دیں گے) یہی امام مالک کی رائے ہے۔ لیکن ابو حفص عسکری کہتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اپنے کافر قریبی رشتہ دار کو غسل دینا اور دفن کرنا جائز ہے۔ یہ رائے بھی امام احمد سے منقول ہے اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (احناف) نے کہا ہے کہ کسی مسلمان

۱۔ بعض روایات میں غسل اور کفن کا بھی ذکر ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ زیلعی، نصب الراية: ۲/۲۸۷۔

۲۔ ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الرجل يموت لقرابة مشرك. نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من مواراة المشرك۔ کتاب الجنائز، باب مواراة المشرك۔ مسند احمد: ۱۳۶/۲۔ حدیث نمبر: ۸۰۴، ۱۰۴۲، تحقیق احمد محمد شاہ۔

۳۔ عبدالرزاق، مصنف: ۶/۲۲

۴۔ ابن قدامہ، المغنی: ۳/۴۶

کے کافر یا باپ کا انتقال ہو جائے تو وہ انھیں غسل دے گا، جنازہ کا ساتھ دے گا۔ اور دفن کرے گا، اس لیے کہ ان کے ساتھ معروف کے مطابق صن سلوک کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اس میں شامل ہے بلکہ ہدایہ میں قدوری کی عبارت ہے۔

و اذا مات الكافر وله  
کسی کافر کا انتقال ہو جائے اور مسلمان  
ولی مسلم فانه يغسله  
اس کا ولی ہو تو وہ اسے غسل دے گا  
ویکفنه ویدفنه له  
اور اس کی تکفین اور تدفین کرے گا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان کو کسی غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز و تکفین کرنی پڑے اگر اس کے اہل مذہب اپنے طریقہ پر عمل کریں تو مسلمان اس میں اسی حد تک شریک ہوگا جس حد تک شریعت اجازت دے۔

## جنازہ میں شرکت

غیر مسلم سے خونی رشتہ یا اور کوئی قریبی تعلق ہو تو اس کے جنازہ میں شرکت کی بھی اجازت ہے۔

لہ احکام القرآن: ۲/۲۳۶

لہ صاحب ہدایہ کا انداز سخت ہے۔ قدوری کی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جیسے ناپاک کپڑا دھویا جاتا ہے اس طرح ناپاک سمجھ کر لاش پر پانی بہا دے گا، کفن اور دفن میں سنت کی رعایت نہ ہوگی بلکہ جو ٹاسا گرھا کھودا جائے گا، میت کو ایک کپڑے میں پیٹ کر اس میں ڈال دیا جائے گا اور پھر مٹی سے ڈھک دیا جائے گا۔ ہدایہ: ۱/۱۶۱-۱۶۲۔ اس میں شک نہیں کہ غیر مسلم کی تدفین اسلامی شریعت کے مطابق نہیں ہوگی لیکن مسلمان کسی بھی وجہ سے اس کی تدفین کر رہا ہو تو اس میں میت کے احترام کا پہلو ہمارے خیال میں بہر حال ملحوظ رہنا چاہیے۔

مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے جنازہ میں شرکت کی تھی۔ کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ فرمایا رشتہ نے آپ کو مجھ سے جوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ان کی قبر پر آپ کھڑے نہیں ہوئے۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیع کی والدہ نصرانی تھیں۔ ان کا انتقال ہوا تو (بعض) صحابہ نے ان کے جنازہ کی مشابہت کی۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں۔

ان کا نت قرابۃ قریبۃ اگر قریبی رشتہ داری ہے مسلمان اور کافر کے  
بین مسلم و کافر فلیتبع دریاں تو مسلمان کو کافر کے جنازہ کے پیچھے  
جنازہ سے چلنا چاہیے۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ہو تو اس بات کی احتیاط کرنی ہوگی کہ مسلمان کا امتیاز باقی رہے۔ انسانی تعلق اور بہمدردی کا اظہار بھی ہو اور یہ بات بھی واضح ہو کہ اسلام کے علاوہ کسی بھی دین کو وہ صحیح نہیں سمجھتا۔ اس کے لیے مختلف صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ میری ماں کا انتقال ہوا۔ وہ نصرانیہ تھیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا جب اس کا جنازہ روانہ ہو تو تم سواری پر آگے آگے چلو۔ امام احمد بن حنبل اس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ کسی یہودی یا نصرانی کا انتقال ہو جائے تو اس کی مسلمان اولاد سواری پر جنازہ کے آگے چلے اور دفن کے وقت واپس ہو جائے۔

۱۔ مصنف عبدالرزاق: ۲۸/۴۔ حضرت علیؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ابوطالب کی تدفین کی تھی اور بعد میں اس کی اطلاع دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے آپ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ روایت اس سے مختلف ہے۔

۲۔ مصنف عبدالرزاق: ۳۶/۴۔

۳۔ ابن قدامہ، المغنی: ۳/۴۶۶

۴۔ حوالہ سابق

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ نصرانیہ تھی۔ کیا میں اس کی تدفین میں شریک ہو سکتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جنازہ کے آگے چلو، اس لیے کہ تم (ذنی لحاظ سے) اس کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کے جنازہ کے پیچھے چلے گا اور کنارے رہے گا اس سے قریب نہیں ہوگا۔

غیر مسلم میت کے اہل مذہب موجود ہوں تو وہ اپنے طریقہ پر عمل کریں گے۔ یہ ان کا مذہبی حق ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ مسلمان رشتہ دار صرف جنازہ میں شریک ہوگا۔

خالد بن عبداللہ قسریؓ کی ماں کا انتقال ہوا۔ وہ نصرانیہ تھیں۔ خالد نے دمشق کے پادریوں کو طلب کیا اور کہا کہ اس کی تجہیز و تکفین میں وہ طریقہ اختیار کرو جو بادشاہوں کی لڑکیوں کے لیے اختیار کرتے ہو، اس لیے کہ اس کا تعلق بھی بادشاہوں کی اولاد سے تھا۔ پھر گھر کی عورتوں نے پادریوں کی ہدایت کے مطابق انھیں غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ جنازہ جب چلا تو خالد اپنی سواری پر نکلے، نمایاں اشخاص بھی ساتھ تھے۔ کنارے کنارے چلتے رہے۔ قریب پہنچے تو اپنی سواری کا رخ موڑا اور واپس ہو گئے۔ کہا یہ ہماری ماں کے ساتھ آخری سلوک ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ شیخ عبداللہ بن ابوزکریا نے اپنی ماں کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان کا شمار شام کے نمایاں لوگوں میں ہوتا تھا۔ بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔

مکمل (تابی) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔ جنازہ کے آگے یا پیچھے چلنا، درمیان میں یا کنارے چلنا، سواری پر یا پیدل چلنا

۱۔ معنیف عبدالرزاق: ۶۱/۳۷

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ حوالہ سابق: ۶/۳۷-۳۸

ان میں سے ہر ایک کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ ایسے کسی بھی موقع پر اپنی دینی انفرادیت کو کھودینا صحیح نہیں ہے۔ اسے باقی رکھتے ہوئے آدمی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس سے بہر حال اتنی بات ثابت ہے کہ وقت ضرورت غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ناروا نہیں ہے۔

## غیر مسلم عزیز کی قبر کی زیارت

کافراں باپ یا قریبی عزیز کے انتقال کے بعد اگر ان کی یاد آ جائے تو آدمی ان کی قبر پر بھی جاسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ (حضرت آمنہ) کی قبر کی زیارت فرمائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جو صحابہ کرام ساتھ تھے وہ بھی رو پڑے۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں ملی میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت دے دی گئی۔ تم لوگ قبروں کی زیارت کرو۔ اس موت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔  
اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں۔

فیہ جواز زیارت	اس سے مشرکین کی ان کی زندگی میں
المشركين في الحيوة و	زیارت اور ملاقات اور مرنے کے بعد
قبرهم بعد الوفاة لانه	ان کی قبور کی زیارت کا جواز نکلتا ہے اس
اذا اجازت زیارتهم بعد	لیے کہ جب ان کی زیارت ان کی وفات
الوفاة ففی الحيوة	کے بعد جائز ہے تو زندگی میں بدرجہ اولیٰ
اولیٰ	جائز ہونی چاہیے۔

- ابو داؤد، کتاب

لہ مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبیؐ فی زیارة قبرہ

الجنائز، باب فی زیارة القبور۔

۱۰۰ نووی، شرح مسلم: ج ۳، جزء ۷، ص ۴۵

## غیر مسلم کی تعزیت

کسی کے عزیز و قریب کا انتقال ہو تو اس کا یہ حق ہے کہ اس کی تعزیت کی جائے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہو۔ جس طرح مسلمان کی تعزیت کی جاتی ہے، غیر مسلم کی بھی تعزیت کی جانی چاہیے۔ یہ ایک سماجی تقاضا بھی ہے اور اسلام کی تعلیم کے عین مطابق بھی۔ البتہ اس موقع پر کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی چاہیے جو ایک مسلمان کے عقیدہ کے خلاف ہو۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ یہودی یا نصرانی کی اولاد یا قرابت دار کا انتقال ہو جائے تو کیسے تعزیت کی جائے؟ فرمایا اس طرح کہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے موت اپنی ہر مخلوق کے لیے لکھ دی ہے (اس سے کسی کو شگاری نہیں) ہماری دعا ہے کہ موت جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد نہ گھٹائے (تمہاری نسل میں کمی نہ ہو)۔“

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت صن بصریؒ کے پاس ایک نصرانی آیا اور آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو انھوں نے اس کے بھائی سے تعزیت کی۔ فرمایا۔ تم پر جو مصیبت آئی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا وہ ثواب عطا کرے جو تمہارے ہم مذہب لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ موت کو ہم سب کے لیے برکت کا باعث بنائے اور وہ ایک خیر ہو جس کا ہم انتظار کریں۔ جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کا دامن نہ چھوڑو۔“

۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۲۱۶

۲۔ حوالہ سابق ص ۲۱۷۔ اس طرح کے مناسب الفاظ بعض اور اصحاب سے بھی منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ابن قدامہ، المغنی: ۲/۲۸۶ - ۲۸۷

اس طرح تعزیت کا نہ صرف یہ کہ جواز ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ کسی یہودی یا مجوسی کے بچے کا انتقال ہو جائے تو اس کے مسلمان پڑوسی کو اس کی تعزیت کرنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہت اچھا جانشین عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو بہتر بنائے۔

یہ ہے اس رویہ کی ایک جھلک جسے غیر مسلموں کے سلسلہ میں اپنانے کی قرآن و حدیث نے تعلیم دی ہے اور جس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت سے ہمارے علماء و فقہاء نے بحث کی ہے۔

---

۱۔ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۳۲۱

## ازدواجی تعلقات

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے قائم ہوں، تاکہ آپس میں جو تہذیبی دوری اور بگنائی ہے وہ ختم ہو اور وہ ایک دوسرے کے کلچر اور تہذیب سے قریب ہوں اور اسے اختیار کر سکیں۔ اسلام اس انداز فکر کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک جن مذاہب کے عقائد اور نظریات میں بنیادی اختلاف ہے ان کے ماننے والوں کا ازدواجی رشتوں میں جڑنا صحیح نہیں ہے۔ ان رشتوں کو اس نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔

اسلام کے اس موقف پر ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور سہارے کی تعلیم دی ہے، ان کے ساتھ معاشی اور سماجی تعلقات کو جائز قرار دیا ہے، مختلف امور و مسائل میں ان سے تعاون کو روا رکھا ہے تو پھر شادی بیاہ کے معاملہ میں اس سخت رویہ کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ کیا یہ اس کی مجموعی تعلیمات سے متضاد طرز عمل نہیں ہے؟ کیا اس سے تعصب، عناد اور دوری نہ پیدا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض خام خیالی ہے کہ بین المللی یا بین المذاہب شادیاں تہذیبی قربت کا ذریعہ ہیں۔ اس طرح کے سطحی اقدامات سے قربت نہیں پیدا ہوتی، اس کے لیے ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اسلام کا موقف معقول اور مدلل بھی ہے اور عملی بھی۔ اسے سمجھنے کے لیے بعض بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ازدواجی زندگی میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ فضا وقتی اور بنگامی طور پر نہیں بلکہ مستقل اور بائیدار ہونی چاہیے تاکہ وہ مل جل کر گھبرا جائے اور جانان کی بہتر تعمیر کر سکیں اور اسے صحیح رخ دے سکیں۔

بعض اوقات کسی ہنگامی محرک، وقتی جو شش یا جنسی جذبہ کے تحت ازدواجی رشتہ قائم ہو جاتا ہے لیکن اس میں استحکام اور پائیداری نہیں ہوتی۔ اس طرح کے رشتے بالعموم تلخی اور ناکامی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مغرب اس بھیانگ تجربہ سے گزر رہا ہے۔ خوشگوار ازدواجی زندگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ میاں بیوی کے مابین محبت کا مضبوط رشتہ پایا جائے اور اسے کم زور کرنے والے عوامل اور نزاع و اختلاف کو ابھارنے والے اسباب موجود نہ ہوں، ورنہ دونوں کی زندگی نفسیاتی اور علی الجھنوں کا شکار ہوگی اور وہ کیسوں کے ساتھ ازدواجی زندگی کے مقاصد پورے نہ کر سکیں گے۔ دین و مذہب اور عقیدہ کا اختلاف بنیادی اختلاف ہے جو زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ اس اختلاف کو میاں بیوی کا نازک رشتہ زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتا۔ دیر سویر یہ ٹوٹے گا اور اس کے ٹوٹنے سے خاندان کا پورا شیرازہ بکھر جائے گا۔ یہ کوئی معمولی نقصان نہیں بلکہ بہت بڑا نقصان ہے جو پورے معاشرہ کو اٹھانا پڑے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جن میں میاں بیوی نے مذہبی اختلاف کے باوجود خوشگوار زندگی گزاری اور ان کے تعلقات میں کوئی خرابی نہیں دکھی گئی، حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ رشتے ہیں جن میں طرفین میں سے کسی کا کوئی عقیدہ اور مذہب نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ایک بے جان روایت کی ہوتی ہے۔ اس سے عملاً انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جب طرفین کا ذہن مذہب اور اس کے تقاضوں سے خالی ہو تو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ جس کا کوئی عقیدہ و مذہب ہے اور اس کی صحت و صداقت پر وہ مطمئن ہے تو اس کی فطری خواہش ہوگی اور ہونی چاہیے کہ اس کا شریک حیات بھی اسی عقیدہ اور فکر کا حامل ہو۔ فریقین میں عقیدہ کا اختلاف خاندانی زندگی کو سکون سے محروم کر سکتا ہے۔

آئیے اس مسئلہ پر خالص اسلامی نقطہ نظر سے بھی غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سے کیا الجھنیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اس کے مجموعی مزاج اور اس کے اخلاق اور قانونی تقاضوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اسی سے اس کا موقف سمجھا جاسکتا ہے۔ اسلام خاص قسم کی معاشرت و وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے

طہارت اور پاک صافائی، غذا، لباس اور وضع قطع سے متعلق تفصیلی احکام دئیے ہیں۔ بعض چیزیں اس کے نزدیک حلال اور طیب ہیں تو بعض چیزیں حرام اور ناپاک ہیں، رشتہ داروں کے درمیان اس نے محرم اور نامحرم اور قریب اور دور کا فرق رکھا ہے اور اسی بنیاد پر ان سے شادی بیاہ حجاب اور عدم حجاب کے احکام بیان کیے ہیں۔ اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک خوشی اور غم کے تمام مواقع کے لیے اس کی ہدایات ہیں۔ ان سب کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ خاندانی زندگی سے ہے۔ یہ قدم قدم پر عورت اور مرد کے باہم تعاون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ تہذیب اور معاشرت وجود میں نہیں آسکتی جو اسلام کو مطلوب ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تعاون کے بغیر اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جمعی بظاہر کی بھی، جو پورے دین کی بنیادیں پابندی ممکن نہیں ہے ایمان اور عقیدہ کے اختلاف کے ساتھ اس راہ میں بھرپور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلق کے نتیجے میں جو اولاد ہو وہ ذریعہ طیبہ ہو اور ایک نسل سے دوسری نسل تک خدا کا دین، اس سے محبت اور تعلق اور اس کی عبادت و اطاعت کا جذبہ منتقل ہوتا رہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ والدین کے قلوب روح ایمان سے سرشار رہوں، ان کی شب و روز کی زندگی نیکی اور تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی ہو اور وہ شعوری طور پر اس بات کی کوشش کریں کہ اولاد کے اندر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور پروان چڑھے، دینی حمیت سے اس کا سینہ سرشار ہو اور وہ دین کو اپنے لیے سب سے بڑا سرمایہ سمجھنے لگے اور کسی حال میں اس سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ یہ چیزیں باپ کی مشترکہ اور مسلسل جدوجہد چاہتی ہے۔ اختلاف دین کے ساتھ یہ ہم انجام نہیں پاسکتی۔ ماں باپ کی زندگی اولاد کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ یہ نمونہ بہتر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں کا سمت سفر صحیح بھی ہو اور وہ اسی پر گامزن بھی رہیں۔ ماں باپ اگر بے دین یا دین سے بے تعلق ہوں تو اولاد دیندار بن کر نہیں ابھر سکتی۔

اسلام جس ازدواجی تعلق کو صحیح نہیں تسلیم کرتا اس کی بنیاد پر حقوق اور ذمہ داریوں کا سوال بھی اس کے نزدیک بے معنی ہے۔ جب کوئی عورت اسلامی قانون کی رو سے کسی

کی بیوی اور وہ اس کا شوہر نہیں ہے تو دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ عورت نہ تو اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ مرد کے مطالبات کی تعمیل اس کے لیے لازمی ہوگی۔ اس تعلق کے نتیجے میں جو اولاد ہوگی وہ بھی اپنے نان و نفقہ، تعلیم و تربیت جیسے قانونی حقوق سے محروم ہوگی، ان کے درمیان قانون وراثت نافذ نہیں ہوگا۔ اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اس ناجائز تعلق پر عورت اور مرد دونوں پر اسلامی ریاست میں حد شرعی نافذ ہوگی۔

## اہل شرک سے ازدواجی تعلقات کی ممانعت

مشرکین سے ازدواجی تعلقات کے بارے میں قرآن مجید نے صریح الفاظ میں ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ	مشرک عورتوں سے نکاح مت کر جب
حَتَّى يُؤْمِنُوا، وَلَا مِمَّا مَلَأَتْهُ	تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مومن بوٹی
حَيْرَاتٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا تَأْتِيَنَّكُمْ	آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ
وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ	وہ تم کو اچھی لگے اور مشرکین جب تک ایمان
حَتَّى يُؤْمِنُوا، وَالْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ	نہ لے آئیں ان سے اپنی عورتوں کا نکاح
حَيْرَاتٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا تَأْتِيَنَّكُمْ	مت کرو اور مومن غلام (آزاد) مشرک
أَوْلِيَّكُمْ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ	سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں پسند ہی کیوں
وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ	نہ آئے۔ یہ لوگ نارِ جہنم کی طرف بلا تے
وَالْمَغْفِرَ بَإِذْنِهِ، وَيَسْتَتِرُ	ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور
أَيَّتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ	مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے احکام
	کھول کھول کر لوگوں کو میان کرتا ہے تاکہ وہ

(البقرہ: ۲۲۱) نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے اور مسلمان عورتوں

کو مشرکین کے نکاح میں دینے سے صاف منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی مشرک اگر حسین و جمیل، صاحب ثروت اور اعلیٰ حسب و نسب والی ہے تو بھی اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان باندی بہتر ہے خواہ اسے ان میں سے بیشتر چیزیں حاصل نہ ہوں۔ اسی طرح ایک مشرک کے مقابلہ میں مسلمان غلام اچھا ہے چاہے مادی لحاظ سے وہ مشرک سے کم تر ہی کیوں نہ ہو۔ آیت کے آخیں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مناکحت کے عدم جواز کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ مشرک اور توحید دو متضاد تصورات ہیں۔ دونوں کی راہیں جدا ہیں۔ مشرکین دینِ مشرک کی طرف لوگوں کو بلارہے ہیں۔ اسلام توحید کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مشرک کا راستہ تباہی کا راستہ ہے جو جہنم تک انسان کو پہنچاتا ہے اور اسلام سے دنیا اور آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان جہاں عقیدہ کا یہ زبردست فرق پایا جانے وہاں ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میاں بیوی میں سے ایک کی زندگی مشرک نہ تصورات پر مبنی ہو اور دوسرا توحید کی راہ پر چلنا چاہے تو قدم قدم پر تھام ہو گا اور گھر کا نظم اور سکون باقی نہیں رہ سکے گا۔

صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ میں ہوئی۔ اس کے بعد پورہ ممتحہ شہ میں فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں کہا گیا کہ مکہ میں جو مسلمان عورتیں کفار کے نکاح میں ہیں وہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آجائیں تو انھیں دوبارہ مکہ نہ بھیجو اس لیے کہ ان کے ازدواجی رشتے ختم ہو گئے ہیں۔

ارشاد ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ  
 لَآ هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ  
 لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مردان مسلمان  
 عورتوں کے لیے۔ (الممتحنہ: ۱۰)

اس فقرہ کے تحت حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هَذِهِ الْآيَةُ هِيَ الدِّيْنِيَّةُ حُرْمَتِ  
 یہی آیت ہے جس نے مسلمان عورتوں

سے اس آیت کا ایک خاص پس منظر ہے اور اس سے متعلق بعض قانونی مباحث ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات، تحقیقات اسلامی۔ اپریل۔ جولائی ۱۹۹۹ء

المسلمات على المشركين وقد كان جائزاً في ابتداء الاسلام  
 ان يتزوج المشرك المومنة  
 کے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا آغاز  
 اسلام میں مشرک کا مومن سے شادی کرنا  
 جائز تھا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں۔ لَا هُنَّ حَرْجٌ لَّهُمْ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جدائی ثابت ہے اور جو نکاح ہو چکے ہیں وہ ختم ہو گئے۔ وَكَلَّهْمَ يَجِدُونَ لَهُنَّ، جملہ فعلیہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مستقبل میں بھی ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار حرمت اور قطع تعلق پر زور دینے اور اسے موکد کرنے کے لیے ہوئے

اسی آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ مسلمان اپنی کافر بیویوں کو (جو مکہ میں رہ رہی تھیں) چھوڑ دیں۔

وَكَالْفُجُورِ بَعْضُهُمْ أَلْكُفُورِ (الممتز: ۱۰)  
 کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں مت  
 روکے رکھو۔

امام غنوی اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وَكَانَ الْكُفَّارُ يَتَزَوَّجُونَ الْمُسْلِمَاتِ  
 وَالْمُسْلِمُونَ يَتَزَوَّجُونَ الْمُشْرِكَاتِ  
 ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ  
 علامہ ابن جریر طبری آیت کے اس فقرہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:  
 هَذِهِ أَيْ هَذِهِ مِنَ اللَّهِ لِلْمُؤْمِنِينَ  
 عَنْ الْاِقْتِدَامِ عَلَى نِكَاحِ النِّسَاءِ  
 کفار مسلمان عورتوں سے اور مسلمان  
 مشرک عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔  
 اس آیت میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔  
 اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین  
 کو مشرک عورتوں سے جو بت پرست ہیں

۱۔ ابن کثیر، تفسیر: ۳/۳۵۱

۲۔ آلوسی، روح المعانی، جز ۲۸، ص ۷۶

۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۴۵/۱۸

المشركات من اهل الاوثان  
 وامرہن بفراقہن لہ  
 نکاح کا اقدام کرنے سے منع کیا گیا ہے  
 اور ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

## دور صحابہ میں اس پر عمل درآمد کی مثالیں

اس حکم پر جس طرح عمل ہوا اس کا ذکر امام زہری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فطلق المؤمنون حین  
 جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں  
 انزلت هذه الآية کل امرأة کافرة  
 نے ہر اس کافر عورت کو جو ان میں سے  
 کانت تحت رجل منهم لہ  
 کسی کے عقد میں تھی، طلاق دے دی۔

اس حکم کے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکہ ہی میں مقیم تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک قریبہ بنت ابوامیہ تھی، جس کا نکاح حضرت معاویہؓ سے ہوا جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جریول الخزاعی تھی، جس سے اسی کے خاندان کے ایک شخص ابو جہم بن حذیفہ بن غانم نے شادی کر لی ہے۔ حضرت عیاض بن غنمؓ نے اپنی بیوی ام الحکم بنت ابوسفیان کو طلاق دی۔ ان سے عبداللہ بن عثمان ثقفی نے شادی کر لی ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اروی بنت ربیعہ کو طلاق دی، بعد میں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو حضرت خالد بن سعید بن العاص سے ان کا نکاح ہوا۔ جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور جن کے شوہر کافر تھے ان سے ان کا

۱۰ ابن جریر طبری، تفسیر: جز ۲۸ ص ۴۰ ۱۱ حوالہ سابق

۱۲ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالح مع اہل الحرب۔ ابن ہشام، سیرۃ ابنی: ۳/۲۴، ۳/۲۵  
 طبری، تاریخ الرسل والملوک: ۶۶/۶۷۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۹/۹  
 ۱۳ بخاری، کتاب الطلاق، باب نکاح من المسلم من المشركات وعدتہن۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اصحاب الصحاب  
 علی ہاشم الاصاہب لابن حجر: ۳/۴۵

۱۴ ابن حجر، فتح الباری: ۹/۴۱۹۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۶

ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔

۱۔ امیر بنت الحارث الاسلمیہؓ۔ روایات میں آتا ہے کہ حدیبیہ میں معاہدہ صلح کی کتابت جیسے ہی مکمل ہوئی وہ خدمت میں پہنچیں تو ان کے شوہر بھی جن کا نام مسافر خزومی یا صیفی بن الراحب تھا پہنچ گئے اور کہا کہ میری بیوی کو واپس بھیجئے اس لیے کہ معاہدہ کی شرائط میں یہ داخل ہے اور ابھی کتابت کی روشنائی ختم بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد سورہ ممتحنہ کی آیت نازل ہوئی اور بقول زخشری معاہدہ میں جو اجمال تھا اسے اس نے کھول دیا۔ آپ نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مدینہ میں ان کی شادی حضرت عمرؓ سے ہوئی یہ

امیر بنت بشرؓ۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنے کافر شوہر حسان بن دحاح اور طبری کی روایت کے مطابق ثابت بن دحاح سے فرار ہو کر مدینہ پہنچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو ختم کر کے سہل بن حنیف سے ان کا نکاح کر دیا جن سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن سہل ہیں۔ روایت میں ہے کہ سورہ ممتحنہ کی آیت ان کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس طرح کی بعض اور خواتین کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان سے منعلق تفصیلات میں اختلاف ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

لہ زخشری، الکشاف: ۹۳/۴، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۶۱/۱۸۔ ابن جریر، فتح الباری: ۳۲۸/۵۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/۳۲۵

۲۔ طبری، تفسیر، جز ۲۸ ص ۲۴۴۔ ابن جریر، فتح الباری: ۳۲۸/۵۔ علامہ ابن اثیر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امیر بنت بشر کا تعلق انصار کے خاندان بنو عمرو بن عوف سے تھا اور آیت مہاجرین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اسد الغابہ: ۲۵/۷۔ حافظ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے امیر بنت بشر کے شوہر انصار سے منعلق نہ ہوں، وہ ان کو مکہ منتقل کر کے لے گئے ہوں اور پھر وہاں سے مدینہ آئی ہوں۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/۲۳۹

۳۔ ابن جریر، فتح الباری: ۳۲۸/۵

## کتابیات سے نکاح کا جواز

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اسلام نے شادی بیاہ کے معاملہ میں تمام مذاہب کو ایک صف میں رکھا ہے یا ان میں فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس معاملہ میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے درمیان فرق کرتا ہے چنانچہ جہاں اس نے مشرکین سے ازدواجی تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے وہیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ سورہ ماائدہ میں ارشاد ہے۔

..... وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ  
 وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
 الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذْ  
 آتَيْنَاهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُصْنِنَ  
 عَيْرٍ مُسْفِحِينَ وَلَا مَتَّخِذِي  
 أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ  
 فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي  
 الْآخِرَةِ مِنَ الْغَاسِقِينَ ۝ (الذہ: ۵)

تمہارے لیے حلال ہیں، اہل ایمان میں  
 کی پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک  
 دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی  
 گئی، جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرواؤ  
 قید نکاح میں ناؤ۔ بدکاری نہ کرو اور چوری  
 چھپے دوستی نہ کرو۔ (یاد رکھو) جو شخص ایمان  
 کا انکار کر دے اس کا عمل رائیگاں گیا اور  
 وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح شریف مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح شریف کتابیہ سے بھی نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ اس کی وجہ نظر یہ ہے کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان عقائد کا بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہیں، اھولاً توحید کے بھی قائل ہیں۔ وحی و رسالت کو تسلیم کرتے ہیں، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کا بھی تصور رکھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں انحراف بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی

سہ کتابیات سے نکاح کے مسئلہ پر ائمہ نے اپنے عقائد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات مطبوعہ سماجی

تحقیقات اسلامی جولائی ۱۹۹۹ء میں تفصیل سے بحث کی ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔  
 سہ معصنات کا ترجمہ لغویاً پاک دامن عورتیں کیا گیا ہے۔ اس کے معنی آزاد عورتوں کے بھی لیے گئے ہیں

کوئی عورت کسی مسلمان کے جہاڑ عقد میں آئے تو اس طرح کی دوری نہیں محسوس کریں گے جس طرح کی دوری کسی مشرک عورت سے مسلمان کے نکاح کی صورت میں پائی جاسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب مشرکین کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان کے اندر کسی نہ کسی نوعیت کا شرک نہیں پایا جاتا یا یہ کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں؟ اگر ان میں بھی شرک ہے تو پھر سورہ ماندہ کے حکم کی نوعیت کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے سورہ بقرہ میں مشرکات سے نکاح کی مانعت کی گئی پھر سورہ ماندہ کی آیت کے ذریعہ اہل کتاب کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔ یہی بات متعدد تابعین نے کہی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری ان آراء کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سورہ بقرہ میں جن مشرکات کا ذکر ہے اس میں اہل کتاب کی عورتیں نہیں آئیں۔ ان سے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے یہی حضرت قتادہؓ سے منقول ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی مسلمان عورت اہل کتاب میں سے کسی کے عقد میں چلی جائے۔ یہ ہر حال میں ناجائز ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مرفوع حدیث بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے فرمایا:

متزوج نساء اهل الكتاب ولا یتزوجون نساءنا یتھ  
ہم اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کریں گے مگر  
ہماری عورتوں سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی۔

ان دلائل کی بنا پر جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح جائز ہے بلکہ بعض اصحاب علم نے تو لکھا ہے کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن قدامہ ضلی کہتے ہیں۔

سہ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۳۶۲/۴ تحقیق محمود محمد شاہ

سہ حوالہ سابق ص ۳۶۵

سہ اس حدیث میں کسی قدر ضعف ہے لیکن قابل احتجاج ہے۔ طبری، جامع البیان: ۳۶۶/۴ حاشیہ ۱۲

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہل علم کے درمیان اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحاب میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ غلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت طلحہؓ، جابر و ابن الملعنی اور اذینہ العبدی نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا ہے۔ یہی بات تمام اہل علم نے کہی ہے۔ البتہ شیعہ میں فرقہ امامیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور سورہ بقرہ اور سورہ تمحذ کی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک وہ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب ان سے یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے۔

ان اللہ حرم المشركات	اللہ تعالیٰ نے مشرکات کو مومن کے
على المومنين ولا اعلم من	یہ حرام ٹھہرایا ہے میں نہیں جانتا اس
الا شرک شيئا اكبر من ان	سے بڑا شرک کوئی اور ہو سکتا ہے کہ عورت
تقول المرأة ربها عيسى وهو	کہے کہ عیسیٰ اس کے رب ہیں۔ حالانکہ وہ
عبد من عباد الله	اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔

## احتیاط پسندیدہ ہے

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح پر حضرت عمرؓ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت شقیق کی صحیح سند کے ساتھ روایت ہے

سہ ابن قدامہ المغنی: ۵۲۵/۹

سہ بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ ولا تنکحوا المشركات حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ تابعین میں محمد بن الحنفیہ

کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں میں اسے چھوڑ دوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

لا اذعم انها حرام      میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن  
ولکن اخافت ان تعاطوا      مجھے ڈر ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں  
المومسات منهن ۱؎      سے نکاح نہ کرنے لگو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کے تو قائل تھے کہ کتابیات سے نکاح جائز ہے لیکن انھیں اندیشہ تھا کہ اس پر عمل ہو تو ان کی صالح عورتیں ہی نہیں ان کی غلط کار عورتیں بھی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی۔ اس اندیشہ کی بنیادیں غالباً دو تھیں۔ ایک یہ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ انتہائی اخلاقی گراؤ میں مبتلا تھے۔ اس حالت میں ان سے ازدواجی رشتے مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا سبب بن سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے عقیف اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ شاید یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس کی معلومات کا کوئی اطمینان بخش ذریعہ نہیں ہے، بہر حال حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی بات صحیح ہے کہ وہ اصولاً کتابیات سے نکاح کے جواز کے قائل تھے لیکن مسلم معاشرہ میں اس کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔

۱۰ اور شیعوں میں فرقہ زدییہ کے امام ہادی نے بھی کتابیات سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، اس رائے کی کمزوری کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مذکورہ بالا مضمون، ۱۰ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات، تحقیقات اسلامی، جولائی-ستمبر ۱۹۹۶ء  
۱۱ سلططری، جامع البیان، ۳/۳۶۲-۳۶۴۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶۸/۳۰

## کاروباری تعلقات

اسلام نے انسان کی زندگی کے لیے حلال و حرام کے حدود مقرر کر دیے ہیں۔ ان حدود کے دائرہ میں تجارت، کاروبار اور لین دین بھی آتا ہے۔ ایک مسلمان تو ان حدود کا لازماً پابند ہوگا لیکن غیر مسلم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ ان سے آزاد ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب اسلام کے نزدیک حرام ہے، اس کے پینے، پلانے، کشیدہ اور تیار کرنے، اس کی خرید و فروخت، اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے لے جانے ہر چیز کی اس نے ممانعت کی ہے۔ اسی طرح خنزیر کو وہ ناپاک قرار دیتا ہے اور اس کے گوشت ہی سے نہیں اس کی کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان کے لیے اس طرح کے تمام محرمات کا کاروبار یا لین دین ناجائز ہے وہ براہ راست ہی نہیں بالواسطہ بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے ان کی تجارت یا مالی لین دین غیر مسلم سے ہو سکتا ہے یا نہیں جب کہ وہ ناجائز و ناجائز کی پابندی سے آزاد ہے اور اس کے ذرائع آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کے ہیں، احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وسلم اشتری طعاماً من	ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے
یہودی اثنی عشر درہنہ درمہ	غلذخیدا اور اس کے پاس اپنی لوسہ
من حدیدہ	کی ذرہ رہن رکھی۔

۱۔ بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی بالذبیہ، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الزین وجزاہ فی الحفر والسفر  
اسی مقبول کی روایت حضرت انس سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری حوالہ سابق۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات مبارکہ کے آخری دور کا واقعہ ہے۔ فرماتی ہیں۔

توفي رسول الله صلى الله عليه . رسول الله صلى الله عليه وسلم کی وفات  
وسلم ودرعه مرهونه عند يهودى بثلاثين صاعا من شعير بيله  
اس حال میں ہوئی کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو کے عوض، رہن تھی۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ حافظ ابن دقیق العید الاحکام الاحکام میں فرماتے ہیں :-

(الحدیث) دلیل علی جواز یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ  
معاملۃ الکفار وعدم اعتبار کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ ان  
الفساد فی معاملتہم . کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار  
نہیں کیا جائے گا۔

اس کے محشی اور تعلق نگار، صاحب عمدہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کفار سے اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خنزیر کا کاروبار کرتے ہیں یا سود کھاتے ہیں یا یہ کہ ان کے پاس مال کیسے آیا؟ اسلامی ریاست ان سے جزیہ لے گی اس کے بعد ان سے بیع و شراہ اور خرید و فروخت کا معاملہ اسی طرح کرے گی جیسے ان کے پاس حلال مال ہو۔ لہذا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے بلکہ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔ ایک کفار سے

سہ بخاری کتاب الجہاد، باب ما قبل فی درع النبی والقیس فی الحرب یہی بیان حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودرعہ مرہونہ عند رجل من یهود علی ثلاثین صاعاً من شعیر اخذ بارز قایماً سند احمد روایات ابن عباس حدیث نمبر ۲۱۹، ج ۳ ص ۳۵۵۔ نسائی، کتاب البیوع، مبايعه اهل الكتاب۔

سے احکام الاحکام: ۱۹۶/۳ - ۱۹۷

معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ حرام نہ ہو۔ اس میں ان کے عقائد کے فساد اور ان کے آپس کے معاملات کے غلط ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر حربی نہیں ہے تو اسے ہتھیار فروخت کیے جاسکتے ہیں اور اس کے پاس رہن رکھا جاسکتا ہے۔ ۳۔ اس سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ ذمیوں کی املاک ان کے ہاتھ میں رہے گی۔ (اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا)۔

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ موجود تھے کہ ایک مشرک جو پرانندہ بال اور دراز قد تھا کچھ بکریاں لے کر پہنچا آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا یہ فروخت کے لیے ہیں یا تمہیں؟ اس نے کہا فروخت کے لیے ہیں۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی۔

اس حدیث سے بھی مشرکین سے خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے۔ محدث ابن بطلال اس کے ذیل میں کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ معاملہ جائز ہے سوائے اس کے کہ ایسی بیع ہو جس سے اہل حرب مسلمانوں کے خلاف فائدہ اٹھائیں۔

حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی بیع جائز ہے دوسرے یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں ہے وہ اسی کے پاس باقی رہے گی۔

علامہ ابن عربیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ ذمیوں سے شراب بطور جزیرہ نہیں نی جانے گی لیکن اگر وہ اسے

۱۔ فتح الباری: ۱۲/۵۔ یہی استدلالات علامہ بدرالدین عینی کے ہاں بھی موجود ہیں۔ عمدة القاری: ۳۹۶/۱۰۔

۲۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نووی: شرح مسلم ج ۲ جزو ۱۱ ص ۴۰۔

۳۔ بخاری، کتاب البیوع، باب الشرار والبیع مع المشرکین و اہل الحرب۔

۴۔ فتح الباری: ۴/۱۰۔ نیز دیکھی جائے۔ عینی: ۱۱/۱۰۔

اپنے لوگوں میں فروخت کر کے جزیرہ ادا کریں تو قبول کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:-

والحاسم لداء الشك و شك کی بیماری اور اختلاف کو ختم  
 الخلفان اتفاق الاثمة علی جواز کرنے والی بات یہ ہے کہ اگر کسی پر  
 التجارة مع اهل الحرب لہ اتفاق ہے کہ اہل حرب سے تجارت ہو سکتی ہے۔

## غیر مسلم کے کاروباری حقوق

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کیا کاروباری حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر کتنی پابندیاں ہوں گی اس کا جواب فقہ میں یہ دیا گیا ہے۔

د اهل الذمة و تجارت اور کاروبار میں ذمی بھی مسلمانوں کی  
 البیاعات کا للمسلمین۔ طرح ہیں ان کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔  
 اس کی تائید میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے:

ان لهم ما للمسلمین ذمیوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے  
 وعلیہم ما علی المسلمین جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ان پر وہ پابندیاں  
 بھی ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر وہ کوئی سودی کاروبار نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اسلام کے نزدیک سود اور اس کی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔ البتہ خنزیر اور شراب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ذمی آپس میں ان کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ کا وہ قول پیش کیا گیا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا کہ جب انھیں معلوم ہوا کہ جزیرہ میں ذمیوں سے شراب اور خنزیر بھی لیے جاتے ہیں اور پھر انھیں فروخت کر دیا جاتا ہے تو آپ نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر ذمی اسے (دوسرے ذمیوں کو) فروخت کریں اور اس کی قیمت

لہ احکام القرآن: ۲۱/۱

۵۷۲ھ ۱۰۲۳-۱۰۲۴میں فرماتے ہیں ایسی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ نصب الایہ لاحادیث الہدایۃ: ۴/۵۵

سے جزیہ ادا کریں تو یہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا خنزیر اور شراب فروخت کرنا، چاہے وہ ذمیوں کی ہو فروخت کریں ناجائز ہے، البتہ ذمی اپنے درمیان اس کا معاملہ کر سکتے ہیں۔ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ کافر شراب فروخت کر کے مسلمان کا قرض ادا کرتا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا لینا جائز ہے، اس لیے کہ شراب اس کے نزدیک قیمت رکھتی ہے۔ اس کی بیع اس کے لیے صحیح ہے۔ اس کے برخلاف مسلمان اگر شراب فروخت کر کے کسی کا قرض ادا کرے تو یہ ناجائز ہوگا اس لیے کہ اس کے نقطہ نظر سے شراب مال مقوم نہیں ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سود کی ممانعت کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہوگی البتہ شراب کی یہ حیثیت نہ ہوگی۔ غیر مسلموں کو اس کے استعمال کی اجازت ہوگی اور وہ اپنے درمیان اس کی خرید و فروخت بھی کر سکیں گے۔ یہی معاملہ خنزیر کی فروخت اور اس سے نبی ہوئی اشیاء کا ہوگا۔ لیکن اگر اسلامی ریاست شراب کے استعمال کو ملکی قانون کی رو سے ممنوع قرار دینا چاہے تو ہمارے خیال میں اسے اس کا حق ہوگا۔ اس صورت میں غیر مسلموں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت نہ ہوگی۔

## کاروبار میں شرکت

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کی یہودی کے ساتھ کاروباری شرکت ہو۔ امام شافعی نے یہودی یا نصرانی کے ساتھ مشارکت کو مطلقاً ناپسند کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ سودی کاروبار کرتے ہیں اسی طرح ان کے مال میں شراب اور خنزیر کی آمدنی بھی شامل ہوتی ہے۔ امام مالک

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدر: ۵/۳۶۰۔ حضرت عمرؓ کے قول کے حوالہ

کے لیے دیکھی جائے۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۴/۵۵

۲۔ ہدایہ: ۴/۲۵۲

اور امام احمد اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر کاروبار میں مسلمان کی مؤثر شرکت ہو تو اسے سود سے پاک رکھا جاسکتا ہے، اس کے بغیر شرکت صحیح نہ ہوگی۔ جمہور کے نزدیک غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی فتح کے بعد یہود کو اس شرط کے ساتھ مقبوضہ زمین پر کاشت کی اجازت دی کہ انھیں پیداوار کا نصف ملے گا۔

بب کھیتی باڑی اور کاشت کاری میں شرکت جائز ہے تو دوسرے معاملات میں بھی اس کا جو اثبات ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے جزیہ لیا جاتا ہے جب کہ ان کے اموال شرعی نقطہ نظر سے بالکل پاک نہیں ہوتے اس کا ایک حصہ ناپاک ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ لین دین اور کاروبار میں غیر مسلموں کے ساتھ شرکت کو اسلام نے رد رکھا ہے۔ کاروبار اگر ناجائز نہ ہو تو غیر مسلم اور مسلم کے درمیان مشارکت ہو سکتی ہے۔

## اجرت پر غیر مسلم کی خدمت

جائز کاموں میں اجرت پر غیر مسلم کی خدمات تنضیٰ طور پر بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ آگے یہ بحث تفصیل سے آئے گی کہ اسلامی ریاست بھی ان کی خدمات سے بالمعاوضہ فائدہ اٹھا سکتی ہے یہاں اس کے بالکل برعکس پہلو کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی مسلمان اجرت پر کسی غیر مسلم کی خدمت کر سکتا ہے یا نہیں؟

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی خدمت کرنا اور اس پر اجرت حاصل کرنا صحیح ہے اور یہ ایک جائز اجرت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ۔

۲۔ ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰۶/۱-۱۱۰، ابن حجر، فتح الباری: ۱۳۵/۵

پر فاقہ کی کیفیت تھی۔ حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ کسی کام کی تلاش میں نکلے تاکہ اس کی آمدنی سے آپ کے لیے کھانے کا سامان کر سکیں۔ ایک یہودی کے باغ میں پونچے۔ اس کی سنبھائی کی۔ سترہ ڈول کھینچے اور ہر ڈول پر ایک عمدہ کھجور ملی۔ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری نے آپ سے عرض کیا کہ (آج) میں آپ (کے چہرہ) کا رنگ متغیر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ بھوک کی وجہ سے ہے۔ وہ گھر پہنچے لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ وہ باہر تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ ایک یہودی اپنے باغ میں آب پاشی کر رہا تھا۔ انصاری نے یہودی سے پوچھا کہ کیا میں اسے سیراب کر دوں؟ اس نے کہا، اچھا، انھوں نے کہا ہر ڈول پر ایک کھجور دینی ہوگی۔ نہ تو زیادہ ملی ہوگی نہ کچی بلکہ عمدہ ہوگی۔ اس نے مان لیا۔ انھوں نے اس طرح دو صاع کھجور حاصل کیے۔ اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

یہ مدنی دور کے واقعات ہیں۔ مکہ میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت خباب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک لوہا تھا۔ میں نے مکہ میں عاص بن وائل کا کام کیا۔ میری اجرت اس کے پاس جمع ہو گئی۔ میں نے اس کا تقاضا کیا تو اس نے کہا قسم خدا کی میں اس وقت تک ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت) کا انکار نہ کرو۔ میں نے کہا قسم خدا کی تمہارے مرکر دوبارہ زندہ ہونے تک بھی یہ نہیں ہوگا۔ اس نے سوال کیا کہ کیا مرنے کے بعد میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھوں گا؟ میں نے جواب دیا ہاں یہ ہوگا۔ اس نے کہا اگر ایسا ہوا تو اس وقت میرے پاس مال اور اولاد سب ہی کچھ ہوگا۔ تمہارا قرض بھی ادا کر دوں گا۔

۱۔ ابن ماجہ۔ کتاب الریون، باب الرجل یسئى کل دوتیرة۔

۲۔ حوالہ سابق۔ ان دونوں احادیث میں کسی قدر ضعف ہے۔ لیکن فقہاء نے ان سے استدلال کیا ہے۔

۳۔ بخاری کتاب الاجارہ، باب بل یواجر الرجل نفسه من مشرک فی ارض الحرب۔ فقہ حنفی میں اس کی بھی اجازت ہے کہ مسلمان کسی کی تعزیر میں اجرت پر کام کرے۔ (رد المحتار علی الدر المنثور ۵/۲۴۲-۲۴۵) اس پر بعض دوسرے پڑھوں نے گفتگو ہو سکتی ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں محدث مہلب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

كرد اهل العلم ذلك  
 الا لضرورة بشرطين ١٠ احد  
 هما ان يكون عمله  
 في ما يحل للمسلم فعله  
 والاخر ان لا يعينه  
 على ما يعود ضرورة على  
 المسلمين له

ابن علم نے اجرت پزیر مسلم کا کام  
 کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ بان مجبوری ہو تو وہ  
 شرطوں کے ساتھ یہ جائز ہوگا۔ ایک یہ کہ  
 غیر مسلم جو کام لے اس کا کرنا مسلمان کے لیے  
 حلال ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسے کام  
 میں اس کی معاونت نہ کرے جس کا نقصان  
 بالآخر مسلمانوں کو پہنچے۔

اس کے ناپسندیدہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے ایک خود دار قوم شاید دوسروں  
 کی غلامی اور نوکری کو پسند نہیں کرے گی۔ جن شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی  
 ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مسلم کا جو بھی کام کیا جائے اسے اسلامی نقطہ نظر سے  
 ناجائز نہیں ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس کے  
 خلاف کوئی عمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دونوں شرائط اس لیے رکھی گئی ہیں کہ غیر مسلم ان کی رعایت  
 نہیں کرے گا۔ وہ ان کے خلاف بھی کوئی خدمت لینے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس پہلو  
 سے ان کی مقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم کی ملازمت یا نوکری مسلمان کے لیے عار اور  
 ذلت کا باعث ہے؟ اس کا جواب فقہ کی روشنی میں علامہ ابن المنیر نے یہ دیا ہے کہ  
 مذاہب فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کاریگروں کا اپنی دکانوں میں بیٹھ کر ذمیوں کے  
 لیے کام کرنا جائز ہے اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ایک  
 مسلمان کا کسی ذمی کے گھر اس کی خدمت کرنا اور اس کی ماتحتی اختیار کرنا صحیح نہیں  
 ہے۔ اس میں ذلت ہے بلکہ

لہ فتح الباری: ۴/۵۲۲

لہ حوالہ سابق۔

امام احمد کے نزدیک اجرت پر کسی ذمی (غیر مسلم) کی ذاتی خدمت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی سے اس کے جواز اور عدم جواز دونوں طرح کی روایات منقول ہیں۔ جواز کے حق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جب اجرت پر ذمی کا کوئی کام کرنا جائز ہے تو اس کی خدمت کو بھی جائز ہونا چاہیے۔ امام احمد کہتے ہیں اس کے اندر مسلمان کی تبدیل ہے اس لیے وہ ناجائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان اجرت پر ذمی کا کوئی کام انجام دے۔ جیسے کپڑے کی سلانی یا دھلائی۔ اسی طرح مدت متعین کے لیے کام کرنا بھی جائز ہے۔

اس میں ذمی کی بالواسطہ خدمت اور بلاواسطہ خدمت میں فرق کیا گیا ہے پہلی صورت کو جائز اور دوسری کو ناجائز کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمان درزی، لوہار، بڑھئی، نان بانی یا کسی بھی قسم کا کاریگر ہے تو اس کا اپنی دکان کے ذریعہ ذمیوں کی ضرورت پوری کرنا اور اس پر اجرت لینا صحیح ہے، البتہ ذمی کا شخصی ملازم اور خدمت گار بننا اس کے دقار کے منافی ہے۔

موجودہ دور میں معاشرہ کی اس طرح کی عمومی ضروریات بڑے بڑے اداروں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے ذریعہ پوری کی جاتی ہیں۔ یہ ادارے بالکل نجی اور شخصی بھی ہوتے ہیں لیکن بالعموم انہیں کئی کئی افراد کے گروپ چلاتے ہیں اور بعض ادارے قومی ملکیت میں بھی ہوتے ہیں۔ ان میں فنی ماہرین ہوں یا عام محنت مزدوری کرنے والے سب ہی افراد ادارہ کے ملازم یا کارکن ہوتے ہیں۔ ادارہ اور کارکن دونوں کے حقوق بھی بڑی حد تک متعین ہوتے ہیں۔ اس میں شخصی خدمت میں ذلت کا جو تصور ہے وہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان اداروں کو چاہے مسلمان چلا رہے ہوں یا غیر مسلم ان میں کسی مسلمان کا ملازمت اختیار کرنا غلط یا پسندیدہ نہ ہوگا بشرطیکہ ادارے حرام چیز پیدا کر رہے ہوں۔

## بعض مسائل کی تحقیق و توضیح

# ایغیر مسلم کو سلام کا حکم

حدیث میں سلام کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اسے عام کرنے کا حکم ہے۔ زیادہ تر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ انہیں آپس کے تعلقات میں جن باتوں کی ہدایت کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ملاقات کے وقت سلام کریں۔ بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخلوا الجنة حتی	تم جنت میں نہیں داخل ہو گے
تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی	تا آنکہ ایمان نہ لاؤ اور ایمان (کامل) نہ
تعالوا، اؤکلا اد لکم	لاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ
علی شیء، اذا فعلتموه	کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ اس پر
تصابیتم، افشوا السلام	عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے
بینکم ۛ	لگو؟ وہ یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام

کو عام کرو۔

سے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کا مضمون 'سلام کی اہمیت اور غیر مسلم کو سلام کا حکم' مطبوعہ سرمایہ تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ۔ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۴ء

سے مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنة الا المؤمنون الخ۔ ابو داؤد، کتاب السلام، باب افشاء السلام۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی افشاء السلام

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سلام کا زیادہ سے زیادہ رواج ہونا چاہیے۔ اس سے اجنبیت اور دوری ختم ہوگی اور تعلقات مضبوط ہوں گے۔

## غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت

سلام کو چونکہ مسلمانوں کے درمیان عام کرنے کا حکم ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا۔ اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تبصروا الیہود والنصارى  
بالسلام فاذا لقیتم  
احدہم فی طریق فاضطروا  
الیہ صیقہ لہ  
یہود و نصاریٰ کو سلام کا آغاز تمہاری طرف  
سے نہ ہو ان میں سے کسی سے راستہ میں تمہاری  
ملاقات ہو جائے تو اسے اس کے تنگ حصہ  
میں چلنے پر مجبور کرو۔

اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پیش قدمی نہیں کی جائے گی اور انہیں راستہ کے کنارے چلنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۱۔ مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن اہل الکتاب بالسلام، ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی کراہیۃ التسلیم علی الذمی۔ ابوداؤد، کتاب السلام، باب فی السلام علی اہل الذمہ۔ سند احمد: ۴/۱۹، حدیث نمبر ۹۹۲۱ مسند کی ایک روایت میں یہود کی جگہ مشرکین کا لفظ آیا ہے ۱۵/۱۹ حدیث نمبر ۹۷۲۳

۲۔ راستہ سے متعلق اس ہدایت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہیں راستہ سے دھکا دے کر کنارے کر دیا جائے تاکہ وہ آسانی سے نہ چل سکیں بلکہ، بھیڑ بھاڑ اور اذہام ہو تو ان کے احترام میں خود کنارے ہو کر انہیں درمیان راستہ نہ دیا جائے بلکہ اسی زحمت اور تنگی سے گزرنے دیا جائے۔ اگر راستہ کشادہ ہو اور کسی کے گزرنے میں کوئی زحمت نہ ہو تو وہ سب کے ساتھ چل سکتے ہیں۔

۳۔ ایسی صورت میں انہیں کنارے چلنے کا پابند بنانا بلاوجہ کی اذیت رسانی ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔ فتح الباری: ۲/۱۱

## ممانعت کی نوعیت

سوال یہ ہے کہ یہ حکم کیا مستقل نوعیت کا ہے یا اس وقت کے مخصوص حالات کے تحت دیا گیا ہے؟ اس پر کسی قدر تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہؐ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد یہود کے ساتھ امن وامان، مذہبی آزادی اور باہمی تعاون کا معاہدہ ہوا لیکن انہوں نے کبھی اس کی پاس داری نہ کی۔ اسلام دشمنی، سازشیں اور خیانتیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ سلام و کلام میں ان کے غیر شریفانہ رویہ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان کی ان تمام حرکتوں کے باوجود قرآن نے درگزر کا حکم دیا (البقرہ: ۱۰۹) جب یہ سازشیں آخری حد کو پہنچ گئیں تو ان سے جنگ بھی ہوئی اور انہیں جلاوطن بھی کیا گیا۔ (الحشر: ۱-۵) اس طرح حالات کے لحاظ سے ان کے سلسلہ میں اسلام کے رویہ میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سلام میں پیش قدمی نہ کرنے اور راستہ میں ان کا احترام نہ کرنے کی ہدایت اسی طرح کے حالات میں دی گئی ہو۔ ظاہر ہے حالات کے بدل جانے کے بعد حکم بھی بدل جائے گا۔ اس کی تائید بعض صحابہ و تابعین کے عمل سے ہوتی ہے۔

## غیر مسلم کو سلام کرنے کا ثبوت

روایت ہے کہ حضرت ابوامامہؓ کا راستہ چلتے ہوئے جس کسی کے پاس سے بھی گزر ہوتا، چاہے وہ مسلمان ہو یا نصرانی، چھوٹا ہو یا بڑا اسے سلام کرتے۔ جب ان سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ہمیں سلام کے عام کرنے اور پھیلانے کا حکم ہے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے لیے

۱۔ معاہدہ کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام: سیرۃ النبیؐ ۱۱۹، ۱۲۳۔ اس کی بعض دفعات کا حوالہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ قال لمانظ اخراج الطبری بسند جدید۔ فتح الباری: ۱۱/۴۱

برکت کی دعا اور ذمیوں کے لیے امن و امان کا اہل ہمارے بیٹے

امام ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ سلف سے مروی ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کیا کرتے تھے۔<sup>۱۱۲</sup>

حضرت عبداللہ بن مسعود، ابودرداء اور فضالہ بن عبیدہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔<sup>۱۱۳</sup>

عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ محمد بن کعب قرظی نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ ذمیوں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کی جاسکتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری طرف سے سلام کی ابتدا صحیح نہیں ہے البتہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے گا۔ عون بن عبداللہ نے اس مسئلہ میں خود محمد بن کعب قرظی کی رائے دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ انہیں آگے بڑھ کر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>۱۱۴</sup>

امام اوزاعی سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے پاس سے گزرتے وقت اسے سلام کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اگر تم نے سلام کیا تو اس سے پہلے صاحبین نے سلام کیا ہے اور اگر تم نے سلام نہیں کیا تو صاحبین نے سلام نہیں بھی کیا ہے۔ یعنی سلف سے دونوں طرح کے عمل منقول ہیں۔<sup>۱۱۵</sup>

## سماجی تقاضوں کے تحت غیر مسلم کو سلام کا جواز

ایک خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تو سلام کو ہر موقع اور ملاقات پر عام کرنے

۱۱۲ ابن حجر، فتح الباری: ۳۹/۱۱، قرظی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲

۱۱۳ قرظی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲

۱۱۴ عینی، عمدۃ القاری: ۱۲/۱۹

۱۱۵ ابن حجر، فتح الباری: ۳۹/۱۱

۱۱۶ قرظی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲۔ نووی، شرح مسلم ج ۵ جز ۱۳ ص ۱۲۵۔

کا حکم ہے، غیر مسلموں کے بارے میں اس طرح کی ہدایت نہیں ہے، البتہ سماجی ضروریات اس کا تقاضا کر رہی ہوں تو انھیں سلام کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ بعض دہقان (ذمی) بھی شریک سفر تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کا راستہ الگ ہو گیا اور وہ اس پر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے انھیں سلام کیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ذمیوں کو سلام کرنا ناپسندیدہ نہیں ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ یہ تو حق صحبت ہے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے تحت غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے۔ قاضی میاض کے بقول یہ حضرت علقمہ اور امام غزالی کا قول ہے۔

سیمان الاعمش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے کہا کہ ایک نصرانی طبیب کے ہاں میری آمدورفت رہتی ہے کیا میں اسے سلام کر سکتا ہوں؟ آپ نے جواب دیا کہ جب تمہاری اس سے کوئی حاجت ہے تو سلام کرو۔

۱۔ قال الخافض اخبر الطبري بسند صحيح، فتح الباري ۱۱/۴۱۱۔ قرطبي، الجامع للاحكام القرآن: ۱۱/۱۱۲ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں علقمہ کے سوال اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ ۱۲/۶۰  
۱۱۔ ام محمد کی روایت ہے کہ ایک ذمی نے جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ تھا، جدا ہوتے وقت، سلام کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا تھا۔ کتاب الآثار ص ۱۲۸۔ (مطبع اسلامی لاہور ۱۹۱۱ء) علامہ ابوبکر جصاص حضرت علقمہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ظاہر یہ يدل على ان عبد الله يد أهم بالسلام لان الرد لا يكره عند احد: احكام القرآن: ۳/۵۲۵ یعنی بظاہر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو سلام کیا تھا اس لیے کہ جہاں تک سلام کے جواب کا تعلق ہے وہ کسی کے بھی نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہے۔

۱۔ نووی: شرح مسلم ج ۵، ج ۲/۱۴۵

۲۔ جصاص، احكام القرآن: ۳/۵۲۶

حضرت ابراہیم نخعی کا قول علامہ قرطبی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :

إذا كانت لك حاجة عند يهودى أو نصرانى فابدأه بالسلام  
 جب تمہیں کسی یہودی یا نصرانی سے کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے ملاقات کا آغاز سلام سے کرو۔  
 اس کے بعد لکھتے ہیں :

فبان بهذا ان حديث ابى هريرة... اذا كان غير سبب يدعوكم الى ان تبدوهم بالسلام من قضا، زمام او حاجة تعرض لكم قبلهم او حق صحبة ادجوار او سفر له  
 اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کی روایت (جس میں غیر مسلم کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے) کا تعلق بغیر کسی سبب کے سلام کرنے سے ہے، جیسے کسی حق کی ادائیگی یا کوئی حاجت جو تمہیں ان سے پیش آنے یا محبت، ہمسائیگی اور سفر کا حق (اس طرح کا کوئی سبب ہو تو سلام کیا جاسکتا ہے)

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ ضرورت پر زمی کو سلام کیا جاسکتا ہے۔ ہاں بغیر کسی ضرورت کے سلام کرنا ناپسندیدہ ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ ضرورت کے تحت مصافحہ بھی جائز ہے لیکن بے ضرورت ناپسندیدہ ہے۔ بطور مثال ایک ضرورت یہ بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان یہ محسوس کرے کہ سفر سے واپسی کے بعد وہ اپنے نصرانی پڑوسی سے مصافحہ نہ کرے تو اسے تکلیف پہنچنے گی تو اسے مصافحہ کرنا چاہیے بلکہ

اس طرح کی سماجی، معاشرتی، معاشی، طبی، علمی اور عملی ضروریات کی کوئی متعین فہرست نہیں ہے، آدمی اپنے حالات اور ماحول کے لحاظ سے ان کا تعین کرے گا۔ جہاں

۱۱۲/۱۱: ۱۱۲/۱۱

۲۶۳/۵: ۲۶۳/۵

کسی ضرورت کا تقاضا ہو غیر مسلم سے ملاقات، سلام اور مصافحہ بلا کراہت جائز سمجھنا چاہیے۔

## تالیفِ قلب کے لیے سلام کی گنجائش

ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں شاید تالیفِ قلب کے لیے غیر مسلموں کو سلام کرنے کی اجازت تھی لیکن جب اسلام کو اقتدار اور استحکام حاصل ہو گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی۔

یہ بات اس وقت صحیح ہوگی جب کہ ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اقتدارِ سلام کا حکم پہلے اور ممانعت کا بعد میں دیا گیا۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ تالیفِ قلب کا مقصد غیر مسلموں کے قلوب کو اپنی زبان اور اپنے حسن سلوک سے اسلام کی طرف مائل کرنا، بتایا گیا ہے۔ یہ کوئی وقتی اور ہنگامی مقصد نہیں ہے بلکہ مضبوط سے مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو بھی باقی رہے گا۔ الایہ کہ ریاست میں کوئی غیر مسلم ہی نہ ہو۔ صحیح بات یہ کہ اسلام نے جن اعلیٰ اخلاقیات کی تعلیم دی ہے سلام اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس پر اسی پہلو سے غور کرنا چاہیے۔

## مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترک مجمع کو سلام

اگر مجلس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں موجود ہوں تو سلام کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ثبوت صراحتاً حدیث سے ملتا ہے۔

حضرت اسام بن زید بدر سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سواری گدھے کی تھی۔ اس پر زین اور فہ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ پیچھے آپ نے حضرت اسامہؓ کو بٹھالیا۔ راستہ میں ایک

۱۔ ابن جریر، فتح الباری: ۵۶/۱، عینی، عمدۃ القاری: ۱۵۴/۱

۲۔ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۳۶۴/۵

ایسی مجلس سے گزر ہوا جس میں مسلمان، بت پرست مشرکین اور یہود تھے۔ ان میں مشہور منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی مجلس میں موجود تھے۔ جب آپ قریب پہنچے تو سواری کی گرد و غبار اڑنے لگی۔ عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک دھکی لی اور کہا کہ ہم لوگوں پر گرد و غبار نہ اڑاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور سواری سے اتر گئے۔

ان لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت کی۔ عبداللہ بن ابی نے اس کے جواب میں کہا۔ اگر آپ کی بات حق ہے تو اس سے اچھی کون سی بات ہو سکتی ہے لیکن آپ ہمیں ہماری مجالس میں اگر پریشان نہ کریں۔ آپ اپنے مقام پر جائیں ہم میں سے جو آپ کے پاس پہنچیں انہیں اپنی باتیں سنائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنی باتیں ہماری مجالس میں پیش فرمائیں، ہم انہیں پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اور مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموش اور پرسکون رہنے کی تلقین فرمائی۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس پہنچے۔ فرمایا۔ اے سعد! کیا تم نے ابو جباب (عبداللہ بن ابی) کی باتیں سنی ہیں۔ اس نے یہ اور یہ کہا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ اے اللہ کے رسول! سے معاف فرمائیے۔ قسم خدا کی! اللہ نے آپ کو بڑا اونچا مقام عطا کیا ہے۔ مدینہ کے لوگوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اسے تاج پہنائیں گے (بادشاہ بنائیں گے) اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعہ جو اس نے آپ کو عطا کیا ہے، اس منصوبہ کو ختم کر دیا۔ اس وجہ سے اس کا دم گھٹنے لگا ہے اور یہ حرکت اس نے اسی وجہ سے کی ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے درگزر کر دیا۔<sup>۱</sup>

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس سے آپ کی دعوتی جدوجہد، مخالفین تک اسے پہنچانے کی فکر، آپ کا ہر علم اور عفو و درگزر اور چھوٹوں کی خبر گیری اور عیادت وغیرہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سے اس

۱۔ بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسليم في مجلس في افعال من السليين والشركيين، كتاب الرضا، باب عيادة المريض، كتاب وما شيا مسلم، كتاب الجهاد، باب الفتي النبي من اذى الشركيين والمنافقين۔

بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ملی جلی مجلس کو سلام کیا جاسکتا ہے۔  
حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب تمہارا گزر کسی ایسی مجلس پر ہو جس میں مسلم اور  
غیر مسلم دونوں ہوں تو سلام کرو۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام نووی فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں  
یا ایک بھی مسلمان ہو تو اسے سلام کیا جاسکتا ہے لیکن سلام کرتے وقت مسلمانوں کو مخاطب  
سمجھا جائے۔

حضرت اسامہؓ کی اس حدیث میں جس مجلس کا ذکر ہے اس میں مسلمانوں میں عبداللہ  
بن رواحہؓ کی موجودگی کا تو ثبوت ملتا ہے لیکن یہ صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے صرف ان کو مخاطب سمجھ کر سلام کیا تھا۔ یہ بات ان احادیث کی بنیاد پر کہی گئی ہے جن میں  
یہود کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا ان کا موقع دخل دوسرا ہے۔

اس سلسلہ کا ایک سوال یہ ہے کہ صرف غیر مسلموں کے مجمع میں دعوت و تبلیغ کے لیے  
جانا ہو تو کیا اسے سلام کیا جاسکتا ہے؟ میرے خیال میں اس کی گنجائش نکل سکتی ہے اس  
لیے کہ جب انفرادی نوعیت کی سماجی، معاشرتی اور طبی ضروریات کے تحت غیر مسلم کو سلام  
کرنے کی فقہاء کے ہاں اجازت ملتی ہے تو دین کے عمومی مفاد اور دعوت و تبلیغ کے لیے  
بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس سے تالیفِ قلب کا بھی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے،  
جس کی طرف بعض فقہاء نے اشارہ کیا ہے۔

## غیر مسلم کے سلام کا جواب

قرآن مجید کا حکم ہے کہ سلام کا جواب بہتر طریقہ سے دیا جائے یا کم از کم اس طرح  
جواب دیا جائے جس طرح سلام کیا گیا ہے۔ (النساء: ۸۶) سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کے

۱۔ ۶، بدالرزاق، المصنف: ۱۶/۴، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱۲/۱۱

۲۔ نووی: تشرح مسلم ج ۵، ۱۳، ص ۱۳۵

سلام کا جواب دیا جائے گا یا نہیں؟ سورہ نسا کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

رد السلام علی من کان  
یہودیا و نصرا تیا او مجوسیا لہ  
ہر ایک کے سلام کا جواب دو چاہیے  
۵۵ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہو۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ سلام کرنا نفل اور مستحب ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہ اور ابن زیدؓ کے نزدیک مسلم اور کافر دونوں کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، لیکن حضرت عطاءؓ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا تو فرض ہے کافر کے سلام کا جواب دینا فرض نہیں ہے بلکہ

علامہ قرطبی فرماتے ہیں ذمیوں کے سلام کا جواب دینے یا نہ دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ جس طرح مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے کیا اسی طرح ذمیوں کے سلام کا جواب دینا بھی واجب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، شعبیؓ اور قتادہؓ سورہ نسا کی آیت سے تمسک کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذمیوں کے سلام کا جواب دینا بھی واجب ہے، لیکن امام مالکؓ، جیسا کہ اشہب اور ابن وہب نے ان سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے۔ اگر جواب دیا بھی جائے تو صرف علیکؓ کہا جائے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں مشرک کو سلام نہیں کیا جائے گا البتہ اس کے سلام کا جواب

۱۔ بخاری، الادب المفرد مع نفل اللہ الصمد: ۲/۵۳۳-۵۳۴۔ اس کے ایک تفسیر میں عبداللہ بن عمرؓ پر بعض محدثین نے جرح کی ہے۔ لیکن یہی روایت کسی قدر اختصار کے ساتھ طبری میں ہے۔ اس کے راویوں میں مجروح راوی نہیں ہے۔ طبری کے الفاظ ہیں: من سلم علیک من خلق اللہ فارود علیہ وان کان مجوسیا۔ تفسیر طبری: طبع جدید: ۸۰: ۲۸۸۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی ہے بلکہ اس کی توثیق کی ہے۔ فتح الباری: ۱۱/۲۲

۲۔ ماوردی، انکلت والعیون: ۱/۲۱۱۔

۳۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۵/۳۰۵۔ نیز ملاحظہ ہو ۱۴/۲۹۳

دیا جائے گا۔ امام محمد کے بقول یہی ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ یہ امام نووی فرماتے ہیں شوافع کا مسلک یہ ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنا حرام ہے لیکن جواب دینا واجب ہے۔ البتہ جواب میں وعلیکم یا علیکم کہا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں یہی اکثر علماء اور عام سلف کی رائے ہے۔

## غیر مسلم کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے

سلف میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سورہ نسا میں سلام کا جواب بہتر طریقے سے دینے یا سلام کے الفاظ دہرا دینے کا حکم ہے۔ ان میں سے پہلی صورت مسلمانوں سے اور دوسری صورت غیر مسلموں سے متعلق ہے۔  
ابن زیند کہتے ہیں :-

حق علی کل مسلم حتی بتحیة	جس کسی مسلمان کو بھی سلام کیا جائے
ان یحییٰ باحسن واذ احسبا	اس پر واجب ہے کہ بہتر طریقے سے جواب
غیر اهل اسلام ان یرد علیہ	دے اور جب اسے اہل اسلام کے علاوہ
مثل ما قال سلمہ	کوئی دوسرا سلام کرے تو اسی جیسا جواب دے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بہتر طریقے سے جواب مسلمان کے لیے ہے اور سلام کرنے والے کے الفاظ ہی کو نوٹا دینا اہل کتاب کے لیے ہے۔ یہ آیت میں بظاہر مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے پیچھے خیال ہو کہ ایک مسلمان کا اخلاقی حق غیر مسلم کے حق سے زیادہ ہے اس لیے غیر مسلم کے سلام کا پن

۱۔ جصاص، احکام القرآن: ۲/۵۲۵

۲۔ نووی: شرح مسلم ج ۵، جز ۲، ص ۱۳۵

۳۔ طبری، جامع البیان: ۸/۵۸۸

۴۔ طبری، جامع البیان: ۸/۵۸۴

انفاظ میں جواب دیا جاتا ہے ان سے بہتر الفاظ میں مسلمان کے سلام کا جواب دیا جانا چاہئے۔  
یہ تفصیلات بتاتی ہیں کہ اس امر میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غیر مسلم کے سلام  
کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات نے اسے ضروری بھی قرار دیا ہے البتہ یہ بحث  
ضرور ہے کہ جواب کن حدود میں ہو اور اس کے لیے کیا الفاظ استعمال کیے جائیں؟

## سلام کرنے میں یہود کی شرارت اور اس کا جواب

ہمارے خیال میں اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک غیر مسلم کا مجموعی رویہ کیا  
ہے اور کن الفاظ میں وہ سلام کرتا ہے۔ یہود مدینہ کی عداوت اور دشمنی بالکل نمایاں تھی جب  
بھی موقع ملتا ان کے نبض و مناد کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ سلام بھی کرتے تو نازیبا اور غیر شائستہ  
الفاظ استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید کا بیان ہے۔

وَإِذَا جَاءُوكَ وَكَلَّمُوكَ  
بِمَا لَمْ يُحِبِّكَ بِهِ اللَّهُ ۖ  
يَقُولُونَ وَوَيْلٌ لَّنَا لَوْ كَلَّمَ  
اللَّهُ تَعَالَىٰ نَآءُومًا  
يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا لَقُولُ  
حَسْبُ لَنَا اللَّهُ ۖ يَضْلُوا نَا  
فِي سِيَئِ الْمَقْصُورِ

جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو  
آپ کو سلام اس طرح کرتے ہیں جس طرح  
اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام نہیں بھیجا ہے  
اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ ہماری اس حرکت  
پر اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نہیں دیتا جنہم ان  
کے لیے کافی ہے اس میں وہ داخل  
ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

(البقرہ: ۸)

یہود کے اس رویہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام  
کرنے سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ ان کے شرارت آمیز سلام کے جواب میں  
صرف یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی کچھ کرے جو تم ہمارے ساتھ چاہتے  
ہو۔ احادیث میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ یہاں بعض احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔  
حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ  
نے دریافت کیا۔

ان اهل الكتاب لیسلمون  
علینا فکیف نرد علیہم قال  
قولوا د علیکم بلہ  
’وعلیکم‘ کہو۔  
حضرت انسؓ ہی کی ایک اور روایت ہے۔

اذا سلم علیکم اهل کتاب  
فقولوا د علیکم بلہ  
’وعلیکم‘ کہو۔  
جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم

بعض دوسری روایات سے اس جواب کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا سلم علیکم الیہود فانما یقول  
’احدہم السام منیکم فقل وعلیکم بلہ‘  
یہود تمہیں جب سلام کرتے ہیں تو اسام  
علیکم‘ کہتے ہیں تم جواب میں ’وعلیکم بلہ‘ کہو۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے قریب سے گزرتے ہوئے ایک یہودی نے ’السام علیکم‘ کہا۔ خدمت میں جو صحابہؓ موجود تھے انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس نے سلام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں! اس نے ’السام علیکم‘ کہا (تمہیں موت آئے یا تم اپنے دین سے اکتا جاؤ) اسے واپس بلاؤ تاکہ دریا کیا جائے۔ اسے واپس بلا یا گیا۔ دریافت کرنے پر اس نے اعتراف کیا کہ اس نے ’السام علیکم‘ ہی کہا تھا۔ آپ نے فرمایا جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم ’علیکم ما قلتم‘ کہو۔ (یعنی تم پر وہ چیز ظاہری ہو جس کی تم نے ہمارے لیے دعا کی ہے)۔

۱۔ مسلم کتاب السلام، باب النبی عن ابتداء اہل کتاب باسلام وکیف یرد علیہم۔ ابوداؤد، ابواب السلام، باب فی السلام علی اہل الذمہ۔

۲۔ بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمہ مسلم کتاب السلام، باب النبی عن ابتداء اہل کتاب الخ

۳۔ بخاری و مسلم حوالہ سابق

۴۔ رواہ البزار وابن جبان نفع البخاری: ۱۱/۲۳ ورواہ البخاری فی الادب المفرد مختصراً: ۲/۵۳۲-۵۳۳

ان روایات سے واضح ہے کہ یہود سلام کرنے میں بھی شرارتِ نفس اور خبیث باطن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کا شریفانہ اور باوقار انداز میں جواب دینے کی ہدایت کی گئی کہ تمہارے یہ الفاظ تمہارے ہی لیے مبارک ہوں۔ تم ہماری تباہی اور بربادی کے آرزو مند ہو۔ خدا تمہیں اسی سے دوچار کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر جواب میں بدزبانی اور بدکلامی سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود کے کچھ افراد آئے اور اسام علیک، کہا میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں میں نے جواب دیا 'علیکم السام واللذنة' (موت تمہیں آئے اور خدا کی لعنت تم پر ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ صبر سے کام لو، درشت کلامی سے احتراز کرو، اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں رفق و ملاحظت اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ انہوں نے جو کہا کیا وہ آپ نے نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے اور اس کے جواب میں 'علیکم' کہہ دیا ہے۔ (یعنی موت اور آگناہٹ تم پر آئے) یہ جواب کافی ہے۔

## جواب میں نازیبا الفاظ کے استعمال کی ممانعت

اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی سازشوں اور ان کے طنز و تعریض سے اچھی طرح واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ سلام کرتے وقت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن زبان مبارک جواب میں نامناسب کلمات سے پاک رہی۔ اسی کی تعلیم آپ نے صحابہ کرام کو دی اور فرمایا 'ہم ان کے حق میں جو دعا کریں گے وہ تو قبول ہوگی لیکن وہ جو بد دعا کر رہے ہیں وہ قبول نہیں ہوگی'۔ اس لیے کہ ہم مظلوم

۱۔ بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمۃ۔ مسلم، کتاب السلام، باب الہی من ابتداء اہل الکتاب بالسلام الخ

۲۔ بخاری، کتاب الدعوات، باب قول الہی لیسجاب لنانی الیہود الخ۔ مسلم، کتاب السلام، باب الہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام الخ

اور وہ ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت مظلوم کو حاصل ہوتی ہے اور ظالم اس سے محروم رہتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے یہود جس طرح 'السلام علیکم' کو زبان کی لوج سے 'السلام علیکم' کر دیتے ہیں اسی طرح ان کے جواب میں زبان کو گھما کر 'علیکم السلام' کہنا چاہئے۔ اس کے معنی ہیں تم پر پتھر پڑیں یا 'علاکم السلام' کہا جائے یعنی تم سے سلامتی اٹھ جائے لیکن جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے یہ طریق صحیح نہیں ہے۔ ذیوں کو برا بھلا کہنا اور ان کے ساتھ بدزبانی کرنا جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب انھیں برا بھلا کہنا چاہا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔

اوپر کی روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے بغض و عناد، ان کی شرارت اور ان کی بدزبانی اور بدکلامی کی وجہ سے انھیں سلام نہ کرنے یا ان کے سلام کا خاص طریقہ سے جواب دینے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جہاں غیر مسلموں سے بہتر روابط ہوں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور مخالفت کا رویہ نہ رکھتے ہوں وہاں اگر کوئی غیر مسلم، اسلامی تعلیمات یا اسلامی معاشرہ کے زیر اثر کسی مسلمان کو 'السلام علیکم' کے ذریعہ خطاب کرے تو جواب میں اس کا رویہ بھی بظاہر مختلف ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ حالات کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے بعض علماء نے ممانعت کے حکم کو ایسا حکم نہیں مانا ہے جو بادی ہو اور جس پر عمل ہر حال میں لازم ہو۔ ان کے نزدیک غیر مسلم کے سلام کے جواب میں اسی طرح وعلیکم السلام کہا جاسکتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کے جواب میں کہا جاتا ہے۔

شواہد میں سے بعض کی یہ رائے ہے کہ وعلیکم السلام تو کہا جاسکتا ہے لیکن اس سے آگے درحمتہ اللہ کا اضافہ غلط ہوگا۔

۱۱: ۲۵/۱

۲ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وذهب جماعة من السلف الى انه يجوز ان يقال في الرد

عليهم وعلیکم السلام كما يرد على المسلم۔ فتح الباری: ۱۱/۲۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ معنی: عمدۃ القاری: ۸/۲۶۱

۳ نووی: شرح مسلم جلد ۵، جز ۱ ص ۱۴۵

لیکن امام شہابی اسے غلط نہیں سمجھتے ایک نصرانی نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب میں 'وعلیک اسلام ورحمة اللہ' کہا اس پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جی نہیں رہا ہے؟

## سلام کے معاملہ میں ذمی اور حربی کا فرق

بعض حضرات نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کا فرق کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے شہری ہیں، جن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور جو اس کے امن و امان میں ہیں ان کے ساتھ سلام و کلام کا وہ انداز نہیں ہوگا جو ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے جو اسلامی مملکت سے برسر پیکار ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک ذمی کو خط میں سلام لکھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپ غیر مسلم کو سلام لکھ رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا اس نے اپنے خط میں مجھے سلام لکھا تھا میں نے اس کا جواب دیا ہے۔

مشہور محدث ابن عیینہؒ سے سوال کیا گیا۔

هل يجوز اسلام على انكافرا؟ کیا کافر کو سلام کرنا جائز ہے؟

انھوں نے جواب دیا 'نعم' ہاں دیا جاسکتا ہے اور پھر سورہ 'ممتحنہ' کی یہ آیت پڑھی لاینہا کم اللہ الا یہ جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن

۱۔ زبخیری، انکشاف عن حقائق اشتریل: ۵۵/۱

۲۔ حانظا بن جرزواتے ہیں۔ وعن بعضهم التفرقة بين اهل الذممة واهل الحرب۔

فتح الباری ۱۱/۲۵۰۔ نیز ملاحظہ ہو۔ عینی، عمدة القاری: ۱۸۰/۳۹

۳۔ بخاری، الادب المفرد: ۵۲۹/۲

سے نہیں نکالا۔ وہ تو ان لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے جنگ کی، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور اس معاملہ میں دوسروں کی مدد کی“  
(متحمتہ : ۸-۹) ۱۳۲

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حربی اور غیر حربی یا معاہدہ اور غیر معاہدہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن چونکہ غیر حربی کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کرتا اس لیے اسے سلام بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی حسن سلوک میں داخل ہے۔

### غیر مسلم کو سلام کے لیے مناسب الفاظ

ایک خیال یہ بھی ہے کہ سلام اور اس کے جواب کے الفاظ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں غیر مسلموں کے لیے دوسرے الفاظ استعمال کیے جانے چاہئیں۔ اس کی تائید میں وہ خط پیش کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ روم ہرقل کو لکھا تھا۔ وہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم
مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ	بے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے
هٰرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّومِ، السَّلَامُ	جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول
عَلٰی مِنْ اَتٰیجِ الْهَدٰی۔ اَمَّا	ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا سربراہ ہے۔
بَعْدُ... ۱۳۲	سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کی صورت میں ہے۔

محدث ابن بطلال کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جن کے نزدیک

۱۳۲ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن : ۱۱/ ۱۱۱

۱۳۲ بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف یتب الی اهل الکتاب۔ گرامی نامہ کے پورے مضمون اور اس سلسلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب بد الوعی نیز کتاب الجہاد، باب دعا الی الناس الی الاسلام ولبیقا

اہل کتاب سے مراسلت میں وقت ضرورت انھیں سلام لکھنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ والسلام علی من اتبع الهدی کا سیاق و سباق دوسرا ہے۔ اس میں ایک اصولی بات کہی گئی ہے کہ جو حق اور ہدایت پر عمل کرے اس کے لیے سلامتی ہے۔ اس میں وہ شخص شامل نہ ہوگا جو حق کی اتباع نہ کرے۔ غیر مسلموں کو جو خطوط لکھے جائیں ان میں اس طرح کا عمومی انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔

قتادہ کہتے ہیں اہل کتاب کے گھر جاؤ تو کہو 'السلام علی من اتبع الهدی' (سلامتی ہے ہر اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے) یہی بات امام ابو یوسف نے کہی ہے۔ 'السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین' (سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر) جیسے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو سلام کیا۔ اس نے جواب دیا۔ بعد میں آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص نصرانی ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور فرمایا کہ میرا سلام واپس کر دو۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا بھی ایک فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلم کے علم میں یہ بات آجانے کی کہ سلام کے مخصوص الفاظ غیر مسلموں کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خصوصاً جس شخص کے عمل کو لوگ نمونہ اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوں اسے ایسا نہ کرنا چاہیے تاکہ دوسرے اس سے احتراز کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے عمل کی اس سے توجیہ

۱۔ فتح الباری: ۴۴/۱۱، نیز ۳۸/۱

۲۔ عبدالرزاق۔ المصنف: ۱۲/۶

۳۔ زحرفی، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۵۵۰/۱

۴۔ فتح الباری: ۴۰/۱۱

۵۔ بخاری، الادب المفرد: ۵۳۹/۲

۶۔ مواظ، کتاب السلام، باب ماجاء فی السلام علی الیہود و النصارى۔

۷۔ فتح الباری: ۴۶/۱۱

کی جاسکتی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کو ایک شخص نے جو صورت تشکل سے مسلمان لگ رہا تھا، سلام کیا۔ انھوں نے جواب میں 'وعلیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص نصرانی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ اس کے پاس گئے اور کہا کہ اللہ کی رحمت مسلمان کے لیے ہے (لہذا یہ الفاظ اسی کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں) پھر اسے دعادی، اِطال اللہ حیاتک واکثر مالک وولدک' (اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ فرمائے)۔ علامہ زرخشری کہتے ہیں۔

کلا یاس بالدعاء لہ بما یصلحہ فی دنیاک لہ  
اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے دنیا کی صلاح اور بہتری کی دعادی جائے۔

## خلاصہ بحث

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ سلام اسلامی تہذیب کا شعار ہے۔ زیادہ تر علماء سلف اس کے قائل ہیں کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا اور اس کے سلام کا جواب بھی دعلیک یا وعلیکم کی حد تک دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن سلف ہی میں جن اصحاب نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک سلام کو عام کرنے کا حکم ہے اس لیے غیر مسلم کو بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق صحیح نہیں ہے بعض حضرات نے اس مسئلے میں سماجی و معاشرتی تعلقات کو بھی اہمیت دی ہے۔ بعض نے ذمی اور حربی کا فرق کیا ہے اس لیے کہ خود قرآن میں یہ فرق موجود ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں کے لیے 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کے منون الفاظ کی جگہ ان کی ہدایت اور فلاح و

۱۔ بخاری، الادب المفرد: ۲/۵۳۸

۲۔ انکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۵۰

کامیابی کی دعا کی جائے۔ ان سب ریلوں کی روشنی میں ہمیں ایک ایسے معاشرہ کے بارے میں سوچنا چاہیے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ملا جلا اور مخلوط معاشرہ ہے، جہاں دونوں کے درمیان ثقافتی، سماجی، معاشی غرض مختلف نوعیت کے تعلقات موجود ہیں اور دونوں قاعدوں اور دستور کی روابط میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس طرح کے معاشرہ میں غیر مسلموں کو منون طریقہ سے سلام کیا جائے تو یہ منی العین سلف عمل نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ اہمہ آہستہ اسلامی آداب سے مانوس ہوتے چلے جائیں اور ان کی معنویت ان پر زیادہ بہتر طریقہ سے واضح ہو جائے۔ اس میں قباحت محسوس ہوتی ہے اس کے لیے عزت و احترام اور محبت و خیر خواہی کے دوسرے الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا ہوگا کہ تعلقات کے اظہار میں ایسے طریقے نہ اختیار کیے جائیں جو کسی دوسرے مذہب یا تہذیب کے مخصوص شعائر کی حیثیت رکھتے ہوں اور ایسے الفاظ نہ استعمال کیے جائیں جو اسلامی عقائد سے متصادم ہوں۔

## ۲۔ مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ

مسجد کی تعمیر خدای عباد کے لیے ہوتی ہے۔ اس پہلو سے اس کی حیثیت مقدس مقام کی ہے۔ اس کی پاکی صفائی کا اہتمام ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس مقدس اور پاک جگہ میں کوئی غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

### مسجد حرام میں مشرکین کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے

قرآن مجید میں مسجد حرام کے سلسلہ میں یہ ہدایت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ	اسے ایمان والوں بے شک مشرک جس
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	(ناپاک) میں لہذا اس سال کے بعد وہ مسجد
بَعْدَ عَمَائِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ	حرام کے قریب نہ آنے پائیں اگر تم تنگ
مَعِيَلَةً فَسَوْفَ يُعْزِبِكُمُ اللَّهُ مِنْ	دستی سے ڈرتے ہو تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہیں
فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ	اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ
حَكِيمٌ ۝ (التوبہ: ۲۸)	علم اور حکمت والا ہے۔

یہ اعلان سلسلہ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مشرکین کو مسجد حرام میں حج، عمرہ اور زیارت کے لیے آنے سے منع کر دیا گیا۔

اس آیت کی روشنی میں علماء نے غیر مسلم کے حرم، حدود حرم اور عام مساجد میں داخلہ سے بچت کی ہے اور اس کے احکام بیان کیے ہیں۔

## کیا حدودِ حرم کا بھی یہی حکم ہے؟

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ آیت میں منترکین کے مسجدِ حرام میں داخلہ کی ممانعت ہے۔ حدودِ حرم میں وہ داخل ہو سکتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حدودِ حرم میں بھی انہیں داخلہ کی اجازت نہیں ہے بلکہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں ذمی (غیر مسلم) کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔ مسجدِ حرام ہی کے حکم میں حدودِ حرم بھی آتے ہیں۔

اس کی دلیل 'وَأَنْ حِفْتُمْ عَيْلَةً' (اگر تم تنگ دستی سے ڈرتے ہو) کے الفاظ ہیں۔ انہیں اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ مسجدِ حرام سے چیزیں بیونچ نہیں پائیں گی بلکہ یہ خطرہ تھا کہ حدودِ حرم سے نہیں بیونچ سکیں گی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حدودِ حرم کو بھی مسجدِ حرام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى	پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے
بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى...	مسجدِ اقصیٰ تک۔

(الاسراء: ۱)

اس آیت میں معراج کا ذکر ہے۔ معراج کا سفر حضرت ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا تھا جو حدودِ حرم میں تھا لیکن کہا گیا کہ یہ مسجدِ حرام سے شروع ہوا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حدودِ حرم بھی مسجدِ حرام ہی کے حکم میں آتے ہیں۔ فرماتے ہیں اس بنا پر غیر مسلم حدودِ حرم میں داخل ہونا چاہے تو اسلامی ریاست کے

منع کرے گی۔ تاجروں اور سفیروں کو بھی اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر کسی غیر مسلم کے ساتھ سامان تجارت اور غلہ ہے تو وہ حرم سے باہر قیام کرے گا، جو لوگ خریدنا چاہیں گے وہاں پہنچ کر خریدیں گے۔ اسی طرح غیر مسلم سفیر اپنا پیغام مسلمان کے ذریعہ پہنچانے گا اور ضرورت ہو تو حاکم اس سے حرم سے باہر ملاقات کرے گا۔ وہ جانتے بوجھتے حد و حرم میں داخل ہو تو اس کی تعزیر ہوگی اور نادر واقفیت سے داخل ہو تو تہیہ ہوگی۔

امام شافعی بھی حرم اور حد و حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔

### عام مساجد میں غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے

کیا دوسری مساجد کا بھی یہی حکم ہے یا اس سے مختلف ان کا حکم ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ دوسری مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد میں تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ان کے پاس پہنچے۔ ان کے ہاتھ میں رجز تھا جس میں اپنے علاقہ کے امور و اعمال کی تفصیل تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے یہ رجز لکھا ہے اسے بلاؤ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ وہ نصرانی ہے۔ مسجد میں نہیں آسکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات مشہور تھی اور اس پر اتفاق تھا کہ غیر مسلم مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ کہ جنابت، حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں ٹہرنا جائز نہیں ہے۔ شرک کی گندگی تو اس سے بڑی ہے۔ لہذا مسجد میں مشرک کے قیام کو بد جبر اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے۔ امام الکریمیؒ بھی حرم اور حد و حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ انہوں نے مسجد حرام ہی پر دوسری مساجد کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک غیر مسلم کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، آیہ کہ کوئی مجبوری اسے لاحق ہو۔ جیسے مسجد میں عدالت قائم ہو اور وہاں اسے

۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۳/۲۴۵-۲۴۶

۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۳/۲۴۶

اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں جانا پڑے۔

شواہح میں امام مزنی بھی مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جائز نہیں سمجھتے۔

فقہ ضہلی میں کہا گیا ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری مساجد میں ذمی (غیر مسلم) مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہو سکتے ہیں۔ بغیر اجازت داخلہ کا ان کو حق نہیں ہے۔ حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے۔ کہ مسجد میں ایک مجوسی کو دیکھا، منبر سے اترے اور اسے مار کر باہر نکال دیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور حدود حرم میں تو غیر مسلم کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے البتہ دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے۔ وہ وقت ضرورت ان میں جاسکتا ہے۔ بلا ضرورت اس کا مسجد میں جانا صحیح نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک حدود حرم میں غیر مسلم صرف ایام حج میں نہیں جاسکتا

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی اس ممانعت کا تعلق حج سے ہے۔ حج کے دنوں میں غیر مسلم کا خانہ کعبہ اور مقامات حج میں داخلہ ممنوع ہے۔ دوسرے ایام میں یہ ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ خانہ کعبہ میں اور مقامات حج پر جاسکتا ہے۔ ہاں وہ اسے حجاز کی طرح وطن نہیں بنا سکتا۔ ضرورت کے تحت آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ دیگر مساجد کے سلسلہ میں اس طرح کی پابندی بھی نہیں ہے۔ ہر زمانہ میں اسے ان میں داخلہ کی اجازت ہے۔

۱۰۹/۳، احکام القرآن

۲۴۶/۱۳، المغنی

۳۰ مختلف فقہی مالک کی تفصیل کے لیے حسب ذیل تفسیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ خازن ، باب التاویل فی معانی التنزیل مع بغوی معالم التنزیل : ۶۲/۳ - زمخشری ، اکتشاف عن حقائق التنزیل : ۱۸۳/۲ - شوکانی ، فتح القدر : ۲۴۶/۲ - ۲۴۷

پھر اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟ علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ اس کی دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے، اس لیے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان سے جنگ کا حکم تھا۔ وہ ذمی نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ یہ حکم دوسرے مشرکین کا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کا تعلق حج سے ہے۔ آیت کے الفاظ فَلَا يَفْرَكُوْا اِنَّ مَسْجِدَ الْاَحْزَامِ (مسجد حرام کے قریب وہ نہ جائیں) اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں خانہ کعبہ کے ساتھ حج سے متعلق مقامات بھی شامل ہیں، اس لیے کہ وہ خانہ کعبہ سے قریب ہیں۔ جیسے عرفات اور مزدلفہ۔ ان مقامات پر ایام حج میں کسی مشرک کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب آیت میں حرم اور مقامات حج دونوں شامل ہیں لہذا دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں عرفات اور مزدلفہ میں ذمی کا داخلہ ممنوع نہیں ہے تو یہی حکم خانہ کعبہ کا بھی ہوگا۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَتَكُمْ (اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو) کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ آیت کا تعلق موسم حج سے ہے۔ اسی میں تجارتی میلے لگتے تھے اور کاروباری منافع حاصل ہوتے تھے۔ مشرکین کو منع کرنے سے یہ تجارتی فائدہ ختم ہو سکتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اس سے گھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے طریقے سے تمہاری مدد کرے گا۔

## مشرک کے نجس ہونے کا مفہوم

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں مشرک کو 'نجس' (ناپاک) کہا گیا ہے اگر وہ نجس ہے تو مسجد میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جسمانی اور مادی نجاست کا نہیں عقیدہ کی نجاست کا ذکر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں :-

اطلاق اسم التحيس على الشرك  
من جهة ان الشرك الذي  
يعتقده يجب اجتنابه كما يجب  
اجتناب النجاسات فلا تقذار  
فلذلك سماهم نجساً له

شُرک پر اسم نجس کا اطلاق اس پہلو  
سے ہے کہ شرک سے جس پر کہ اس کا اعتقاد  
ہے اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس  
طرح نجاسات اور گندگیوں سے پرہیز  
لازی ہے اسی لیے انہیں نجس کہا گیا ہے

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کے  
زردیک مشرک نجس الذات ہوتا ہے۔ بعض اہل ظاہر اور شیعوں میں فرقہ زیدیہ کی یہی رائے  
ہے حضرت حسن بصری سے اسی طرح کی روایت کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس  
کی بھی یہی رائے بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وذهب الجمهور ومن السلف  
والخلف ومنهم اهل المذاهب  
الاربعه الى ان الكافر ليس بنجس  
الذات لان الله سبحانه اهل  
طعامهم وثبت عن النبي صلى الله  
عليه وسلم في ذلك من فعله  
وقوله ما ليفد عدم نجاسة  
ذواتهم فاكل في انيتهم وشرب  
منها وتوضأ فيها وانزلهم في مسجدك

جمہور سلف و خلف، جس میں ائمہ اربعہ  
بھی داخل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ کافر  
اپنی ذات میں نجس نہیں ہوتا اس لیے کہ  
اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے حلال کیے  
میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل  
سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات  
میں نجس نہیں ہیں۔ آپ نے ان کے پینے اور  
میں کھایا ہے ان میں پیا ہے ان سے  
وضو فرمایا ہے اور انہیں اپنی مسجد میں ٹھہرایا ہے۔

لہ جصاص، احکام القرآن: ۱۰۸/۳

لہ شوکانی، فتح القدير: ۲/۳۳۶

امام نووی نے غیر مسلم کی طہارت و عدم طہارت کے مسئلہ پر شواہع اور جمہور فقہاء کا مسلک کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کے الفاظ پیش کیے جا رہے ہیں۔

..... اما انکافر حکمک فی الطہارۃ ..... کافر کا حکم بھی طہارت اور نجاست

والنجاستہ حکم المسلم ہذا ..... میں مسلمان ہی کا حکم ہے یہی ہمارا (شواہع)

مذہبنا و مذہب انجماہیر من ..... اور جمہور سلف و خلف کا مسلک ہے۔ رہا

السلف و اختلف و اما قول اللہ عزو ..... اللہ تعالیٰ کا ارشاد انما المشرکون نجس

جل انما المشرکون نجس فالمراد ..... تو اس سے اعتقاد کی نجاست اور کفرنگی

نجاستہ الاعتقاد والاستغذار و لیس ..... مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان

المراد ان اعضاہم نجسۃ کنجاستہ ..... کے اعضا جسم منیاب یا خاتمہ صبی جزیروں

البول والغائط ونحوہما فاذا ثبت ..... کی طرح نجس ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی

طہارۃ الادی مسلمکان او حکمکذرا ..... کہ آدمی ظاہر ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ

فوقہ و لعابہ و دمعه طہرات ..... لعاب اور آنسو بھی پاک ہی چلے وہ بے وضو ہو جائتا

سواء کان محدثا او حیثا او حالفا ..... کی حالت میں عورت حیض اور نفاس کی حالت میں ہوتی

او نفسا و ہذا کلمہ باجماع ..... پاک ہے۔ ان سب باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

المسلمین یہ

## غیر مسلم کے مسجد میں داخلہ کا ثبوت

سب سے بڑی بات یہ کہ مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا ثبوت احادیث سے

منا ہے۔

سہ نووی، شرح مسلم ج ۲ جز ۲ ص ۶۶

جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے کہ عمر بن وہب جو اس وقت مشرک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے سامنے اترے۔ آپ سے ملاقات ہوئی تو دریافت فرمایا کہ کس لیے آئے ہو۔ کہا! امیر ارطہ کا جنگ بدر میں آپ کے ہاں قید ہے۔ اس کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا، صحیح کہو، تم تو میرے قتل کے ارادہ سے آئے ہو۔ صفوان بن امیہ سے حرم میں تمہاری بات چیت ہو چکی ہے۔ اس نے تمہارا قرض ادا کرنے اور تمہارے بال بچوں کے کفالت کی ذمہ داری لی ہے۔ یہ سن کر وہ ششدر رہ گئے اور بے اختیار کہا کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں۔ ہم آپ کے اس دعویٰ کی وجہ سے آپ کی مخالفت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ میرے اور صفوان کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا علم ہم دونوں کے سوا کسی کو نہیں تھا جس خدا نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی یقیناً وہی آپ کے پاس اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ انھیں دین کی تعلیم دی جائے اور ان کے قیدی کو رہا کر دیا جائے۔

اس واقعہ کا حوالہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

وقدم عمیر بن وہب فدخل	عمر بن وہب مکہ سے مدینہ پہنچے
المسجد والنبی فیہ لیفتک	اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں
بلہ فزقہ اللہ الاسلام	تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے تاکہ آپ
	کو قتل کر دیں لیکن اللہ نے انھیں اسلام

کی دولت سے نوازا۔

سلفہ واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی ۲/۳۰۸-۳۰۹ اس میں بھی ہے کہ حضرت عمر بن وہب نے مکہ جانے کی اجازت چاہی تاکہ وہاں دعوت کا کام کر سکیں۔ انھیں اس کی اجازت دی گئی۔ وہ کہ گئے اور مخالفوں کا سخت مقابلہ کیا۔ ان کے ذریعہ بہت سے لوگ اسلام لائے۔

سلفہ ابن قدامہ، المغنی ۱۳/۲۲۶

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوسفیانؓ تجدید معاہدہ کے ارادہ سے مدینہ پہنچے۔ لیکن قریش کی بد عہدی کی وجہ سے تجدید سے انکار کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ کے مشورہ سے وہ مسجد نبوی میں پہنچے اور اعلان کیا کہ وہ لوگوں کو جنگ سے دور رکھیں گے اور پھر روانہ ہو گئے۔

علامہ ابن قدامہ حضرت سعید بن مسیبؓ کے حوالہ سے کہتے ہیں۔

قد کان ابوسفیان یدخل مسجد المدینة وهو علی مشرکة  
حضرت ابوسفیانؓ اپنی شرک کی حالت میں مسجد نبوی میں جایا کرتے تھے۔

حضرت ثمامہ بن اثال جنگ میں گرفتار ہوئے تو انھیں مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ کر رکھا گیا (تا کہ فرار نہ ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حکم دیا کہ رسی کھل دی جائے اور انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ دو تین روز بعد وہ اسلام لے آئے۔

اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ غیر مسلم فرد ہی کو نہیں پورے غیر مسلم وفد کو مسجد میں بٹھرایا گیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت ہے حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مسجد میں بٹھرایا تا کہ (مسلمانوں کے طریقہ عبادت، ان کی اجتماعیت اور سیرت و اخلاق کو دیکھ کر) اس کے دل نرم پڑیں۔ چنانچہ وفد کے لوگ اسلام لے آئے۔ آپ نے ان کے ساتھ شروع میں بعض احکام شریعت کی رعایت بھی کی لیکن نماز کی پابندی کا حکم دیا۔

لے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی، ۴/۱۳۳-۱۴۰۔ قریش کی بد عہدی کا ذکر آگے آ رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ ہوئی اور مکہ فتح ہوا۔

۳۴۶/۱۳: المنذی

۳۴۶ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ بن اثال۔ ابو داؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی خیر الطائف۔

الوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتیف کے وفد کے لیے مسجد میں غیمہ لگوا یا تاکہ وہ مسلمانوں کو ناز پڑھتے دیکھیں۔ آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ انھیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں جب کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک نجس ہوتا ہے، آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی۔ نجس تو ہیں آدم ہوتا ہے بلکہ

حضرت عثمان بن ابوالعاص کی روایت کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

وفی هذا الحدیث من  
العلم ان الکافر یجوز له دخول  
المسجد لحاجة له فیه أو  
للمسلم الیه ۷۷  
اس حدیث میں دلیل ہے اس  
بات کی کہ کافر اگر مسجد میں کوئی حاجت  
ہو یا مسلمان کی اس سے کوئی حاجت  
ہو تو وہ وہاں جاسکتا ہے۔

## مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری

ایک مسئلہ ہمارے فقہار کے ہاں یہ زیر بحث رہا ہے کہ فصلِ مقدمات کے لیے عدالت مسجد میں قائم ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو اس میں غیر مسلم کی شرکت کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عدالت میں مسلم اور غیر مسلم، پاک اور ناپاک سب ہی طرح کے لوگ پہنچتے ہیں اس لیے مسجد میں عدالت نہیں ہونی چاہیے مسجد اصلًا عبادت کے لیے ہے۔ یہ اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔

احناف کے نزدیک عدالت کے لیے قاضی کو مسجد میں بہتر ہے جامع مسجد میں یا کسی ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے جہاں آسانی سے لوگ مقدمات لے کر پہنچ سکیں اور انھیں اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یہی امام احمد کی رائے ہے۔ امام مالک کے متعلق صحیح

لے زمینی، نصب الزاویہ: ۲۷/۲

۷۷ خطابی، معالم السنن: ۳۵/۳

یہی ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قضا یعنی شریعت کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا خود عبادت ہے، اس لیے مسجد میں عدالت قائم ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور فیصلے کرتے تھے۔ رہا مساجد میں قائم ان عدالتوں میں مشرک کا پہنچنا یہ ناجائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ

نجاسة المشرك في اعتقاده  
مشرک کی نجاست اس کے عقیدہ  
لا في ظاهره له  
میں ہے نہ کہ اس کے ظاہر میں۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے خیالات اوپر کسی قدر تفصیل سے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ زیادہ تر فقہاء حرم میں اور ان میں سے بعض حدود حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ اس کا کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے ان کے خیالات میں شدت بھی ہے۔ احناف بعض شرائط کے ساتھ اس میں قباحت نہیں سمجھتے۔ دوسری مساجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جمہور امت نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ کفر و شرک کو تو ناپاک کہتے ہیں لیکن کافر و مشرک کو نہ تو سر اسر ناپاک یا نجس مجسم ٹھہرتے ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مسجد میں داخل ہونے سے وہ ناپاک ہو جائے گی۔ اس سے یہ خیال کتنا بے بنیاد اور مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ تعصب، نفرت، حقارت اور عدم بردار کا کی تعلیم دیتا ہے۔ جب اس نے مسجد کے سلسلے میں، جو مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے یہ وسعت اور گنجائش رکھی ہے تو مسجد سے باہر اس کے رویہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔

۱/۵ - ۲۶۵ - ۲۶۶

## ۳۔ غیر مسلم سے تحالف کا تبادلہ

تحفے تحالف کا تبادلہ سماجی اور معاشرتی زندگی کا ایک خوش گوار تقاضا ہے۔ اس سے تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ بعض اوقات اس سے سیاسی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا شبابانِ عجم سے تحالف کا تبادلہ

احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تحفے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم سلاطین اور سربراہانِ مملکت نے تحفے پیش کیے اور آپ نے قبول فرمائے۔ بعض اوقات آپ نے خود بھی انھیں تحفے عنایت کیے۔

یہاں اس سلسلہ کے بعض واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔  
حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

ان کسری اهدئ لہ فقبل	کسری (شاہ ایران) نے آپ کو ہدیہ
وان الملوک اهدوا الیہ	پیش کیا آپ نے قبول کیا (اسی طرح)
فقبل منہم۔	بادشاہوں نے آپ کو ہدیہ دینے آپ نے قبول کیا۔

۱۔ مسلمانوں کو آپس میں تحفے دینے اور قبول کرنے کی احادیث میں بڑی ترغیب ہے اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ 'تحالف کی سیاسی و سماجی اہمیت'، مطبوعہ سماجی تحقیقات اسلامی۔ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۶ء۔

۲۔ ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین۔

حضرت علیؑ کی ایک اور روایت میں کسریٰ کے ساتھ قیصر کا بھی ذکر ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا۔ آپ نے قبول کیا قیصر نے ہدیہ دیا آپ نے قبول کیا اور (دوسرے) بادشاہوں نے آپ کو ہدیہ دئے آپ نے قبول فرمائے۔	اهدیٰ کسریٰ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ و اهدیٰ لہ قیصر فقبل منہ و اهدت لہ العلوک فقبل منہم لہ
---	--

غزوہ تبوک ۶ میں ہوا تھا۔ حضرت ابو تمیمہ ساعدیؓ اس کے واقعات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر پہنائی اس نے آپ سے مصالحت کی اور

۱۰۷/۲ حدیث نمبر ۷۷ تحقیق احمد محمد شاہ ترمذی اور مسند دونوں ہی کی روایتوں میں ایک راوی ثور بن فاتح ہے۔ اسے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن آگے کی روایات اور واقعات سے غیر مسلموں سے ہدایا کے قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۱۱ ایلہ کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں ایلۃ بلدکة قديمة بساحل البحر نفع الباری ۳/۳۱۱ (ایلہ ساحل سمندر پر ایک قدیم شہر ہے) یعنی لکھتے ہیں بلدکة معروفة بساحل البحر فی طریق المصرین اى مكة وھی الان خراب۔ یعنی: ۱۱۱/۷ (وہ ایک معروف شہر تھا جو ہر لوگوں کے مکر جانے کے راستہ میں رہتا تھا اب وہ ویران ہو چکا ہے) امام نووی نے کچھ زیادہ تفصیل فراہم کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایلہ نام کے کنارے ساحل سمندر پر ایک شہر شہر ہے، جو مدینہ منورہ، دمشق اور مصر کے درمیان واقع ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ پانچ مراحل، دمشق سے بارہ مراحل اور مصر سے آٹھ مراحل کا ہے۔ (جو بعد نے اسے شام کا ایک شہر کہا ہے۔ حازمی اسے ایک ساحلی شہر کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ حجاز کا آخری اور شام کا ابتدائی حصہ ہے۔ نووی تہذیب الاسماء واللغات: ۱۹/۱۔ ایلہ کے بادشاہ کا نام محترم بن رؤبہ تھا۔ یہ اس صلح نامہ سے بھی واضح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا کیا تھا۔ ابن ہشام: ۱۷۹/۴۔ ۱۸۰۔ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳/۳۱۵

جزیرہ ادالیا، آپ نے اس کے علاقہ پر اس کا قبضہ باقی رکھا۔

لہ بخاری کے الفاظ ہیں: «أهدى ملك أيلة للنبي صلى الله عليه وسلم بخلعة بيضاء وكساء برد» اوکتب لہ بیجصرہم، کتاب الزکوٰۃ، باب خمس القمیر۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب معجزات البشیر، مسلم کی ایک روایت میں ملک ایڑ کی جگہ فروہ بن نفاثہ البزازی آیا ہے۔ (کتاب الجہاد، باب غزوة حنین) لیکن فروہ بن نفاثہ کا واقعہ دوسرا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ۱۱۰م نووی فرماتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں اس ایک سفید خچر کے علاوہ اور کوئی خچر نہ تھا۔ اسے دلدل کہا جاتا ہے۔ شرح مسلم ج ۲ جز ۱۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴م نووی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے کافرا کا یہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خچر جو دلدل کے نام سے معروف تھا غزوہ تبوک میں پیش کیا گیا۔ غزوہ تبوک ۶ھ میں ہوا تھا جبکہ یہ خچر آپ کے استعمال میں اس سے قبل بھی بلچنا پختہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ غزوہ حنین میں آپ نے اس کی سواری کی تھی۔ غزوہ حنین ۶ھ میں فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ اسے اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ ملک ایڑ نے یہ خچر پہلے ہی بدر کیا تھا لیکن راوی نے اس کا ذکر تبوک میں اس کی آمد کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں کوئی زمانی ترتیب نہیں ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ آپ کی سواریوں میں دلدل کے علاوہ کسی اور خچر کا روایات میں ذکر نہیں ہے۔ نووی شرح مسلم ج ۵ جز ۱۵ ص ۲۲۔ ۲۳۔ علامہ ابن کثیر نے بھی آپ کی سواریوں میں اسی ایک خچر کا ذکر کیا ہے، «السیرة النبویة: ۲/۱۴۱» لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اور خچر بھی استعمال کیے ہیں۔ مسند رک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ سر نے آپ کو ایک خچر بدر کیا تھا۔ اس کے لیے مال سے نبی ہوئی ری آپ نے استعمال کی۔ آپ سواریوں اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ یہ دلدل کے علاوہ ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ نباشی اور دنتہ انجندل کے بادشاہ نے بھی آپ کو ایک ایک خچر پیش کیے۔ دلدل اس خچر کا نام ہے جو موقس نے دیا تھا۔ بسلی نے کہا ہے کہ جنگ حنین میں آپ جس خچر پر سوار تھے اسے فقتہ یا شہبا کہا جاتا تھا۔ اسے فروہ بزازی نے پیش کیا تھا۔ فتح الباری: ۲/۵۸۳-۳۲۶۔ علامہ ابن قیم نے آپ کی سواریوں میں چار خچروں کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ ایک خچر نباشی نے بھی بدر کیا تھا۔ زاد المعاد: ۱/۱۳۴

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اکیس روز دوسرے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کرتا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ لوگ اسے تعجب سے دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جنت میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے عمدہ ہیں۔

سید اکیس بن عبدالملک الکندی یہ دوسرا بادشاہ تھا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کی تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصحاب ہیرت کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا۔ آپ سے صلح کی لیکن اسلام نہیں لایا۔ وہ نفرانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کے بعد وہ واپس ہوا اور اپنے قلعہ میں رہا۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ نے دوسرا کا محاصرہ کیا اس سے جنگ ہوئی اور وہ مارا گیا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اسلام لے آیا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا اور جو (زکوٰۃ) دیا کرتا تھا اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے تو بہر حال ایک مرتد کا شہا ر صحابہ میں نہیں ہوگا۔ (اسد الغابہ: ۱۳۵) ابن ہشام کی روایت ہے کہ حضرت خالدؓ اسے گرفتار کر کے لائے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمایا، جزیرہ بنی ادپر صلح کی اور رہا کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں جائے۔ میرۃ ابن ہشام: ۴/۱۸۱) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو ایک ریشمی قبا جس پر سونے کا کام تھا ہدیہ پیش کی۔ آپ نے اسے لوٹا دیا لیکن پھر آپ نے مناسب نہیں سمجھا تو کہا کہ اسے حضرت عمرؓ کے حوالہ کرو۔ (فتح الباری: ۲۳۱/۵)

دُدُوم شہر جسے دوسرا نجدل بھی کہا جاتا ہے یہ حجاز اور شام کے درمیان بتوک کے قریب واقع ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تیرہ گز اور دمشق سے دس مراحل کا ہے۔ کوفہ سے بھی تقریباً دس مراحل کی دوری ہے۔ یہاں کھجور کے باغات تھے اور کھیتی ہوتی تھی۔ چشمے کم تھے، اونٹنیوں کے ذریعہ آب پاشی ہوتی تھی، زیادہ پیداوار کھجوروں کی تھی، یہاں ایک قلعہ بھی تھا (نودی) شرح مسلم جلد ۵ جزوم ۱

ص ۵۰۔ ابن حجر، فتح الباری: ۲۳۱/۵

سید بخاری، کتاب الہدیہ، باب قبول الہدیۃ من المشرکین۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اکیدر دومہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی جوڑا تحفہ میں بھیجا۔ یہ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ میں نے اسے گھر کی خواتین میں تقسیم کر دیا۔  
 ابن ابی شیبہ احمد اور بزار نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ اکیدر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'مت' (ٹہنڈ کی قسم کی ایک چیز جو شہنم کے جمع ہونے سے بنتی ہے) کا ایک گھڑا تحفہ میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمایا اور صحابہ کے درمیان تقسیم کیا۔  
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر میں حضرت حاطب بن ابی بلتعزہ اور اسکندر (مصر) کے حاکم مقوقس کے پاس اسلام کے پیغام کے ساتھ بھیجا۔ اس نے حضرت حاطب کو دربار میں بلایا اور آپ کی رسالت کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت حاطب کے جواب سے خوش ہو کر کہا کہ تم ایک دانا آدمی ہو اور ایک دانا شخص کے پاس سے آئے ہو۔ اس نے حضرت حاطبؓ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدایا بھیجی۔ ان میں دو باندیاں بھی تھیں۔ حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے یہ دونوں اسلام لے آئیں۔ ان میں سے ایک ماریہ تھیں۔ حضرت حاطبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت ماریہؓ کو آپ نے اپنی ملکیت میں لے لیا۔ ان سے ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ کے صاحب زادے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ آپ نے ساتویں دن ان کا عقیدہ کیا۔ سر کے بال اتروائے اور اس کے وزن کی چاندی کا صدقہ کیا۔ اٹھارہ ماہ بعد حضرت ابراہیمؓ کا

۱۔ مسلم کتاب اللباس، باب تحريم الذهب والحري على الرجال و با حته النساء۔

۲۔ عینی، عمدة القاری: ۴۲/۱۱

۳۔ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ دوسری باندی حضرت ماریہ کی بہن سیرین تھیں۔ یہ حضرت حسان بن ثابت کو عطا کی گئیں۔ ان کے بچے عبدالرحمن ان ہی سے تھے۔ (طبری: ۳/۲۱۱، ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسما والاصحاب ۲/۴۱-۴۱۳) ابن اثیر نے ایک اور باندی کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے ابو جہم بن حذیفہ کو عنایت کی۔ (اسد الغابہ: ۲۲۲/۱-۲۳۳) واقدی اور ابو نعیم کے بقول مقوقس نے چار باندیاں بھجوائی تھیں۔

(اسد الغابہ: ۲۶۱/۴-۲۶۱/۴) ابن کثیر، السیرة النبویة: ۴۰/۴

## انتقال ہو گیا۔

حضرت مارشہ کی وفات عہد فاروقی میں ۳۱۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے انتقال کا اعلان فرمایا اور خود نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ یہ مقوقس نے ان کے علاوہ جو ہر سے بھجوائے وہ یہ تھے۔

ایک ہزار انتقال سونا، بیس عدد دماغ کپڑے، ایک خچر جس کا نام دلدار تھا۔ ایک گدھا جسے عفیر یا عفور کہا جاتا تھا اور بالوزنامی ایک غلام کو جو حضرت مارہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ مقوقس نے دونوں باندیوں کے ساتھ بھیجا تھا تاکہ وہ انہیں حفاظت کے ساتھ پہنچائے۔ بزار کی ایک روایت میں ہے کہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیشہ کا پیالہ قدح قرار پر نذر کیا تھا۔ اسے آپ اپنے کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ شہ طبرانی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی کی شامی سرمدانی، آئینہ اور کنگھی تحفہ میں دی تھی۔

۱/۱۹۹

۲/۴۱۰-۴۱۳

۳/۱۴۲

۴/۴۱۰-۴۱۳

۵/۴۱۰-۴۱۳

۶/۴۱۰-۴۱۳

۷/۴۱۰-۴۱۳

۸/۴۱۰-۴۱۳

۹/۴۱۰-۴۱۳

۱۰/۴۱۰-۴۱۳

۱۱/۴۱۰-۴۱۳

۱۲/۴۱۰-۴۱۳

۱۳/۴۱۰-۴۱۳

۱۴/۴۱۰-۴۱۳

۱۵/۴۱۰-۴۱۳

۱۶/۴۱۰-۴۱۳

۱۷/۴۱۰-۴۱۳

۱۸/۴۱۰-۴۱۳

۱۹/۴۱۰-۴۱۳

۲۰/۴۱۰-۴۱۳

۲۱/۴۱۰-۴۱۳

۲۲/۴۱۰-۴۱۳

۲۳/۴۱۰-۴۱۳

۲۴/۴۱۰-۴۱۳

۲۵/۴۱۰-۴۱۳

۲۶/۴۱۰-۴۱۳

۲۷/۴۱۰-۴۱۳

۲۸/۴۱۰-۴۱۳

۲۹/۴۱۰-۴۱۳

۳۰/۴۱۰-۴۱۳

۳۱/۴۱۰-۴۱۳

۳۲/۴۱۰-۴۱۳

۳۳/۴۱۰-۴۱۳

۳۴/۴۱۰-۴۱۳

۳۵/۴۱۰-۴۱۳

۳۶/۴۱۰-۴۱۳

۳۷/۴۱۰-۴۱۳

۳۸/۴۱۰-۴۱۳

۳۹/۴۱۰-۴۱۳

۴۰/۴۱۰-۴۱۳

۴۱/۴۱۰-۴۱۳

۴۲/۴۱۰-۴۱۳

۴۳/۴۱۰-۴۱۳

۴۴/۴۱۰-۴۱۳

۴۵/۴۱۰-۴۱۳

۴۶/۴۱۰-۴۱۳

۴۷/۴۱۰-۴۱۳

۴۸/۴۱۰-۴۱۳

۴۹/۴۱۰-۴۱۳

۵۰/۴۱۰-۴۱۳

۵۱/۴۱۰-۴۱۳

۵۲/۴۱۰-۴۱۳

۵۳/۴۱۰-۴۱۳

۵۴/۴۱۰-۴۱۳

۵۵/۴۱۰-۴۱۳

۵۶/۴۱۰-۴۱۳

۵۷/۴۱۰-۴۱۳

۵۸/۴۱۰-۴۱۳

۵۹/۴۱۰-۴۱۳

۶۰/۴۱۰-۴۱۳

۶۱/۴۱۰-۴۱۳

۶۲/۴۱۰-۴۱۳

۶۳/۴۱۰-۴۱۳

۶۴/۴۱۰-۴۱۳

۶۵/۴۱۰-۴۱۳

۶۶/۴۱۰-۴۱۳

۶۷/۴۱۰-۴۱۳

۶۸/۴۱۰-۴۱۳

۶۹/۴۱۰-۴۱۳

۷۰/۴۱۰-۴۱۳

۷۱/۴۱۰-۴۱۳

۷۲/۴۱۰-۴۱۳

۷۳/۴۱۰-۴۱۳

۷۴/۴۱۰-۴۱۳

۷۵/۴۱۰-۴۱۳

۷۶/۴۱۰-۴۱۳

۷۷/۴۱۰-۴۱۳

۷۸/۴۱۰-۴۱۳

۷۹/۴۱۰-۴۱۳

۸۰/۴۱۰-۴۱۳

۸۱/۴۱۰-۴۱۳

۸۲/۴۱۰-۴۱۳

۸۳/۴۱۰-۴۱۳

۸۴/۴۱۰-۴۱۳

۸۵/۴۱۰-۴۱۳

۸۶/۴۱۰-۴۱۳

۸۷/۴۱۰-۴۱۳

۸۸/۴۱۰-۴۱۳

۸۹/۴۱۰-۴۱۳

۹۰/۴۱۰-۴۱۳

۹۱/۴۱۰-۴۱۳

۹۲/۴۱۰-۴۱۳

۹۳/۴۱۰-۴۱۳

۹۴/۴۱۰-۴۱۳

۹۵/۴۱۰-۴۱۳

۹۶/۴۱۰-۴۱۳

۹۷/۴۱۰-۴۱۳

۹۸/۴۱۰-۴۱۳

۹۹/۴۱۰-۴۱۳

۱۰۰/۴۱۰-۴۱۳

۱/۱۹۹

۲/۴۱۰-۴۱۳

یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حضرت عاتب ہی کے ذریعہ پہنچیں یا کوئی اور ذریعہ بھی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کا نظم حضرت بلالؓ کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں وقت ضرورت میں اس کے لیے قرض لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک مشرک نے پیش کش کی کہ تم مجھ سے قرض لے لیا کرو، میں باسانی دے سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس سے قرض لے لیا۔ ایک دن اس نے مجھے دیکھا تو کہا کہ وعدہ پورا ہونے میں صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ اگر وقت پر تم نے قرض ادا نہ کیا تو پھر بکریاں چرانے میں لگا دوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جاؤ فلاں قبائل جو مسلمان ہو گئے ہیں ان سے قرض لے کر اسے ادا کر دو۔ میں صبح سویرے اس مقصد سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلب کر رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ خوش ہو جاؤ۔ یہ چار اونٹنیاں جو تم دیکھ رہے ہو، اور جو غلہ اور کپڑے سے لدی ہوئی ہیں۔ فذک کے حکمراں نے مجھے بطور ہدیہ بھجوائی ہیں۔ اس سے تم پر جو قرض ہے اسے ادا کر سکتے ہو۔ چنانچہ میں نے اس

سے فذک ایک یہودی بستی تھی۔ اس میں نخلستان اور پانی کا چشمہ تھا۔ مدینہ سے تین مراحل کی دوری پر تھا۔ یہاں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ فذک کی فتح سے پہلے کا ہے (غیر کی فتح کے بعد بلالؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنی کہ وہ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس طرح یہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ یہ مال فنی کے حصہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا۔ اس سے آپ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرتے اور سماجی کاموں میں صرف فرماتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آپ کی وراثت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے آپ کا یہ ارشاد یاد دلایا لا ذو دث ما تنکنا صدقۃ (ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ مدقہ ہوگا)۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن افراد کا خرچ برداشت کرتے تھے ان پر بیت المال سے خرچ ہوتا رہے گا حضرت عمرؓ کے دور میں بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے یہ مسئلہ چھیڑا۔ حضرت عمرؓ نے بھی

سے آپ کا قرض ادا کیا۔ جو مال بیچ گیا فرمایا کہ اسے مستحقین میں تقسیم کر دو۔ اسی سے مجھے راحت ملے گی۔ لیکن رات ہو گئی یہ تقسیم نہ ہو سکا تو آپ نے مسجد ہی میں قیام فرمایا۔ اس کے تقسیم ہونے کے بعد آپ مکان میں تشریف لے گئے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ملک ذی یزینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حلہ (جوڑا) کی سوغات بھیجی جو اس نے قیس اونٹ کے بدلہ خریدا تھا۔ آپ نے یہ جوڑا قبول فرمایا۔

اسحاق بن عبد اللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے زیادہ اونٹوں کے عوض ایک جوڑا خریدا اور ذی یزین کو تحفہ میں بھیجا۔

:۔ دہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ نے دیا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب حکم النبی۔ ابو داؤد، کتاب الخراج، باب فی صفایا رسول اللہ من الاموال۔ اس کی مزید تفصیلات اور شیعہ حضرات کے نقطہ نظر اور اس کی کم زوری کے لیے دیکھی جائے فتح الباری، ۶/ ۱۹۸-۲۰۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۵۶۶-۵۷۸۔

سے ابو داؤد، کتاب الخراج، باب فی الامم یقبل بایا انشرکین۔

سے کاموں میں ہے کزین (دین میں) ایک وادی کا نام ہے۔ ذوزین قبیلہ حمیر کا ایک بادشاہ تھا۔ اس نے اس وادی کو گھیر کر قبضہ کیا تھا اس لیے اسے ذوزین کہا جاتا ہے (مادہ ی زان) ابن منظور کہتے ہیں کہ ذوزین قبیلہ حمیر کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کی طرف منسوب نیزے رماح یزینہ کہے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ابن کلبی کے بقول اسی نے سب سے پہلے یزیرے تیار کیے تھے۔ (لسان العرب، مادہ ی زان)

سے ابو داؤد، کتاب اللباس، باب لبس الرثع۔ اس کے راوی عمارہ بن زاذان پر کئی ایک محدثین نے جرح کی ہے۔ مولانا شمس الحق، عون المعبود، ۴۹/م

سے ابو داؤد، کتاب اللباس، باب لبس الرثع۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن زید بن جدهان ناما قبل اجتماع ہے۔ عون المعبود، ۴۹/م

حضرت دحیہ کلبیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صوف کا کرتا اور موزے تھف میں دئے۔ آپ نے وہ استعمال فرمائے یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے آپ نے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ موزے ذبیحہ جانور کے تھے یا نہیں۔  
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو طواریں تھیں ان میں ایک کا نام ذوالفقار تھا۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حجاج بن علاط نے یہ آپ کو بدر میں پیش کی تھی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ شاہ روم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونٹ کا گھڑا بدر میں بھیجا ۱۰ سے آپ نے صحابہ کے درمیان تقسیم فرمایا۔  
 نجاشی کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر بدر میں دیا تھا، جسے آپ سواری کے لیے استعمال فرماتے تھے۔  
 حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطر مجموعہ (غالیہ) کی شیشی کی سوغات بھیجی تھی۔ اس طرح کا عطر پہلی مرتبہ آپ کو اس کے ذریعہ ملا۔

۱۔ حضرت دحیہ کلبیؓ مشہور صحابی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جبریلؑ بعض اوقات ان کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے انھیں ۱۰ سالہ میں قیصر کے پاس سفیر کی حیثیت سے روانہ فرمایا (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۱۵۶/۲) جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ جیسا کہ علامہ مینی نے کہا ہے ان کے اسلام لانے سے قبل کا ہے (عمدۃ القاری: ۱۱/۴۲)

۲۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۱/۳۴

۳۔ ابن عدی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یعنی عمده القاری: ۱۱/۴۲۔ ابن سعد اور طبری کا بیان ہے کہ تیگوار منبہ بن الحجاج کی تھی جنگ بدر میں یہ آپ کو مال غنیمت میں ملی طبری تاریخ الرسل واللوک تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم: ۱۴۴/۳۔ علامہ ابن قیم کے بیان سے اسی کی تائید ہوتی ہے زاد المعاد: ۱۳۰/۱  
 ۴۔ یعنی عمده القاری: ۱۱/۴۲۔ علامہ ابن قیم زاد المعاد: ۱۳۰/۱

۵۔ علامہ مینی کہتے ہیں کہ نجاشی اسلام لایا تھا۔ اس میں یہ مرحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس کے اسلام لانے سے قبل کا ہے

## یہودی عورت کی دعوت قبول کی

اوپر جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق ملوک و سلاطین سے ہے۔ اس کا بھی ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی غیر مسلم خاتون کا ہدیہ قبول فرمایا جس کا تعلق دشمن قوم سے تھا اور جس نے خود بھی انتہائی مذموم اور ناپاک ارادہ سے یہ ہدیہ پیش کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ خیبر کے بعد جب حالات پر سکون ہو گئے تو مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت انمارت نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبریٰ کے گوشت کا کون سا حصہ پسند ہے؟ اسے بتایا گیا کہ آپ بازو پسند کرتے ہیں۔ اس نے گوشت بھونا اور اس میں زہر ملا دیا اور بازو والے حصہ کو زیادہ زہر آلود کر دیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے جیسے ہی بھنا ہوا بازو چکھا فوراً تھوک دیا، اسے نوش نہیں فرمایا اور صحابہ کرام سے کہا کہ یہ بڑی مجھے تباہی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ لہذا اسے مت کھاؤ۔ آپ کے ایک ساتھی یشر بن ہار بن معرث نے جو تفریہ لیا تھا اسے وہ کھا گئے۔ چنانچہ اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ آپ نے یہود کو جمع کر کے اس حرکت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اس کا اعتراف کیا۔ اس یہودی عورت سے اس حرکت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے میری قوم پر فتح و کامرانی حاصل کی ہے اور اسے مغلوب کیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ محض بادشاہ ہوں گے تو اس سے مجھے قلبی راحت ملے گی لیکن اگر پیغمبر ہوں گے تو اس کی آپ کو خیر ہو جائے گی۔ ویسے اس زہر کا اثر آپ پر بہار مرض الموت میں آپ نے اس کا ذکر فرمایا۔ اس کے باوجود ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔

= یا بعد کا ایک اور امکان بھی ہے، وہ یہ کہ شاہان حبش کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس سے وہ

نجاشی مراد ہو جو اسلام کی دولت سے بہرہ یاب نہیں ہوا۔ عمدة القاری: ۴۳/۱۱

سے بخاری، کتاب الجزیہ والمواعظ، باب اذا غدا المشركون بالمسلمین، بل بعضی اعنہم؟ ابن ہشام، سیرت النبی

۳۸۹: ۳۹۰۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یشر بن ہار بن معرث کے انتقال کے بعد ان کے

رشتہ داروں نے قصاص میں اسے قتل کر دیا۔ فتح الباری: ۴۷/۷۹

## ایک حدیث کا صحیح مفہوم

ان واقعات کے برخلاف دو ایک روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کا تحفہ یا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے۔ حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ میں نے قبول اسلام سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹ بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ نَهَيْتُ عَنْ زَبَدِ الْمُشْرِكِیْنَ (مجھے مشرکین کے عطیات قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے)۔

حضرت عامر بن مالک، جنھیں ملاعب الاسنہ کہا جاتا ہے، کی روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

اس حدیث میں سند کے لحاظ سے کچھ سقم ہے لیکن حضرت عیاض بن حمار کی روایت صحیح سے ثابت ہے۔ اوپر کے واقعات اور اس حدیث میں جو تضاد سامحوس ہوتا ہے اسے کئی ایک پہلوؤں سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ جن احادیث سے غیر مسلموں سے تحفہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ انھیں وہ حدیث منسوخ کرتی ہے جن سے اس کی مانعت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو احادیث جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں وہ منسوخ ہیں اور جن سے عدم جواز کا اظہار ہو رہا ہے وہ منسوخ ہیں۔

دونوں باتیں مجرد دعویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کسی حکم کو منسوخ کرنے کے لیے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ منسوخ حکم کے بعد دیا گیا ہے اور یہاں یہ ثابت نہیں ہے۔

۱۔ ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔ ترمذی، ابواب السیر، باب لما دئی فی قول اللہ الشکرین  
۲۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اخبر مروی بن عبد بن المغازی..... رجالہ ثقات الا ان مرسل وقد وصلنا بعضہم عن انوری

والاصح. فتح الباری : ۲۳۰/۵

بعض حضرات نے کہا ہے کہ غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت تھی کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن اس تخصیص کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے جب تک کسی معاملہ میں تخصیص ثابت نہ ہو آپ کا اسوہ سب کے لیے ہے۔

امام خطابؓ کہتے ہیں کہ حدیث میں مشرکین کے ہدایا قبول کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا ہدیہ قبول فرمایا۔ ان دونوں میں تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ نجاشی نصرانی تھا۔ شریعت نے بعض احکام میں اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان فرق کیا ہے یہ ان ہی میں سے ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہدایا تو قبول کیے جاسکتے ہیں لیکن مشرکین کے ہدایا قبول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اوپر کے واقعات صاف بتاتے ہیں کہ آپ نے مشرکین کے ہدایا بھی قبول فرمائے ہیں۔

اس معاملہ میں صحیح رائے یہ ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اسلام اور مسلمانوں کا مفاد رہا ہے۔ آپ نے جن لوگوں کے بارے میں دیکھا کہ ان کے ہدایا قبول کرنے سے ان کی تالیف قلب ہوگی اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں گے ان کے ہدیے قبول فرمائے اور انہیں جو اباً ہدیے اور تحفے بھی دے لیکن جہاں اس طرح کی مصلحت نہیں تھی وہاں آپ نے ہدیے رد بھی کر دیے۔

۱۔ خطابی، معالم السنن: ۳/۴۱

۲۔ سلا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ نووی، شرح مسلم ج ۲، جز ۱۲، ص ۱۱۴۔ فتح الباری: ۵/۲۳۱

## ۴۔ غیر مسلم کی شہادت

مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم گواہی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا ان کی گواہی ہر طرح کے معاملات میں قبول کی جائے گی یا صرف بعض معاملات میں؟ جن امور میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی وہ کیا ہیں؟ کیا ہر حال میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا بعض مخصوص حالات ہی میں وہ قابل قبول ہوگی؟ ان سوالات کا غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات اور ان سے تعلقات سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے یہاں ان سوالات پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی کوشش کی جائے گی۔

### سفر میں وصیت کا حکم

قرآن مجید میں ایک خاص پس منظر میں غیر مسلموں کی شہادت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ
کو موت آئے اور وہ وصیت کرے تو	بَيْنِكُمْ إِذَا أَحْصَرَ أَحَدَكُمُ
انہوں میں سے دو مقرب آدمیوں کو گواہ	الْمَوْتِ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَيْنِ
بنائے اور اگر تم سفر میں ہو اور موت کا	ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ اٰخْرَابٍ
وقت آ پہنچے تو دوسروں میں سے دو	مِنْ عَيْنَيْكُمْ اِنْ اَنْتُمْ صُرْتُمْ
کو گواہ بنا سکتے ہو۔ اگر تمہیں گواہوں کے	فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ
بارے میں شہر ہو جائے تو تم ان کو نماز	الْمَوْتِ نَحِسُوا كُهُمَا مِنْ
کے بعد روکو۔ وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے	بَعْدَ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمُنِ بِاللّٰهِ

کہ ہم اس کے بدلہ کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں خواہ ہمارا کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپا رہے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گار ہو گے۔ پھر اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے (حقیقت کو چھپا کر) گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو ان کی جگہ دو گواہ جو میت سے سب سے زیادہ قریب ہیں اور جن کا حق لرا گیا ہے کھڑے ہوں گے اور اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہماری گواہی ان کی گواہی کے مقابل میں زیادہ سچی ہے۔ ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے ورنہ ہم ظالم ہوں گے۔ اس طرح توقع ہے کہ لوگ شہادت صحیح طریقہ سے ادا کریں یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسمیں دوسری قسموں کے بعد رد ہو جائیں گی۔ اللہ سے ڈرو اور بات سنو۔ اللہ فاسقوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

إِنْ اذْتَبْتُمْ لَا تَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا  
وَكُلُّكُمْ ذَا قُرْبَىٰ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا  
شَهَادَةً ۗ اللَّهُ اِنَّا اِذَا لَمِنَ  
الْاٰیْمٰنِیْنَ ۗ فَاِنْ عٰثَرَ عَلٰی اٰنْهُمَا  
اَسْتَحَقَّ اِثْمًا ۗ فَاٰخَرَانِ یُعْرَفُ مِنَ  
مَقَامِهِمَا مِنَ الَّذِیْنَ  
اَسْتَحَقَّ عَلَیْهِمْ ۗ اِلَّا ذٰلِیْنِ  
فَیُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا  
اٰحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا  
اَعْتَدْنَا لَهُ اِنَّا اِذَا لَمِنَ  
الظّٰلِمِیْنَ ۗ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ  
یَأْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی  
وَجْهِهَا اَوْ یَخَافُوْا اَنْ  
تُرَدَّ اٰیْمَانُ ۗ بَعْدَ اٰیْمَانِهِمْ  
وَاَنْقَضَ اللّٰهُ وَاَسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ  
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۗ

(المائدہ: ۱۶۰-۱۵۸)

ان آیات میں جو حکم بیان ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالتِ سفر میں ہو، اسی حالت میں اس کا آخری وقت آن پہنچے اور وہ اپنے مال و اسباب یا کسی بھی چیز کی وصیت کرنا چاہے تو اپنے میں سے دو عادل افراد کو یا غیروں میں سے دو کو اپنی وصیت پر گواہ بنا دے۔ اس پر وصیت کرنے والے کے ورثا کو اعتراض نہ ہو تو وصیت نافذ ہو جائے گی، لیکن اگر انھیں گواہوں کے بیان پر اعتماد نہ ہو تو گواہ قسم کھائیں گے کہ ان کا بیان صحیح ہے اور کسی دنیوی مفاد کے لیے انھوں نے غلط بیانی سے کام نہیں

لیا ہے (اس لیے کہ شریعت کا اصول ہے کہ مدعی کو دلیل فراہم کرنی ہوتی ہے اور وہ دلیل فراہم نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسمی جاتی ہے۔ یہاں وراثہ کی حیثیت مدعی کی اور گواہوں کی مدعا علیہ کی ہے) لیکن اگر وراثہ پر دعویٰ کریں گے گواہوں کے پاس وصیت کرنے والے کی فلاں چیز موجود ہے اور گواہ یہ کہیں کرے کہ یہ اس سے خریدی گئی ہے۔ تو اب گواہوں کی حیثیت مدعی کی ہو جائے گی اور انہیں اپنی خریداری کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا، اگر یہ ثبوت فراہم نہ کر سکے تو دو قریب ترین وراثہ سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے دعویٰ پر قسم کھائیں۔ اس کے بعد اس چیز کا ان کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔

### کیا غیر مسلم گواہ ہو سکتا ہے؟

ان آیات سے متعلق مفسرین نے بہت سے سوالات چھڑے ہیں۔

وصیت پر جو لوگ گواہ بنائے جائیں گے ان کے متعلق فرمایا۔ اِنَّانِ ذُو اَعْدِلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخِرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ (دو عادل گواہ تمہارے اندر کے ہوں یا دو تمہارے غیروں میں سے)

اس فقرہ کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ گواہ تمہارے گھر اور خاندان کے لوگ ہوں۔ اگر وہ نہ ہوں تو خاندان کے باہر کے لوگ گواہ بنائے جائیں۔ حضرت عمرؓ ابن سیرین اور امام زہری وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔

اِنَّانِ ذُو اَعْدِلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخِرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ	دو عادل گواہ ہوں تم میں سے، یعنی وصیت کرنے والے کے قبیلہ سے یا دو گواہ تمہارے غیروں میں سے، یعنی وصیت کرنے والے کے قبیلہ کے باہر سے۔
عَسِيرَتِه	

ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ گواہ چاہے خاندان کے ہوں یا خاندان سے باہر

کے وہ سب مسلمان ہوں گے۔ غیر مسلم کو گواہ نہیں بنایا جاسکتا۔  
بعد کے مفسرین میں زرخشری بھی اسی کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ خاندان کے لوگ  
وصیت کرنے والے کے حالات اور وصیت کے پس منظر سے بہتر طور پر واقف اور اس کے  
خیر خواہ ہوتے ہیں اس لیے انھیں ترجیح دی گئی، ہاں ان کی عدم موجودگی میں دوسروں کو گواہ  
بنایا جاسکتا ہے۔

یہی رائے علامہ ابوالسعود کی بھی ہے۔  
لیکن علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ان آیات کے آگے پیچھے خاندان اور قبیلہ کا کوئی  
ذکر نہیں ہے اس لیے وہ مراد نہیں ہو سکتا۔

## کیا صرف اہل کتاب کی گواہی معتبر ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، سعید بن مسیبؓ، قاضی  
شریحؒ، ابن سیرینؒ، امام اوزاعیؒ، ثوریؒ اور امام احمد کی رائے یہ ہے کہ 'دَاخِرُونَ مِنْ  
عَدِيبِكُمْ' کے الفاظ یہاں اہل کتاب کے لیے ہیں۔ ان کے نزدیک سفر میں وصیت  
کی نوبت آجائے اور مسلمان موجود نہ ہوں تو اہل کتاب میں سے دو کو گواہ بنایا جاسکتا ہے۔  
اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو اس کے شان نزول میں آئی ہے۔  
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلہ بنو ہبہم کے ایک صاحب جو مسلمان

۱۔ طبری، جامع البيان عن تأويل آي القرآن: ۱۱/۱۶۶-۱۶۸

۲۔ زرخشری، اللغات عن صحاح الترمذی: ۱/۶۵۰

۳۔ ابوالسعود، ارشاد العقل السليم الى مزايي الكتاب الكريم على بائش الرازي: ۳/۳۰۲

۴۔ جصاص، احكام القرآن: ۲/۵۹۴

۵۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۱۲۔ ان میں سے صحابہ و تابعین کی راہوں کے لیے دیکھی جائے، طبری: تفسیر: ۱۶/۱۱  
اور آگے کے صفحات۔

تھے (جن کا نام بدیل یا جمیل بتایا گیا ہے) تمیم داری (جو اس وقت نھرافی تھے) اور عدی بن بدا کے ساتھ سفر پر گئے۔ اس سفر میں ان کا ایک ایسی جگہ انتقال ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ انتقال سے پہلے انھوں نے اپنا سامان ان دو اشخاص کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ اسے ان کے گھر والوں کو پہنچادیں۔ حضرت تمیم کہتے ہیں کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ہم نے اس کا کچھ سامان رکھ لیا۔ اس میں چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا جس پر سونے کے نقش و نگار تھے۔ یہ اس کا سب سے قیمتی سامان تھا۔ اسے ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کیا اور رقم آپس میں تقسیم کر لی۔ باقی سامان بدیل کے رشتہ داروں کے حوالہ کر دیا۔ انھوں نے اس میں وہ قیمتی پیالہ نہ دیکھا جو بدیل اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ سامان جو اس نے ان دونوں کے حوالہ کیا تھا اس کی فہرست اسی سامان میں موجود تھی۔ سامان اس کے مطابق نہیں تھا اس میں وہ پیالہ بھی غائب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں تمیم اور عدی سے جب پیالہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی ناواقفیت ظاہر کر دی۔ لیکن جلد ہی یہ پیالہ مکہ میں ایک شخص کے پاس دیکھا گیا۔ اس نے بتایا کہ یہ تمیم اور عدی سے خرید گیا ہے۔ اس کے بعد بدیل سہمی کے رشتہ داروں نے قسم کھائی کہ پیالہ ان ہی کا ہے اور تمیم اور عدی نے غبن کیا ہے۔ چنانچہ ان آیات کی روشنی میں ان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی گورنری کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک مسلمان، ذوقہ (عراق کا ایک شہر) میں تھے کہ ان کا آخری وقت آگیا۔ وہاں قریب میں کوئی مسلمان نہ تھا جسے وہ اپنی وصیت کے سلسلہ میں گواہ بنا تے۔ چنانچہ انھوں نے اہل کتاب میں سے دو کو گواہ بنایا۔ یہ دونوں کو قرآن اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں پہنچے۔ اس مسلمان کے انتقال کی خبر دی، اس کی وصیت بیان کی اور اس نے جو چیزیں چھوڑی تھیں وہ

۱۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ عزوجل یا ایہا الذین امنوا اشہدوا بیکم الخ مع فتح الباری ۷/۱۰۷۔

۲۱۱۔ ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ المائدہ۔ ابوداؤد، کتاب القضاء، باب شہادۃ اہل الذمہ والوصیۃ فی السفر۔

واپس کیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیش آیا تھا۔ یہ دوسرا واقعہ ہے۔ پھر ان سے بعد عشر قسم لی کہ انہوں نے نہ تو کذب بیانی کی ہے اور نہ خیانت کی ہے اور نہ اس کی وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے۔ یہ اسی کی وصیت اور اسی کا ترکہ ہے۔ انہوں نے قسم کھائی اور آپ نے اس پر عمل کیا۔

### اہل کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کی گواہی بھی مقربے

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ 'اٰخِرَانِ مِنْ غَنِيْبِكُمْ' (تمہارے غیروں میں سے دو) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ الفاظ عام ہیں۔ ان میں سب ہی غیر مسلم آجاتے ہیں۔ یہ رائے سلف میں سعید بن جبیر، مجاہد، ابن سیرین، ابن زید، عبیدہ بن عمرو السلمانی وغیرہ کی ہے۔ انہوں نے من غیر کم، کی تشریح 'من غیر اهل دینکم' (جو تمہارے دین والے نہ ہوں) اور من غیر اہل ملتکم، (جو تمہاری ملت والے نہ ہوں) سے کی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے اسی کی تائید کی ہے۔ کہتے ہیں۔ 'وَاٰخِرَانِ مِنْ غَنِيْبِكُمْ' میں اللہ تعالیٰ نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی ہے۔ الفاظ عام ہیں۔ جو لوگ اسلام سے باہر ہیں چاہے وہ یہودی اور نصرانی ہوں یا مجوسی اور بت پرست، سب ہی اس میں آجاتے ہیں۔ یہی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

### کیا مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہوں گے؟

قرآن مجید کے الفاظ سے ایک استدلال یہ کیا گیا ہے کہ سفر میں وصیت پر دو عادل مسلمانوں یا دو غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا اختیار ہے۔ وصیت کرنے والا ان میں سے جن کو گواہ

لہ ابو داؤد، کتاب القضاء، باب شہادۃ اہل الذمۃ والوصیۃ فی السفر

۱۶۶-۱۶۳/۱۱ تفسیر

۱۶۹/۱۱: جامع تفسیر جامع البیان

بنا چاہے بنا سکتا ہے لیکن جہوری کی رائے یہ ہے کہ اس میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ ملیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جائے۔

## غیر مسلم کی شہادت صرف حالتِ سفر میں قابلِ قبول ہوگی

جن اصحاب نے وصیت کے معاملہ میں غیر مسلم کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے اس پر اتفاق ہے کہ اس حکم کا تعلق خاص سفر سے ہے۔ حضرت میں مسلمان کے معاملات میں غیر مسلم کی شہادت معتبر نہ ہوگی، اس لیے کہ ایک مسلمان کو اپنے وطن میں کسی غیر مسلم کو گواہ بنانے کی کوئی خاص مجبوری نہیں ہے۔ اسے آسانی سے مسلمان مل سکتے ہیں۔ البتہ سفر میں اس کا امکان ہے کہ وصیت پر گواہ بنانے کے لیے کوئی مسلمان نہ ملے۔ اس صورت میں غیر مسلم کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی کی شہادت صرف سفر میں جائز ہے اور وہ بھی وصیت کی حد تک ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ وہ اس قسم کی شہادت کو جائز سمجھتے تھے۔ اس کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

فیہ دلیل علی ان شہادۃ

اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ

اہل الذمۃ مقبولۃ علی

خاص سفر کی حالت میں مسلمان کی وصیت

وصیۃ المسلم فی السفر خاصۃ۔

پرزویوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔

فرماتے ہیں یہی قاضی شریح، ابراہیم نخعی اور امام اوزاعی کی رائے ہے۔

۱۔ ماوردی : النکت والعیون : ۱/۴۹۴

۲۔ ابن جریر، جامع البیان : ۱۱/۱۹۳

۳۔ خطابی، معالم السنن : ۳/۱۵۱

## وصیت کے مفہوم کی وسعت

قرآن مجید نے وصیت کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں بیع کا اقرار، قرض کا اقرار، ہبہ اور صدقہ جیسے بہت سے امور شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص کے بقول اللہ تعالیٰ نے کسی خاص قسم کی وصیت کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس لیے اسے محدود نہیں کیا جاسکتا۔

## قسم کس نماز کے بعد لی جائے گی؟

وصیت کے سلسلہ میں گواہوں یا میت کے وارثوں سے قسم لینے کی ضرورت پیش آئے تو قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ بعد نماز قسم لی جائے۔ اس بارے میں دو رائیں ملتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔ گواہ چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم بعد عصر ان سے قسم لی جائے گی۔ (اس لیے کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے اور اس میں بڑا جمع بھی ہو سکتا ہے) علامہ ابن جریر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ مسلمان سے بعد عصر قسم لی جائے گی اور غیر مسلم سے اس کی نماز (عبادت) کے بعد۔ اسے سمجھایا جائے گا کہ اگر اس نے خیانت کی تو اسے سزا ملے گی اور وہ اپنی قوم میں رسوا ہوگا۔

## کیا سورہ مائدہ کی یہ آیات منسوخ ہیں؟

فقہاء میں ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ آیات منسوخ ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے سورہ بقرہ میں شہادت کا اصول قرض کے لین دین کے سلسلہ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سہ جصاص، احکام القرآن : ۵۹۸/۲

سہ ابن جریر، جامع البیان : ۱۱/۱۴۵، ۱۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو، رازی، التفسیر البکر : ۳/۴۴۲

وَأَسْتَشْهِدُ وَالشَّهِدَيْنِ ..... اور گواہ مقرر کرو اس پر دو گواہ .....  
 مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهِدَاءِ ..... ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند  
 کرتے ہو۔ (البقرہ: ۲۸۲)

اس میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کے گواہ ان میں کے پسندیدہ افراد ہونے چاہئیں۔ کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے پسندیدہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لہذا اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔ قرآن مجید کا ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔  
 وَالشَّهِدُ إِذَا دُئِيَ عَدْلٍ اور اپنے میں سے دو عادل افراد  
 مِمَّنْكُمْ (الطلاق: ۲) گواہ مقرر کرو۔

اس میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ گواہ مسلمانوں میں سے ہونے چاہئیں اور انھیں عادل ہونا چاہیے۔ امت کا اجماع ہے کہ مسلمانوں میں بھی جو فاسق ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جب فاسق مسلمان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تو کافر کی بدرجہ اولیٰ ناقابل قبول ہوگی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ حکم ہے۔ ان کے نزدیک حالت سفر میں مسلمان موجود نہ ہوں تو غیر مسلموں کو وصیت پر گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ، یحییٰ بن یعمرؓ، سعید بن جبیرؓ، ابو جہلؓ، ابراہیم نخعیؓ، افاضی شریحؓ، عبیدہ سلمانیؓ، ابن سیرینؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ فقہاء میں حضرت سفیان ثوریؓ کی یہی رائے ہے۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلامؓ کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔ امام احمد نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

شہادۃ اهل الذمۃ جائزۃ  
 علی المسلمین فی السفر عند  
 حالت سفر میں ذمیوں کی شہادت  
 مسلمانوں کے معاملہ میں جائز ہے جب کہ

لہ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ان حضرات کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ اجازت صرف اہل کتاب کی حد تک ہے یا عام ہے؟

جن اصحاب نے اسے منسوخ مانا ہے ان کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سورہ مانڈہ کا نزول نبوت کے آخری سال میں ہوا جب کہ سورہ بقرہ اور سورہ طلاق اس سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لیے وہ سورہ مانڈہ کے کسی حکم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ علامہ ابوبکر جصاص اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے سورہ مانڈہ کو آخری سورت کہا ہے ان کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ فی الجملہ یہ آخر میں نازل ہوئی اس کے باوجود یہ ممکن ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت دین جس میں شہادت کا ذکر ہے بعد میں نازل ہوئی ہو، لیکن یہ بات کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ خود جصاص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہؓ سے نقل کیا ہے کہ سورہ مانڈہ آخری سورہ ہے اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔ وہ روایات یہ ہیں۔

ضمیر بن جذبے اور عطیہ بن قیسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ مانڈہ آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیان کردہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو یہی بات حضرت عائشہؓ اور حضرت حسن بھری نے کہی ہے۔ ابومیسرہ کہتے ہیں کہ سورہ مانڈہ میں اٹھارہ فرائض (احکام) کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی منسوخ نہیں ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ نسخ کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ناسخ موجود ہو، دوسرے یہ کہ ناسخ و منسوخ میں جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ جن آیات کو ناسخ کہا جاتا ہے ان

سے قرطبی، ابن ماجہ، احکام القرآن ۶: ۳۵۰-۳۴۹۔ علامہ خرقی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانہ علماء میں اہل کتاب ہی کی شہادت کو معتبر مانتے ہیں (ابن قدامہ: المغنی ۹: ۱۸۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ خمس جماعة القبول یاہل الکتاب، وبالوصیة ویفقد المسلم حیثئذ منہم ابن عباس و ابو موسیٰ الاشعری و سعید بن المسیب و شریح و ابن سیرین والادزاعی و الثوری و ابو

عبید و احمد۔ فتح الباری ۵: ۴۱۲

کے جصاص: احکام القرآن ۲: ۵۹۸

میں شہادت سے متعلق ایک عام حکم ہے اور سورہ مائدہ ایک خاص صورت حال سے بحث کرتی ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی مائدہ کے ان احکام کو منسوخ نہیں کہا ہے، اس کے برخلاف تین صحابہ وہ ہیں جنہوں نے صراحت کی ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہیں۔ ان کی اس صراحت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس معاملہ میں ان کی رائے فیصلہ کن ہوگی۔ یہ آیات سفر میں جہاں مسلمان نہ ہوں وصیت پر غیر مسلم کی شہادت کا جواز فراہم کرتی ہیں۔ یہ ایک ضرورت ہے اور ضرورت کے وقت عام احکام بدل جاتے ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

ربما كان الكافر تقهّدا عند  
بسا اذقات مسلمان کے نزدیک  
المسلم ويرتضيّه عند  
كافرقه اور قابل اعتماد ہو سکتا ہے اور لے  
الضرورة له  
وہ ضرورت کے وقت پسند کر سکتا ہے۔

امام رازی بھی اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک ضرورت کے تحت دیا گیا ہے اور شریعت کا اصول ہے۔ الضرورات قد تبیح المحظورات (ضرورتیں کبھی ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں) احکام شریعت میں ضرورت اور مجبوری کی رعایت کی گئی ہے۔ نماز کے لیے وضو کی جگہ تیمم، سفر میں نماز کے اتمام کی جگہ قصر، بعض حالات میں رمضان کے روزے قضا کرنے اور اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت اس کی مثالیں ہیں۔ زینب بنت مسلمان بھی ضرورت موجود ہے۔ ایک مسلمان سفر کی حالت میں ہو اور وہاں کوئی مسلمان موجود نہ ہو جسے وہ اپنی وصیت پر گواہ بنا سکے تو غیر مسلم کو گواہ بنانا ایک ضرورت ہے ورنہ بعض اہم مقاصد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ جیسے اس پر زکوٰۃ اور کفار سے واجب ہوں، یا اس کے پاس امانتیں ہوں یا اس کے ذمہ قرض ہو۔ اگر غیر مسلم کی شہادت قبول نہ کی جائے تو مسلمان کی عدم موجودگی میں یہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں پوری ہونے سے رہ جائیں گی۔ ان کی شہادت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے حیض، حمل، ولادت، بچہ کا مردہ یا

زندہ پیدا ہونا جیسے خواتین کے مخصوص معاملات میں ہم عورت کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں اس لیے کہ مردوں کا ان سے واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس حکم کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امت کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ سب سے آخیز میں نازل ہوئی اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ

فقہاء احناف میں امام طحاوی بھی اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے۔ یہ صحیح بات یہ ہے کہ اسے منسوخ ماننے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔

### غیر مسلم کی شہادت غیر مسلم کے حق میں

اس بحث کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسلمانوں کے معاملے میں غیر مسلموں کی شہادت کس معاملہ میں اور کب قبول کی جائے گی؟ اس سے ہٹ کر ایک سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کی شہادت خود غیر مسلم کے معاملات میں قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک ذمی کی شہادت نہ مسلمان کے بارے میں قبول کی جائے گی اور نہ غیر مسلم کے بارے میں یہی امام مالک کی بھی رائے ہے۔

امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ اور اسحاق بن راہویہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں میں ایک مذہب کے ماننے والے کی شہادت اپنے ہم مذہب کے سلسلے میں تو جائز ہے لیکن دوسرے مذہب کے ماننے والے کے سلسلے میں قبول نہیں کی جائے گی۔ مثال کے طور پر یہودی کی شہادت یہودی کے معاملے میں تو جائز ہے لیکن نصرانی یا مجوسی کے معاملے میں ناجائز ہوگی۔ امام زہری کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان عداوت اور دشمنی پائی جاتی ہے اس لیے ان سے عدل و انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

۱۔ رازی، التفسیر البکیر: ۳/۴۷

۲۔ عینی، عمدۃ القاری: ۱۱/۳۱۰

احناف کی رائے یہ ہے کہ کفر اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک ہے اس لیے ایک مذہب کے ماننے والوں کی شہادت دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے سلسلے میں قبول کی جائے گی۔ ان میں فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ فقہارا احناف کے نزدیک ذمیوں کی شہادت مسلمانوں کے معاملات میں تسلیم نہیں کی جائے گی البتہ ان کے آپس کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی، چاہے ان کے درمیان مذاہب کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے نصاریٰ کی شہادت یہود کے سلسلے میں یا یہود کی شہادت نصاریٰ کے سلسلے میں بلکہ

علامہ ابو بکر جصاص نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ سورہ امدہ کی زیر بحث آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی وصیت پر ذمی گواہ ہو سکتے ہیں۔ جب مسلمان کی وصیت پر ان کی گواہی مقبول ہوگی تو غیر مسلم کی وصیت پر یہ جہادوں کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن سورہ بقرہ کی آیت بتاتی ہے کہ مسلمان کے معاملے میں غیر مسلم کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی تو غیر مسلم کی شہادت غیر مسلموں کے حق میں سورہ امدہ کی آیات کی روشنی میں اپنی اصل پر باقی رہے گی۔ یعنی ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ سفر میں وصیت کے سلسلے میں جن فقہاء نے ان کی گواہی تسلیم کی ہے ان کے نزدیک دوسرے تمام حقوق میں بھی ان کی گواہی قبول کی جائے گی بلکہ

سہ خطابی، معالم السنن: ۱۷۲/۲

سہ ہدایہ، کتاب الشہادات ۳/۱۲۷۔ نیز ملاحظہ ہو رد المحتار علی الدر المختار: ۵۲۲/۲

سہ جصاص، احکام القرآن: ۲/۶۰۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سورہ امدہ کی آیات سے اصلاحاً جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی وصیت پر مجبوری میں ذمیوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس سے ہٹنا یہ نتیجہ بھی نکالا گیا ہے کہ ذمیوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول ہے۔ احناف جب اصل ہی کو منسوخ مانتے ہیں تو ایک ضمنی استدلال کو بھی جو اس کی ذریعہ ہے منسوخ ہی سمجھا جائے گا قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳۵۱/۶

اس کی ایک اور دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 و سلم اجاز شہادۃ اهل الکتاب  
 میں سے بعض کی شہادت بعض کے حق میں  
 بعضهم علی بعض لہ  
 جاز قرار دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود ایک مرد اور عورت کو زمانہ کے جرم میں پکڑ کر لائے اور فیصلہ کی درخواست کی۔ آپ نے ان سے چار گواہ طلب کیے۔ گواہوں کے بیانات سے مطمئن ہونے کے بعد آپ نے دونوں مجرموں کو جرم کرا دیا۔

یہی رائے احناف کے علاوہ حضرت سفیان ثوریؒ اور بعض دیگر فقہاء کی ہے۔

## غیر مسلم کی شہادت کے معتبر ہونے کی شرط

اسلام نے شہادت کے قبول کرنے کے لیے عدل کی شرط رکھی ہے۔ گواہ اگر عادل نہ ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ غیر مسلم عدل کی شرائط پوری کرتا ہے یا نہیں، اسے کسی معاملہ میں عادل مانا جائے گا یا اس کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی؟

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

ان اوصاف الكافر  
 بالعدالة مختلف فيه  
 وهو فرع قبول شهادته  
 کافر کو عادل مانا جائے یا نہیں؟ اس  
 میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف فرع ہے  
 اس اصل کی کہ اس کی شہادت قبول

سلف ابن ابیہ۔ اہلبالاکلام، باب شہادۃ اہل الکتاب، بعض نے اس کے ایک راوی جبالہ بن ریحان نے جرح کی ہے۔ نصب الراية: ۴/۸۵

سلف جصاص، احکام القرآن ۲/۶۰۱۔ اس کی سند پر بحث کے لیے دیکھی جائے نصب الراية: ۴/۸۵

سلف ابن قدامہ، المغنی: ۹/۱۸۴

فمن قبلها وصفه بها  
ومن لا فلا له  
کی جائیگی یا نہیں؟ جس نے اسے قبول کیا  
اس نے اسے عدل سے متصف قرار دیا اور  
جس نے اسے قبول نہیں کیا اس نے اسے  
اس وصف سے متصف نہیں مانا۔

سورہ مائدہ کی زیر مطالعہ آیات کے ذیل میں امام رازی نے اس مسئلہ پر بڑی عمدہ  
بحث کی ہے۔ اسے ہم اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید کا حکم ہے وَأَشْهَدُوا ذُوَا ذَوٰی عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اپنے میں سے دو عادل افراد  
کو گواہ بناؤ) اس کا مطلب یہ ہے کہ شہادت عادل مسلمان کی ہونی چاہیے۔ اس سے یہ استدلال  
کیا گیا ہے کہ کافر عادل نہیں ہو سکتا اس لیے اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس کا  
جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں عدل کا مطلب عقیدہ کی صحت اور فکر کی سلامتی نہیں بلکہ جھوٹ  
اور غلط بیانی سے احتراز ہے۔ اسی وجہ سے اہل بدعت اور اہل ایوار کو گم راہ سمجھنے کے باوجود  
ان کی شہادت، اگر وہ جھوٹ سے بچیں تو، قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح جو غیر مسلم  
راست باز ہو، کذب بیانی اور مکرو فریب سے دامن کش رہتا ہو اس کی شہادت بھی  
قبول کی جانی چاہیے۔ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ غیر مسلم عادل نہیں ہوتا تو یہ ایک  
عمومی بات ہوگی۔ سورہ مائدہ میں جس مخصوص صورت حال کا ذکر ہے وہ اس سے مستثنیٰ  
سمجھی جائے گی۔

امام رازی کی یہ رائے اس پہلو سے اہم ہے کہ اس سے ایک وسیع دائرہ میں  
غیر مسلم کی شہادت کا جواز فراہم ہوتا ہے۔

بعض حالات میں غیر مسلم کی شہادت قبول کی جاتی ہے

قرآن مجید میں زیر بحث آیات کے علاوہ شہادت یا گواہی کا ذکر حسب ذیل مواقع

۱۶/۵: فتح الباری

۲۶/۳: التفسیر الکبیر

پرایا ہے۔

- ۱۔ مسلمانوں کے درمیان قرض کا لین دین ہو تو اس پر گواہ رکھے جائیں (البقرہ: ۲۸۲)
- ۲۔ یتیم جب سن بلوغ کو پہنچ جانے اور اس میں معاملات کی سوجھ بوجھ پیدا ہوجانے تو سرپرست اس کا مال اس کے حوالے کر دے اور اس پر گواہ رکھے۔ (النساء: ۶)
- ۳۔ سورہ نور میں زنا کے الزام اور بیوی پر زنا کی تہمت کے سلسلہ میں شہادت کا ذکر ہے۔ (النور: ۶، ۹)

۴۔ حکم ہے کہ طلاق کے بعد رجوع یا عیانی کی جو شکل بھی اختیار کی جائے اس پر اپنے میں سے دو عادل گواہ رکھے جائیں۔ (الطلاق: ۲)

ان آیات میں مسلمانوں کے لین دین، تہمتوں کے حقوق، ان کے سرپرستوں کی ذمہ داریوں، بدکاری، اس کی تہمت اور طلاق کے احکام کا بیان ہے۔ یہ مسائل براہ راست مسلم سماج سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان میں مسلمانوں کی شہادت کا ذکر ہے۔ جو مسائل خالص تعبیری نوعیت کے ہوں، جیسے عبادات یا جن کا تعلق نکاح و طلاق اور مسلمانوں کے معاشرتی امور سے ہوں ان میں فطری بات ہی ہے کہ جہاں شہادت کی ضرورت پیش آئے مسلمان ہی کو گواہ بنایا جائے لیکن بعض حالات اور بعض مسائل ایسے ہو سکتے ہیں جن میں غیر مسلم کی شہادت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

ہمارے فقہار نے شہادت کی بحث اسلامی ریاست کے پس منظر میں کی ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اسے ذمی کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

اسلامی ریاست جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں اور جہاں اسلامی قانون نافذ ہو وہاں ممکن ہے کہ بہت سے معاملات میں غیر مسلموں کی شہادت کی ضرورت نہ پیش آئے

۱۔ شہادت کے مسئلہ اور اس کے احکام کے ذیل میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔ ہذا الحكم (۱)

حكم الشهادة) يختص بانكفرالذمي واما انكفرالذمي ليس بذمي فقد حكى في ابعواجم

علومم قبول شهادته على المسلم مطلقاً۔ نیل الاوطار: ۲۸/۹

یا شاذ و نادر پیش آئے، لیکن اس کے باوجود فقہاء نے حالات و ضروریات کے تحت بعض معاملات میں غیر مسلم کی شہادت بھی قبول کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وقد قبلت شہادۃ الکافر  
فی بعض المعاضع کما فی الطب  
کی گئی ہے، جیسے کذب کا معاملہ ہے۔

شہادت کی مخصوص نوعیت ہے۔ اس سے ہٹ کر فقہاء نے غیر مسلم کی خبر پر اعتماد کا بھی حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے قول میں صادق مانا جاسکتا ہے۔ فقہ حنفی میں ہے کہ کوئی غیر مسلم چاہے وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو اگر یہ اطلاع دے کہ اس نے کسی کتابی سے گوشت خریدا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا کھانا حلال ہے (اس لیے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے) اسی طرح اگر وہ یہ اطلاع دے کہ اس نے گوشت مجوسی سے خریدا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا کھانا حرام ہوگا۔ محض اس وجہ سے کہ ایک شخص نے (وہ بھی غیر مسلم نے) اس کی اطلاع دی ہے اس کی خبر کو غلط نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ کہی گئی ہے۔

ان حنیبر الکافر مقبول  
بالاجماع والمعاملات لا  
اس پر اجماع ہے کہ کافر کی خبر معاملات  
میں قبول کی جائے گی البتہ دینی امور میں  
قبول نہیں کی جائے گی۔  
فی الدیانات لہ

## موجودہ حالات پر ایک نظر

موجودہ دور میں بیشتر مسلم ریاستوں میں غیر مسلم خاصی تعداد میں آباد ہیں اور ان ملکوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی معاملات میں اس طرح ان کا عمل دخل ہے کہ مسلمان ان سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ ان کی ضروریات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ سوال یہ

سے فتح اباری: ۴۱۳/۵

۳۰۲-۳۰۱/۵: در المختار

ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کی شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟ ہمارے خیال میں اوپر کے بیانات کی روشنی میں اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی زیادہ تر آبادی ان ممالک میں رہتی ہے جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور جہاں معاملات ہر ملک کے اپنے قوانین کے تحت طے ہوتے ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان بیع و شرا، قرض کے بین دین زمین اور جائیداد کی خرید و فروخت، باہمی نزاعات اور جرائم وغیرہ کے سلسلے میں غیر مسلموں کی شہادت پر بسا اوقات مجبور ہیں۔ اسی بنیاد پر ان کے حقوق کا تحفظ اور ان کے نقصانات کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس صورت حال میں ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ بظاہر ان حالات اور مسلمانوں کی عمومی ضروریات کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے دنیوی معاملات میں قابل اعتماد اور راست باز غیر مسلم کی شہادت بھی مسلمان کی شہادت ہی کی طرح قبول کی جائے

# اسلامی ریاست اور اس میں غیر مسلموں کے حقوق

## اسلامی ریاست

اسلامی ریاست کا تصور نیا نہیں ہے۔ اس کا خاکہ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اسلامی علوم کے ماہرین نے اپنے اپنے دور میں اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اصول و مبادی پر اتفاق کے باوجود بعض نکات پر ان کے درمیان اختلاف بھی رہا ہے اور دلائل کے ساتھ ان پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا رہا ہے۔ یہ اس کا علمی پہلو ہے۔ عملی پہلو سے دنیا اسلامی ریاست کا کامیاب تجربہ کر چکی ہے اور اس کے برکات و نعمت سے صدیوں فائدہ اٹھاتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود موجودہ دور میں اسلامی ریاست کا نام لیا جاتا ہے تو مخالفین اس طرح چونک پڑتے ہیں جیسے خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے اور کوئی زبردست بھونچال آنے والا ہے جس سے نوع انسانی کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک جاہلانہ اور کلیت پسندانہ نظام کا داعی ہے۔ وہ کسی دوسرے فکر اور طرزِ حیات کو برداشت نہیں کرتا، اس میں رواداری اور وسعتِ نظر نہیں ہے، وہ حریتِ فکر، آزادیِ خیال اور اختلافِ رائے کی اجازت نہیں دیتا، وہ جارحیت اور تشدد کا علمبردار ہے اور اپنے خیالات بزور پھیلانا چاہتا ہے، وہ عدل و انصاف کے معروف اصولوں کا پابند نہیں ہے، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق محفوظ نہیں ہیں، وہ قدامت پرستی کا علم بردار ہے اور اس میں دورِ جدید کے تقاضوں کی رعایت نہیں ہے، وہ تہذیبِ آرٹ اور فنونِ لطیفہ کا دشمن ہے اور معاشرہ کو ماضی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

اسلام کے ان مخالفین کو حکومت و اقتدار اور ذرائعِ ابلاغ کی جدید ترین ہتھیوں

حاصل میں اور میڈیا کی زبردست قوت ان کے پاس ہے، اس کی مدد سے ایک طرف تو اس نوع کے اعتراضات کے ذریعہ مسلسل یہ ثابت کرنے کی کوشش جاری ہے کہ اسلام کا تصور ریاست دورِ جدید کے لیے ناقابل قبول ہے اور دوسری طرف اسلامی ملکوں میں جہاں کہیں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد ہو رہی ہے اسے ناکام بنانے کی بدترین سازشیں کی جاتی ہیں۔ اس کے لیے کسی بھی خفیہ اور علانیہ تدبیر اختیار کرنے اور اپنی سیاسی قوت کو استعمال کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس وقت جمہوریت، حریتِ فکر، رواداری اور عدل و انصاف کے سارے تقاضے اس طرح فراموش کر دیے جاتے ہیں جیسے اسلام کے ’بھیانک نتائج‘ سے دنیا کو بچانے کے لیے سب کچھ روا ہے۔

یہاں ان اعتراضات کی براہ راست تردید یا ان کے پیچھے کارفرما محرکات سے بحث کی جگہ اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ تعلیمات غیر مسلموں کے سلسلہ میں اسلام کا اصولی موقف واضح کرتی ہیں۔ ان میں ان اعتراضات کا جواب بھی ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔

## اسلامی ریاست کے بعض رہنما اصول

اسلامی ریاست جن مقاصد کے لیے وجود میں آتی ہے اور جن اصول و ضوابط کی وہ پابند ہوتی ہے، یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اسلامی ریاست، جس کی اس قدر مخالفت ہو رہی ہے، اس کے سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس کے نمایاں خدوخال سامنے آسکیں گے، دوسری طرف غیر مسلموں کے ساتھ اس کے رویہ کو بہتر طریقہ سے سمجھا سکے گا۔

### عدل و انصاف کا قیام

ظلم و زیادتی کی کوئی ایک شکل نہیں ہے یہ سماجی، معاشی، معاشرتی، سیاسی ہر طرح کا ہوتا ہے۔ دنیا ان سب کا تجربہ کر چکی ہے اور کر رہی ہے۔ اسلام ہر نوع کے جور و ظلم کے خلاف ہے۔ وہ اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتا اور اپنے ماننے والوں کو عدل و انصاف کا پابند بناتا ہے۔ وہ اس کی بنیاد پر پورے معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے۔ ارشاد ہے :-

بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل  
وَإِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ  
وَإِلْحْسَانٍ وَإِيتَاءِ ذِكْرٍ  
وَأَنْقُرِي وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ  
وَالْمُنْكَرِ وَابْتِغَى لِعِظْكُمْ  
تہمیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت  
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

حاصل کرو۔ (انجیل: ۹۰)

عدل کے ہم معنی لفظ 'قسط' ہے۔ فرمایا۔

قُلْ أَمْرٌ رَبِّي بِالْقِسْطِ  
کہد میرے رب نے عدل و قسط  
کا حکم دیا ہے۔ (الاعراف: ۲۹)

ایک اور جگہ فرمایا:-

وَأَدْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ  
بِالْقِسْطِ لَأُكَلِّفُ نَفْسًا الْآ  
وَسُعْمَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَأَعِدُّوا  
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ...  
(الانعام: ۱۵۲)

ناپ اور تول کو پورا کرد انصاف  
کے ساتھ، ہم کسی شخص پر اتنی ہی ذرہ داری  
ڈالتے ہیں جتنی اس میں طاقت ہے  
اور جب کوئی بات کہو تو عدل و انصاف  
کے ساتھ کہو، چاہے معاملہ قربت و اقرب  
کا کیوں نہ ہو۔

اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ عدل و انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑ جائے،  
چاہے اس کی زد عزیزوں اور قربت داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ یہی بات ایک  
اور جگہ زیادہ وضاحت اور پورے زور اور قوت کے ساتھ کہی گئی ہے حکم ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ  
وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ  
وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا  
أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا  
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ  
تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوُّوا أَوْ  
تُعْرَضُونَ فَإِنَّ اللَّهَ كَانُ بِمَا  
أَعْمَلُونَ حَبِيرًا  
(النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو عدل و قسط کو لے  
کر کھڑے ہو جاؤ، اللہ کے لیے گواہی  
دینے والے ہو جاؤ اس کی زد  
تمہاری ذات پر پڑے، یا والدین اور  
رشتہ داروں پر۔ اگر صاحب معاملہ  
مالدار یا غریب ہے تو اللہ ان کا تم  
سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ لہذا تم خود  
کی اتباع نہ کرو کہ عدل سے پھر جاؤ  
اگر تم زبان کو موڑ کر بات کرو یا اعراض کرو تو  
اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم کو ختم کر کے عدل و انصاف قائم کرے۔ اسلام اپنے حدود و اقتدار میں کسی بھی قسم کی نا انصافی، حتیٰ تلفی اور ظلم و جور کا روادار نہیں ہے۔ اس کا صاف حکم ہے۔

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ  
امانتیں اہل امانت کو سپونچاؤ اور جب  
لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف  
کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تمہیں سچی نصیحت  
کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے اور  
دیکھنے والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ  
تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا  
وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ  
أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ  
نِعِمَّا يَعْلَمُ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
سَمِيعًا بَصِيرًا (النساء: ۵۸)

عدل و انصاف کے معاملے میں اس کے نزدیک دوست اور دشمن کا فرق صحیح نہیں ہے وہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی اس کی پابندی کو لازمی قرار دیتا ہے اور کسی حال میں اس سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد ہے :-

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے  
لیے کھڑے ہونے والے اور انصاف  
کی گواہی دینے والے بن کر ہو کسی  
قوم کی دشمنی تمہیں اس قدر مشغول نہ کرے  
کہ تم انصاف نہ کرو یہی بات تقویٰ سے  
زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے  
رہو بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس  
سے باخبر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ  
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
شَتَانُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا  
تَعْدِلُوا أَعْدِلُوا هُرُ  
أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ ج وَالْقَوَا  
اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا  
تَعْمَلُونَ (الأنه: ۸)

عدل و قسط کے قیام کے لیے وقت ضرورت طاقت کا استعمال بھی اسلام کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ سورہ حدید میں ارشاد ہے :-

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ  
ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں

فَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ  
الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ  
بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ  
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ  
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن  
يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ  
إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ

کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب  
اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل و قسط  
پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا  
اس میں سخت (سامان) جنگ ہے  
اور لوگوں کے لیے (دوسرے) منافع  
بھی ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کو  
دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں  
کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ  
طاقت والا اور زبردست ہے۔ (الحديد: ۲۵)

اس طرح اسلام ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیتا اور  
فرد اور ریاست دونوں کو اس کا پابند بناتا ہے۔ اس معاملہ میں اس کی ہدایات  
اتنی واضح ہیں کہ کوئی ہوش مند لکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی  
فرد یا ریاست عدل کی راہ سے ہٹے تو یہ اسلام کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اسلام  
کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

## اسلام کے لیے جبر کی اجازت نہیں

ایک اعتراض یہ ہے کہ اسلام کے مزاج میں جبر و تشدد ہے۔ وہ دوسروں  
کو بزور اپنے عقیدہ اور فکر کا پابند بنانا چاہتا ہے اور طاقت کے ذریعہ مخالف  
افکار و نظریات پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے اقتدار اور حکومت  
کو بزور اسلام پھیلانے کے لیے استعمال کیا ہے۔

لے اس موضوع سے متعلق مزید جواؤں کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ 'اسلام کم زور کی ظلم سے  
حفاظت کرتا ہے'، مطبوعہ سماجی تحقیقات اسلامی۔ اپریل۔ جون ۱۹۸۶ء

اس دنیا میں بہت سے مذاہب، مختلف فلسفے اور افکار و نظریات ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی سب سے بہتر اور برتر ہے۔ اسے اس کا حق حاصل ہے۔ اسلام کا بھی دعویٰ ہے کہ وہی واحد دین حق ہے۔ اسے وہ زور و طاقت نہیں بلکہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے دلیل و برہان، وعظ و نصیحت اور بحث و گفتگو کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:-

دعوت دہانے رب کے راستے کی	ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ
طن حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ	بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
اور مباحثہ کرو ان سے اس طریقہ سے جو	الْحَسَنَةِ وَجَادِ لَهُمْ بِالَّتِي
بہترین ہے۔ بے شک تمہارا رب خوب	هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہت	أَعْلَمُ بِمَنْ صَلَّاهُ عَنْ سَبِيلِهِ
گیا ہے اور وہ ان لوگوں کو بھی اچھی طرح	وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝
جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔	(النحل: ۱۲۵)

جو نظریہ دلیل و برہان سے بات کرنا چاہے اور افہام و تفہیم کی راہ اختیار کرے اس پر جبر و اکراہ کا الزام مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں تضاد ہے۔ جب کسی نظریہ میں دوسروں کو مطمئن کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو وہ موقع ملنے پر جبر و تشدد پر اتر آتا ہے لیکن اسلام اس یقین اور اطمینان کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے کہ دلیل کے میدان میں اسے شکست نہیں دی جاسکتی اس لیے جبر کو وہ خارج از بحث سمجھتا ہے۔ ارشاد ہے:-

لَا كُفْرَآةَ فِي الْإِيْتِنِ قَدْ دِينَ كَمَا مَلَّ فِي كُفْرِي زُرْزُورِي

۱۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'حکمت و دعوت'، مطبوعہ ماہنامہ زندگی نونی دہلی۔  
اپریل، مئی۔ جولائی اور اگست ۱۹۸۶ء کے شمارے۔

نہیں ہے۔ بے شک ہدایت بالکل طاری ہوگئی ہے گمراہی سے پس جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے مضبوطی پکڑ لی، جو لوٹنے والی نہیں ہے۔ اللہ سب کچھ جانتے والا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا دلی ہے جو ایمان لائے وہ انہیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف پہنچاتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اولیاء طاغوت ہیں، وہ انہیں نور سے ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ جہنم والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تَبَيَّنَ الرَّسَدُ مِنَ الْغَيِّ  
فَمَنْ يَلْفُضْ بِاِطَاعَتِ وَيُؤْمِنُ  
بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ  
الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ  
سَمِيعٌ عَلِيمٌ هِ اللَّهُ وَرِ  
الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ  
الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا  
اَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُوهُمْ  
مِنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمَاتِ اُولَئِكَ اَمَّا حَتَّى  
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ه

(البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷)

ایک اور جگہ فرمایا :-

بے شک ہم نے انسان کو راستہ دکھایا ہے۔ اب وہ چاہے شکر گزار بنے یا (ناشکر اور) کافر۔

اِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ اِمَّا  
شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُوْرًا  
(الذہر: ۳)

سورہ کہف میں ارشاد ہے۔

کہہ دو حق تمہارے رب کی طرف سے (چکھو) پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا لہ

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ  
فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ  
شَاءَ فَلْيُكْفُرْ

(الکہف: ۲۹) اختیار کرے۔

ان آیات میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حق آیا ہے وہ بالکل واضح ہے جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ اس کے بعد اس اقرار و انکار کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے تاکہ آدمی

فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کر وہ کس انجام کو پسند کرتا ہے؟ اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے۔ جبر و اکراہ اس کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ وہ اس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اختیار اور آزادی سے نوازا ہے، حالانکہ اللہ چاہتا تو ہر ذرہ کو اپنا تابع فرمان بنائے رکھتا اور کسی میں اس کی نافرمانی کا یا رانہ ہوتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ حق و باطل کو واضح کیا اور انسان کو پوری آزادی دی کہ ان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے۔ اس آزادی کے صحیح استعمال پر ہی اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔ اس کا غلط استعمال اس کو دنیا اور آخرت کی ناکامی سے دوچار کرے گا۔ یہ وہ زبردست مصلحت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں جبر نہیں رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے لیے جبر و تشدد کا طریقہ اپناتا ہے تو اس مصلحتِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس مضمون کی بعض آیات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

اگر تیرا بچا ہوتا تو زمین میں جتنے لوگ	وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ الْمُرَّةَ
ہیں سب کے سب ایمان لے آتے	فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أِنَّا نَتَّ
(جب اس نے یہ نہیں چاہا) تو کیا تم	نُكِّرُكَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ
لوگوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔	(یونس: ۹۹)
اکثر لوگ، آپ کتنا ہی چاہیں ایمان	وَمَا أَكْفَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ
لانے والے نہیں ہیں۔	بِمُؤْمِنِينَ ۚ (یوسف: ۱۰۳)

اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا قانون اس طرح بیان ہوا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم سب کو ایک	وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ
ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا	أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ
نہیں کیا) وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا	مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ
ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	يَشَاءُ وَلَسْتُمْ مِمَّا كُنتُمْ
اور تم جو کچھ کر رہے تھے اس کے بارے	تَعْمَلُونَ ۚ

(النمل: ۹۳) میں تم سے مزدور پوچھا جائے گا۔

سورہ شوریٰ میں یہی بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً  
وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ  
لِئْسَاءٍ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ  
مَا لَهُمْ مِنْ دُونِي وَلَا لِنَصِيرِهِ  
(الشوری: ۸)

لیکن وہ تو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت  
میں داخل کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس  
سے محروم کر دیتا ہے، ظالموں کا کوئی سرپرست  
اور مددگار نہ ہوگا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے داعی اعظم تھے۔ آپ کے قلب مبارک  
میں یہ بے پناہ خواہش موجزن تھی کہ اللہ کے سارے بندے اسلام کی دولت  
سے بہرہ درہو جائیں۔ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی  
ہے کہ یہاں فکر و عمل کا اختلاف لازماً رہے گا اور لوگوں کے طرز فکر اور طریقہ ہائے  
حیات جدا جدا ہوں گے، اس لیے آپ اپنی مقدس تمنا اور پاکیزہ خواہش کے باوجود  
انسانوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو ختم کر کے، سب کو اللہ  
کے دین کا پابند نہیں بنا سکتے۔ آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ حق واضح  
کر دیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم چلا دیتا  
ہے اور جسے چاہتا ہے ضلالت میں بھٹکنے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلام کے ماننے یا نہ ماننے کے سلسلہ میں یہ اس قدر منطقی اور معقول موقف  
ہے کہ حریت فکر کا کوئی بڑے سے بڑا علم بردار بھی آسانی سے اسے چیلنج نہیں  
کر سکتا۔ اس کی فقہی اور قانونی حیثیت کو مشہور فقیہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس  
طرح واضح کیا ہے:

(اسلامی ریاست میں) کسی ذمی یا مستامن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور  
کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے مجبوری کی حالت میں اسلام  
کا اظہار کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر مجبوری کے ختم ہونے کے بعد وہ

اسلام پر ثابت قدم رہے تو اس کے اسلام کو معتبر سمجھا جائے گا۔ اگر اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے درحقیقت اسلام قبول نہیں کیا اور حالت کفر میں اس کی موت واقع ہوئی۔ جبر کے ذریعہ اسلام لانے کے بعد اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے یا اپنے دین کی طرف لوٹ جائے تو اسے نہ تو ارتداد کی سزا (قتل) دی جائے گی اور نہ اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہی امام احمد، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی رائے ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت لا اکراه فی الدین (البقرہ: ۲۵۶) ہے۔

اس کے بعد کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام کے لیے جبر واکراہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ اسلام کی طویل تاریخ میں اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ کسی نے یہ حرکت کی ہے، جس کا ثابت کرنا آسان نہیں ہے، یا آئندہ کسی سے یہ حرکت ہو تو کیا اسے قرآن کی سند حاصل ہوگی؟

## اسلام اور دیگر مذاہب

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ معاندانہ ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے مذہبی جذبات کی رعایت نہیں کرتا اور ان کی قابل احترام شخصیتوں پر جارحانہ حملے کرتا ہے۔ اس کی تنقیدیں مذہبی دل آزاری کا سبب بنتی ہیں۔

یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ اسلام دین توحید ہے، اس نے شرک پر زبردست تنقید کی ہے اور اس کی کمزوریاں واضح کی ہیں۔ اس نبیاً پر مشرکین مکہ سے اس کی سخت کشمکش بھی رہی۔ ان حالات میں اس نے دو باتوں کا حکم دیا۔ ایک یہ کہ مشرکوں کے معبودوں کو، جنہیں وہ معبودانِ باطل

سمجھتا ہے، برا بھلا نہ کہا جائے، اس لیے کہ اس کے رد عمل میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ یہ بات سخت نازیبا ہے کہ ہماری کسی حرکت سے مخالفین میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی شان میں زبان درازی شروع کر دے۔ ارشاد ہے:-

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ  
مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ  
عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ  
زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ  
إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم  
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝  
یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے  
ہیں تم انہیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ اللہ سے  
آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو برا  
بھلا کہنے لگیں۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ  
کو اس کا عمل خوشنما بنا دیا ہے۔ پھر انہیں  
اپنے رب کے پاس لوٹنا ہے، وہ انہیں  
بتائے گا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

(الانعام: ۱۰۸)

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مخالفین کی طرف سے سب و تتم، لعن طعن اور تضحیک و تمسخر جاری ہے۔ اس کا جواب اسی زبان اور اسی لہجہ میں نہ دیا جائے، جواب ہونو بطریق احسن ہو گا، تمہارے خلاف گندی زبان استعمال ہو رہی ہے لیکن تمہاری زبان ہر طرح کی آلاش سے پاک رہے، کسی کے استعمال دلانے کی وجہ سے تہذیب و ثقافت کی کا دامن نہ چھوٹنے پائے اور حسنِ خلق سے دل چیتنے کی کوشش کی جائے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا  
السَّيِّئَةُ اِذْ فَعَّ بِالْأَبِيِّ هُوَ  
أَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ  
وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاْنْتُمْ وِوٰٓءَ  
حَمِيْمٍ وَمَا يَلْقٰٓهَا اِلَّا الَّذِيْنَ  
صَبَرُوْا وَمَا يَلْقٰٓهَا اِلَّا دُوْحٰطٍ  
عَظِيْمٍ ۝  
یکساں نہیں ہے نیکی اور برائی، تم  
بدی کو دفع کرو اس طریقہ سے جو احسن  
ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اور جس شخص  
کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ جگر کی  
دوست ہے۔ یہ خوب ان ہی کو ملتی ہے  
جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام اسی کو حاصل  
ہوتا ہے جو بڑے نصیب والا ہے۔

(فصلت: ۳۵)

وہ دین جو مخالفین کے معبودان باطل کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہ دے اور جو کارِ دعوت کو اتنی بلند اخلاقی سطح سے انجام دینے کی تعلیم دے جس سے زیادہ بندی ممکن نہیں ہے، اس کے بارے میں یہ الزام کتنا عجیب سا ہے کہ وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتا ہے؟

## اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا رویہ

قرآن مجید نے مشرکین کے ساتھ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے بھی براہِ راست خطاب کیا۔ ان سے اسلام کا بنیادی عقائد میں بڑی حد تک اشتراک تھا۔ خدا، رسول اور آخرت کو وہ اصولی طور پر مانتے تھے۔ ان کے پاس گوکہ آسمانی کتابیں تھیں، لیکن ان میں بڑے پیمانے پر تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے سلسلہ میں اسلام نے حسب ذیل رویہ اختیار کیا۔

دنیا میں جتنے بیغیر آئے ان سب پر ایمان کو ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی صریح کفر ہے۔

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے  
جو اس پر اس کے رب کی طرف سے  
نازل ہوئی ہے اور اس کے ماننے  
والے بھی اس پر ایمان لائے ہیں یہ رب  
ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اس کے فرشتوں  
اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں  
پر اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو  
ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا  
اَنْزَلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ  
وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ  
بِاللّٰهِ وَمَلَا يُكْتَبُ  
وَكُتِبَ عَلَيْهِ  
وَسُوْلِهِ لَا تَفْرَقُ  
بَيْنَ  
اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ۔

(البقرہ: ۲۸۵)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:-

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَبِئْرِيْدُونَ اَنْ  
 يُفْرِجُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ  
 وَيَقُولُوْنَ لَوْ كُنَّا نَبِيْعُهُمْ  
 وَبِئْرِيْدُونَ اَنْ  
 يَتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا  
 اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ  
 حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِيْنَ  
 عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِيْنَ  
 اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ  
 وَلَمْ يُفْرِجُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ  
 اُولٰٓئِكَ سَوَاتٍ لِّوَجْهِهِمْ  
 اُجُوْبُهُمْ <sup>(۱۵۱)</sup>  
 وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا <sup>(النّٰس)</sup>

کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے  
 ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان  
 تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو ملتے  
 ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور کفر و ایمان  
 کے بیچ میں راستہ نکالنا چاہتے ہیں تو  
 یہی لوگ بچے کافر ہیں اور کافروں کے  
 لیے ہم نے سزا کو عذاب تیار کر رکھا  
 ہے (اس کے برعکس) جو لوگ اللہ  
 اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے  
 اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی وہ  
 ان کو ان کا اجر ضرور دے گا اور اللہ  
 غفور و رحیم ہے۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبروں پر ایمان کو لازمی  
 قرار دیا بلکہ ان کے پیغام، ان کی دعوت، اس راہ میں ان کی جدوجہد اور قربانی اور  
 انسانوں کے ساتھ ان کی محبت اور ہمدردی کو تفصیل سے پیش کیا۔ ان کی سیرت  
 پر بہت سے داغ دھبے مخالفین نے اور بعض اوقات ان کے ماننے والوں اور  
 ان سے عقیدت کا دم بھرنے والوں نے ڈال رکھے تھے۔ اس نے ان کا ازالہ  
 کیا اور ان کی پاکیزہ سیرت اور درخشاں کردار کو واضح کیا۔ ان کی نیکی اور تقویٰ کی گواہی  
 دی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے اہل ایمان کو ان کی تباہی ہوئی راہ پر چلنے کا حکم دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى  
 اللّٰهُ فَبِهٰدٰهُمْ اَقْتَدٰه  
 یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے  
 راہ ہدایت دکھائی ہے۔ آپ ان  
 کی راہ کی پیروی کیجئے۔  
 (الانعام: ۹۰)

اسی طرح اس نے ان تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کی جو مختلف ادوار میں اللہ

کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں۔ ان پر ایمان اور یقین کو عقیدہ کا جزو قرار دیا۔ اسلام کے ماننے والے کسی شخص کا عقیدہ اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک کہ وہ سلسلہ وحی و رسالت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق نہ کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 ۱۱۱ مِّنْ أَمْرٍ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ  
 الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْنَا رَسُولِهِ وَ  
 الْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِن  
 قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ  
 وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
 فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

۱۔ وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان  
 لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس  
 کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل  
 کی اور ہر اس کتاب پر جو اس نے اس  
 سے پہلے نازل کی۔ جو شخص انکار کرے  
 اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی  
 کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت  
 کے دن کا تو وہ گم راہی میں بہت دور گمراہ  
 (انصار: ۱۳۶)

قرآن مجید کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس زمین پر جتنے بیغیر اُٹے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب نے توحید کی تعلیم دی، شرک کی تردید کی اور غیر اللہ کی عبادت و اطاعت سے منع کیا۔ اس بنیاد پر اس نے اہل کتاب سے کہا کہ توحید تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک کلمہ ہے۔ اؤ ہم سب مل کر اس پر عمل کریں اور اس کے تقاضے پورے کریں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا  
 إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ  
 أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ  
 بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا  
 بَعْضًا أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ  
 فَإِن لَّوَلُوا فَعُولُوا إِنَّ شَرَّ  
 دُورِ الْمُشْرِكِينَ ۝

اے پیغمبر کہو۔ اے اہل کتاب اؤ  
 ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور  
 تمہارے درمیان یکساں (مشترک) ہے وہ  
 یہ کہ ہم بندگی نہیں کریں گے مگر صرف اللہ  
 کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں  
 کریں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی  
 کو رب نہ بنا لے۔ پھر اگر وہ اسے قبول نہ  
 کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (اللہ کی

(آل عمران: ۶۴) اطاعت کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اگر خدا ہے اور اس کی طرف سے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رہا ہے تو اسلام کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ وہ اس سلسلہ کی آخری کڑی اور اس ہدایت و رہنمائی کی تکمیل ہے جو ہمیشہ سے نوع انسانی کو پیغمبروں کے ذریعہ ملتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ اسلام نے اہل کتاب کی تحریفات کی نشاندہی کی، حق و باطل کو الگ کر کے دکھایا، توحید، رسالت اور آخرت کا صاف اور بے آمیز تصور پیش کیا، ان کی دنیا داری پر تنقید کی، ان کے نیک اور صالح افراد کی تعریف کی۔ ان تمام مسائل پر بطریق احسن گفتگو کا حکم دیا:-

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر	وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ
اس طریقہ سے جو بہتر ہے سوائے ان	إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ كَذَٰلِكَ
لوگوں کے جو ان میں ظالم اور بے انصاف	الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَيُؤْمِنُوا
ہیں اور کہو کہ ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر	إِمَّا بِآيَاتِي أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کتاب پر	وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ وَالْمُهَيَّبَاتِ
جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ہمارا عبود	وَالْمُهَيَّبَاتِ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ
اور تمہارا عبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مطیع	مُسْلِمُونَ ۝

(عنکبوت: ۴۶) وقرآن برطہ ہیں۔

مذہب کے بارے میں کیا اس سے زیادہ سنجیدہ اور معقول رویہ کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

## جہاد اور اس کے احکام

اسلامی ریاست کا تصور اس کے مخالفین کے نزدیک دورِ قدیم کی ایک جنگ جو ریاست کا تصور ہے جو بدترین جارحانہ عزائم رکھتی ہے۔ وہ دوسروں کے عقیدہ و عمل پر حملہ آور ہوگی اور اپنے عقیدہ و عمل کو ان پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ ایک جابر قوت بن کر ابھرے گی اور دنیا کے امن و امان کو غارت کر کے رکھ دے گی۔ آج کے مہذب انسان کے لیے وہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلام ایک سخت گیر نظریاتی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ طاقت کے استعمال اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ جہاد ان حضرات کے نزدیک بہت ہی خطرناک اصطلاح ہے۔ یہ مخالفت کو بزورِ شمشیر اسلام پر مجبور کرنے اور نہ ماننے پر سرقم کر دینے کا نام ہے۔

اسلامی ریاست کا یہ پورا تصور ہی ایک ذہنی اختراع ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کوئی خیالی چیز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات قرآن، حدیث اور سیرت میں موجود ہیں، تاریخ نے عملاً اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ دنیا اس کے احسانات دیکھ چکی ہے، اس کے برکات سے فائدہ اٹھا چکی ہے اور اب بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ کیا اسلامی ریاست فی الواقع دنیا کے لیے خطرہ ہے؟ کیا وہ ایسی ریاست ہے جو اپنے نظریات کو طاقت کے بل پر منوائے گی؟ کیا جہاد کے نام پر وہ مستقل حالت جنگ جاری رکھے گی اور امن و امان کے لیے غارت گزرتا ہوگی؟ اس نے جہاد کا حکم کیوں دیا ہے؟ کن حالات میں دیا ہے؟ کس کے ساتھ جہاد

کرنے کا حکم دیا ہے؛

## اسلام فساد اور خوں ریزی کے خلاف ہے

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں تازہ رہنی چاہئے اور ہر دم تازہ رہنی چاہیے کہ اسلام خدا پرستی، خدا سے گہری وابستگی، اور اس کی عبادت و اطاعت کا نام ہے اس کے ساتھ جور و تعدی، خون خواری اور وحشت و بربریت جیسی صفات کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ یہ متضاد اوصاف ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسلام کی بنیادی دعوت ہی یہ ہے۔

اَلَا لَهٗ الْخَلْقُ وَالْاٰمْرُ  
تَبٰرَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ  
اُدْعُوْا اِلَيْكُمْ لَتَضُرُّعَا وَخَفِيَّةٌ  
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ  
وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ  
اِصْلَاحِهَا وَاُدْعُوْكُمْ خَوْفًا وَّ  
طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ  
مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

سن لو پیدا کرنا اور حکم دینا سب  
اللہ ہی کے لیے ہے۔ بڑا بابرکت ہے  
اللہ جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔  
اپنے رب کو پکارو گواہ اور چکے چکے۔  
بیشک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں  
کرتا۔ زمین میں اس کی اصلاح کا جب فیصلہ  
ہو چکا ہے تو فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو ڈر کر  
اور امید سے پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت  
مؤمنوں سے قریب تر ہے۔

(الاعراف: ۵۲-۵۶)

اللہ تعالیٰ کی زمین میں قتل و خون ریزی کا بازار گرم کرنا، فتنہ و فساد پھیلانا، امن و امان کو درہم برہم کرنا، ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کو آگ لگانا اور آبادیوں کو تہس نہس کرنا، خدا کے نافرمانوں اور دنیا پرستوں کا کام ہے۔ اس طرح کے کردار کا ایک جگہ ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک یہ ایک ناپسندیدہ کردار ہے۔ اس سے انسان اللہ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ جس

قَوْلُهُ فِي الْخَلْقِ الدَّيَّانِ وَيَسْتَهْدِ  
اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ  
وَهُوَ الذُّنُخْصَامُ وَإِذَا  
تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ  
لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ  
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ  
لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ وَإِذَا  
قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ  
الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُ جَهَنَّمَ  
وَلَيْسَ الْمِهَادُ ۝

کی باتیں دنیا کی زندگی میں ہمیں اچھی لگتی  
ہیں اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ  
ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ سخت  
بھگڑا رہے جب وہ (ہمارے پاس  
سے) لوٹتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے  
کھیتی اور نسل انسانی کو تباہ کرنے کے  
لیے تگ و دو کرنے لگتا ہے۔ اللہ  
فساد کو پسند نہیں کرتا جب اس سے  
کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا  
غور و نفس اسے گناہ پر جتا دیتا ہے۔ اس  
کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ برا لگتا ہے۔

(البقرہ: ۲۰۶-۲۰۷)

تو میں جب تک صلاح و فلاح کے راستہ پر گامزن رہتی ہیں ان کی مہلت حیات  
دراز ہوتی رہتی ہے اور جب وہ اس سے انحراف کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
ان کی تباہی کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ مٹا دی جاتی ہیں۔ نوع انسانی کی اس تاریخ کو  
قرآن مجید نے چند مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ  
مِنْ تَقِيكُمْ أَوْ لَوْا بِقَبِيحَةٍ  
يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي  
الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ  
أَنْجَبْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ  
ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ  
وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا كَانَ  
رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ

جو قومیں تم سے پہلے گزریں ان میں  
ایسے لوگ کیوں نہیں موجود رہے جن  
کے اندر ضمیر کے اثرات ہوتے اور فساد  
فی الارض سے منع کرتے۔ ایسے لوگ  
بہت ہی کم تھے جنہیں ہم نے ان قوموں  
میں سے بچا لیا تھا، ورنہ جن لوگوں نے  
ظلم کی راہ اختیار کی وہ اسی عیش کے پیچھے  
پڑے رہے جو انہیں حاصل تھا اور انہوں

وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝

نے مجراں زندگی گزارے تہا راب ایسا  
نہیں ہے کہ وہ لیبیل کونا حق تباہ کرے  
جیکان کے باشندے نیک رہے ہوں۔

(۱۱۷: ۱۱۷-۱۱۷)

جن قوموں نے سرکشی اور فساد کا راستہ اختیار کیا ان پر خدا کے عذاب کے تازیانے اس طرح برسے کہ وہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئیں اور دنیا کے لیے عبرت کا سامان بن کر رہ گئیں۔ عا د و ثمود اور فرعون جیسے جا برہ اور ان کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:-

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ  
فَالْتَرَوْا فِيهَا الْفُسَادَ فَصَبَّ  
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝  
إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۝

یہ سب وہ تھے جنہوں نے اپنے  
ملکوں میں سرکشی کا رویہ اختیار کیا ان  
میں بہت زیادہ فساد برپا کیا تو ہمارے  
رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔  
بے شک تمہارا رب گھات میں لگا ہوا ہے۔

(انفج: ۱۷-۱۷)

اسلام کے نزدیک قیادت و سیادت کے اہل وہ ہیں جن کے اندر تقویٰ اور خدا ترسی ہو، جو اس کے احکام کے پابند ہوں اور جن میں صلاح و فلاح کی طرف راہنمائی کی صلاحیت ہو۔ اس کے برخلاف جو لوگ ان صفات سے محروم ہیں۔ اس دنیا میں حدود نا آشنا زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کر رہے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے اور فساد کو پھیلنے پھولنے اور فروغ پانے کے مواقع فراہم کیے جائیں یہی بات حضرت صالحؑ کی زبانی ان الفاظ میں کہی گئی ہے۔ وہ اپنی قوم سے کہتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝  
وَلَا تَطِيعُوا أَمْوَ الْمُسْرِفِينَ ۝  
الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ  
وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ (النحر: ۱۵۰-۱۵۲)

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو  
اور حد سے بڑھنے والوں کے حکم کے پیچھے  
نہ چلو، جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور  
اصلاح نہیں کرتے۔

اسلام نے نوعِ انسانی کی صلاح و فلاح کا جس شدت سے حکم دیا اور فساد فی الارض سے جس زور اور قوت سے منع کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی دستور میں ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ ملے۔ وہ فلاح کی کوششوں کو کامیابی اور فساد اور بگاڑ کی مساعی کو ناکامی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کے ذہن و فکر کو صلاح کا رخ دیا اور اس کے سنی و غل کو خیر کی طرف موڑا ہے۔ اس کا جہاد بھی نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود ہی کے لیے ہے۔ اس نے اس وقت تلوار اٹھائی جب کفر و فساد کے تاریک بادل ہر طرف چھا گئے۔ عام انسانوں کو چند افراد اور چند طبقات نے اپنا غلام بنا لیا، ان کا ہر طرح استحصال کیا، ان کو فکر و نظر کی آزادی سے محروم کیا، ان پر حق و صداقت کے دروازے بند کر دیے اور ظلم و عدوان سے صراطِ مستقیم پر چلنا دشوار کر دیا۔ اس جہاد کو دنیا کی دوسری جنگوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

## اسلام کا تصورِ جنگ

دوسری چیز جسے سمجھنے کی ضرورت ہے وہ ہے اسلام کا تصورِ جنگ۔ اگر یہ پیش نظر نہ ہو تو آدمی جہاد کو اسی طرح کی ایک عام جنگ سمجھ سکتا ہے جو بالعموم دنیا میں ہوتی رہتی ہیں اور ہر بڑی جنگ اپنے پیچھے اتنے نقصانات چھوڑ جاتی ہے کہ عرصہ تک اس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔

جنگ ایک خوفناک مہم ہے، یہ خطرات سے گھری ہوئی زندگی ہے، اس میں جان و مال کا نقصان ہے، اہل و عیال، خولیش و اقارب اور وطن سے دوری ہے، محاذِ جنگ کی ہولناکی ہے، زخم، چوٹ، اعضاء و جوارح کی قطع و برید اور خون کی ازرانی ہے، اس وجہ سے انسان جنگ کے تصور ہی سے گھبراتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جنگیں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ سوال صرف ان کے مقاصد کا ہے۔ جنگیں ہوس س اقتدار و ملک گیری اور فرماں روائی کی خواہش اور جذبہ انتقام کے تحت بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ ان سے فساد فی الارض پھیلتا اور تباہی و بربادی آتی ہے۔ اس طرح کی کسی

بھی جنگ میں شرکت یا تعاون اسلام کے نزدیک انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔

اسلام نے جنگ کے سلسلے میں دو اقدامات کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کو ایک بہت ہی اعلیٰ و ارفع مقصد کے تابع بنایا۔ اسے وہ جہاد فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ جنگ جو اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑی جائے۔ اس میں نقصانات برداشت کرنا، زخم اور چوٹ کھانا، جان دینا اور مال لٹانا سب کچھ کا ثواب ہے۔ اس میں جنگ کرنے والوں کی عزت و توقیر ہے، یہ ان کے بقا کی ضمانت اور ان کے لیے باعثِ سربلندی ہے۔ خدا کے ہاں اس کا بے پایاں اجر و ثواب ہے۔ قرآن مجید نے اسی جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے جبکہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے یہاں صرف ایک حوالہ دیا جا رہا ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں

تمہیں ایسی تجارت کی نشاندہی کروں جو تمہیں

دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ کہ

تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو

اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور

اپنی جانوں کے ساتھ جنگ کرو۔ یہ تمہارے

حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اللہ تمہارے

گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں ایسی

جنتوں میں داخل کرنے کا حین کے

نیچے نہریں سببی ہیں اور پاکیزہ مکانات عطا

کرے گا جو ہمیشہ رہنے والے بناغات میں

ہوں گے۔ یہ سب بڑی کامیابی اور دوسری

وہ چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی دے گا یعنی اللہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ

أَدْرَأَكُم عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنَجِّيَكُم

مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ هَلْ يُؤْمِنُونَ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَجَاهِدُونَ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ

وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ كَثِيرٍ

وَمِنْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَٰلِكَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَآخِرُ

لِحُبُوبِهَا لَنْصُرَ مِنَ اللَّهِ

وَذَخِّجْ قَرِيبٌ وَ لَبْسٌ  
 الْمُؤْمِنِينَ  
 کی طرف سے نصرت اور قریب میں حاصل  
 ہونے والی فتح۔ اہل ایمان کو اس کی شدت  
 (الصف: ۱۰-۱۲) سنادو۔

یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ اس میں جان و مال کی بازی لگا کر آدمی اللہ کی  
 طرف سے مغفرت اور اس کی نعمت بھری ابدی جنتوں کا مستحق ہوتا ہے اس سے  
 اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی اور فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔

جنگ کے نقصانات کو بھی اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے لیکن اس  
 کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ان نقصانات کو انگیز کرنے اور اس راہ کی  
 دشواریوں کو برداشت کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس لیے کہ یہ جہاد مقاصد خیر کے  
 لیے ہے۔ اس میں نوع انسانی کی بھلائی ہے۔ اس کے پیچھے کسی قسم کے محکرات  
 شر اور فاسد جذبات نہیں ہوتے۔ یہی حقیقت ان آیات میں بیان ہوئی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ  
 وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ  
 وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا  
 شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ  
 وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا  
 وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ  
 يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ  
 تم پر قتال (جنگ) فرض کیا گیا ہے  
 اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ شاید تم ایک  
 چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق  
 میں بہتر ہو اور (اسی طرح) شاید تم  
 ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے  
 حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ کیا  
 تمہارے حق میں بہتر ہے اور کیا بہتر  
 نہیں ہے) اور تم نہیں جانتے۔  
 (البقرہ: ۲۱۶)

اس میں جنگ سے انسان کی طبعی گھبراہٹ اور خوف کا بھی ذکر ہے  
 اور یہ وضاحت بھی کہ جنگ خیر کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ خیر کے لیے اس کی  
 تلخیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری نفس پر  
 شاق گزرتی ہے لیکن اسی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کے دروازے کھلتے

میں یہی حال جنگ کا ہے۔ اس میں جان و مال کے خطرات اور نقصانات تو ہیں لیکن اللہ کے دین کی سرپٹندی اور نروع انسانی کی فلاح کے لیے تلوار اٹھانا اور اس کے لیے جان و مال کے نذرانے پیش کرنا انسان کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

## امن کو ترجیح حاصل ہے

اسلام نے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ بنانے کے ساتھ دوسرا اقدام یہ کیا کہ جنگ پر امن کو ترجیح دی۔ جنگ کی اسی حالت میں اجازت دی جب کہ امن و امان کے راستے بند ہو جائیں اور سوائے جنگ کے کوئی دوسرا راستہ کھلا نہ ہو۔ اسلام ایک دین دعوت ہے۔ وہ اپنے فکر کو عام کرنا چاہتا ہے۔ امن و امان کے ماحول میں اس پر سنجیدہ غور کرنے اور اس کے پھیلنے کے جتنے امکانات ہیں حالت جنگ میں یہ امکانات کم تر ہو جائیں گے۔ اس لیے اسلام نے امن و امان اور صلح و آشتی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ دشمن مصالحت اور جنگ بندی کے لیے آمادہ ہو تو خدا کے بھرپور مصالحت کرنی جائے تاکہ جنگ کی فضا ختم ہو اور اس کے نقصانات سے بچا جاسکے۔ احکام جنگ کے ذیل میں ارشاد ہے:-

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ  
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ  
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اگر وہ صلح کی طرف اٹل ہوں تو تم  
بھی اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور اللہ  
پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سنے اور  
جاننے والا ہے۔

(الانفال: ۶۱)

اس ذیل میں یہاں تک فرمایا کہ دشمن اگر صلح کے نام پر فریب دینا بھی چاہے تو گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا بہر حال صلح کی پیشکش ہو تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ  
فَهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

وہ اگر تمہیں دھوکا دینا چاہیں تاکہ اس

فَاتَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ  
الَّذِي آتَاكَ بِذُنُوبِكَ  
وَيَا لَمُؤْمِنِينَ ۝  
میت میں مزید جنگ کی تیاری کر سکیں  
تو اللہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔  
اس نے اپنی مدد سے اور مؤمنین کے  
ذریعہ تمہیں تقویت پہنچائی ہے۔ (الانفال: ۶۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی ہے۔ جہاں صلح کا امکان ہو وہاں وہ اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے جنگ و صلح کی نزاکت کو بھی سامنے رکھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ریاست اپنی خودداری اور وقار کا سودا نہ کرے۔ کمزوری کا اظہار کرنا اور ڈر کر ادب کر صلح کی درخواست کرنا اور اس کے لیے ہاتھ پھیلانا ایک خود مختار ریاست کی عزت و آبرو کے منافی ہے۔ اسی میں منظر میں کہا گیا ہے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى  
السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ  
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (محمد: ۳۵)  
پس تم کمزوری نہ دکھاؤ کہ صلح کی  
درخواست کرنے لگو۔ تم ہی سر بلند رہو  
اگر تم مؤمن ہو۔

## اسلام خدا پرستی کے لیے آزادی چاہتا ہے

اسلام خدا پرستی کا نام ہے۔ اسے وہ نوع انسانی کی فلاح و کامرانی کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے۔ اسی کی وہ دنیا کو دعوت دیتا ہے۔ اس کے لیے وہ دعوت و تبلیغ اور افہام و تفہیم کے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ زور زبردستی یا جبر کے ذریعہ اپنے خیالات کو مسلط نہیں کرتا، بلکہ اسے وہ ناروا اور غلط قرار دیتا ہے۔ البتہ وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کو اسے قبول کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے اور عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لیے کہ عقیدہ کی آزادی انسان کا بنیادی اور فطری حق ہے۔ اس کے اس حق سے اسے محروم کرنا بدترین قسم کا ظلم ہے۔ اسلام نے اسی وقت جہاد کیا جب کہ اس کے ماننے والوں کے اس حق کو

## تسلیم نہیں کیا گیا کیونکہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ مشرکین عرب نے مسلمانوں کو عقیدہ کی آزادی نہیں دی

اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسے قبول کیا، اہل مکہ ان کے جانی دشمن ہو گئے اور ان پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جانے لگے۔ اس سے بچنے کے لیے بہت سے افراد کو اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ حالات اسی سمت میں تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ نعوذ باللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے تیار ہونے لگے، اسی اثنا میں اہل مدینہ کے نمائندوں نے خاموشی سے اسلام قبول کیا۔ ان کی دعوت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی جلد ہی مدینہ کی تقریباً پوری آبادی اسلام کے دائرے میں آگئی۔ اب آپ کے ساتھیوں نے بھی مدینہ کا رخ کیا اور ہاجرین کا بے سروسامان قافلہ مدینہ میں جمع ہونے لگا۔ یہ جن حالات سے گزر کر مدینہ پہنچے۔ تاریخ نے اس کا ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے۔ یہاں اس کا حوالہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید نے بھی مختلف مواقع پر اس کی تصویر کشی کی ہے۔ یہ تاریخ سے زیادہ مستند ہے۔ اس سے زیادہ صحیح تصویر کشی اور کی نہیں ہو سکتی۔ یہاں بعض اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جارحانہ رویہ اور ناپاک عزائم کا بیان ایک جگہ چند لفظوں میں ہوا ہے لیکن پوری تاریخ ان کے اندر مضجک کر گئی ہے۔

یاد کرو اس وقت کو جب کہ وہ	وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ
لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار	الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ
کیا تمہارے خلاف تدبیریں کر رہے	أَوْ يُقْتَلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ
تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں	وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ
یا تمہیں یہاں سے نکال دیں۔ وہ اپنی	اللَّهُ وَاللَّهُ حَيَّرُ
چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر	الْمُكْرِمِينَ

کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے

والا ہے۔

(الانفال: ۳۰)

ایک دوسرا بیان ملاحظہ ہو خطاب منافقین سے ہے۔

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کوئی

پر وائیں، اللہ اس کی مدد کرے گا)

اللہ نے اس کی اس وقت مدد کی ہے

جب کفر کرنے والوں نے اسے وطن

سے نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دو میں سے

ایک تھا، جبکہ دونوں غاریں پناہ لیے

ہوئے تھے اور وہ اپنے ساتھی سے

کہہ رہا تھا کہ تم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ

ہے۔ پس اللہ نے اس پر اپنی طرف

سے سکون نازل فرمایا اور ایسے

شکروں سے اس کی مدد کی جنھیں

تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کے

کلمہ کلیت کر دیا اور اللہ کا کلمہ تو ہمیشہ بلند

ہی رہتا ہے اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ

لَصَّرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّا بِنَايَ

النَّاسِ إِذْ هُمْ فِي الْغَارِ

إِذ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ

سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ

بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا

السُّلْفَىٰ وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ

الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ

حَكِيمٌ ۝

www.kitabosunnat.com

(التوبہ: ۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جن زہرہ گداز حالات سے گزرا

پڑا اس کا ذکر ہے:-

وہ اللہ کے رسول کو اور تمہیں

(اے مسلمانو!) اپنے گھروں سے

نکال رہے ہیں (مض) اس وجہ سے

کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے۔

..... لِيُخْرِجُونَ الرَّسُولَ

وَأَيَّاكُمْ أَنْ تُلْمِزُوا بِاللَّهِ

رَبِّكُمْ ۝

(المتحنہ: ۱)

.....فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا  
 مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُذُوا وَأُفَّ  
 سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقَاتَلُوا  
 لَا لَقَرْنَ عَنْهُمْ سِتَاتِهِمْ  
 وَلَا دَخَلَتْهُمْ جَنَّتْ لَجَبْرِي  
 مِنْ لَحْتَهَا إِلَّا تَهَاوَتْهُ أَبَا  
 مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ  
 حُسْنُ التَّوَابِ ه

.... پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت  
 کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے  
 اور جنہیں میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائی  
 گئیں، جوڑے اور مارے گئے ہیں  
 ضرور ان کی کوتاہیوں کو معاف  
 کروں گا اور انہیں ایسی جنتوں میں  
 داخل کروں گا جن کے نیچے نہیں  
 بہ رہی ہوں گی۔ یہ ثواب ہے اللہ کی  
 جانب سے اور اللہ کے پاس بہترین  
 اجر و ثواب ہے۔ (آل عمران: ۱۹۵)

اموالِ فی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

..... لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ  
 الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ  
 وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ كَفْلاً  
 مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَبْصُرُونَ  
 اللَّهُ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ  
 هُمُ الصَّادِقُونَ ه

.... ان اموال میں ان محتاج اور  
 نادار مہاجرین کا حصہ ہے جو اپنے  
 گھروں سے اور اموال سے نکال  
 دیئے گئے۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور  
 اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور  
 اس کے رسول کی نصرت کر رہے ہیں۔  
 یہ ہیں اپنے ایمان میں صادق۔ (المتر: ۸)

قرآن مجید کے ان بیانات سے ان حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جن  
 سے اہل ایمان مکہ میں گزر رہے تھے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست پر جارحانہ حملوں کا جواب دیا گیا

ہجرت کے بعد مدینہ کی جھوٹی سی بستی نے ایک ریاست کی شکل اختیار کر لی اور

اسلام کی تعلیمات پر عمل ہونے لگا۔ محض اس بنیاد پر کہ یہ چھوٹی سی ریاست اسلام کی بنیادوں پر قائم ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہو رہی ہے، مشرکین مکہ اس کے درپے آزار ہو گئے اور اسے ختم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں اہل مکہ سے جہاد کی اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ مسلمانوں کو اب یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس جو مسلسل کا جواب دیں اور اپنا دفاع کریں۔

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ  
بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ  
لَصْرِهِمْ لَكَفَّيْرُوَالَّذِينَ  
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ  
يَخْبِرُونَكَ أَنَّ لَقَوْلُنَا  
رَبِّنَا اللَّهُ

اجازت دے دی گئی (جہاد کی)  
ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی  
جا رہی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا  
ہے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر  
قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناسخ  
اپنے گھروں سے نکال دیے گئے  
محض اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے

(الحج: ۲۹-۳۰)

کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اس ظلم کے خلاف اقدامات کے نتیجے میں جنگ بدر ہوئی اور جنگ احد ہوئی۔ جنگ بدر میں مسلمان غالب رہے اور جنگ احد میں انھیں شکست کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ اس کے دو ہی سال بعد جنگ احزاب ہوئی، جس میں یہود کے اکسانے پر اس پاس کے عرب قبائل کو ساتھ لے کر مشرکین مکہ مدینہ پر حملہ آور ہو گئے۔ اس ہمہ جہت یورش کا سماں قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

إِذْ جَاءَكُمْ مِنْ قَوْمِكُمْ  
وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ نَحَتْ  
الْأَبْصَارُ وَنَلَعَتِ الْقُلُوبُ  
الْعَصَا يَبْرُونَ تَطُنُونَ بِاللَّهِ الْكُفُؤَا  
هَذَا لِكَ اِبْتَلِ الْعَوْمُونَ

یاد کرو اس وقت کو جب دشمن  
تم پر چڑھ آئے مہار سے اوپر سے بھی  
اور نیچے سے بھی اور جب نگاہیں پتھرنے  
لیگیں اور کیلجے موٹھ کو آنے لگے تو تم اللہ  
کے بارے میں طرح طرح کے خیال کرنے

وَلَزِلْزَلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا  
وَأَذِيقُوا الْمَنَايِقُونَ وَالَّذِينَ  
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مِمَّا  
وَعَدْنَا اللَّهُ وَرَسُوهُ  
إِلَّا عُرُودًا ۝

گئے۔ اس وقت ایمان والے سخت  
آزائش سے گزرے اور بری طرح  
ہلا مارے گئے۔ یہی وقت تھا جب کہ  
منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن  
کے دلوں میں روگ تھا کہنے لگے کہ اللہ  
اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ  
کیا تھا وہ سب محض ایک فریب تھا

(الاحزاب: ۱۰-۱۲)

## خانہ کعبہ پر مشرکین کا ناجائز قبضہ

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم روا رکھا وہ انسانیت کے چہرہ پر بدناما  
داغ ہے۔ اسے دنیا کا کوئی قانون جائز نہیں قرار دے سکتا۔ دوسری طرف کعبۃ اللہ  
پر ان کا قبضہ غاصبانہ تھا۔ قرآن مجید نے تفصیل سے بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ جو کعبہ کے  
بانی تھے جن کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی تھی وہ عدائے واحد کے پرستار اور توحید کے  
علمبردار تھے، وہ زندگی بھر شرک سے لڑتے رہے، اس کے لیے سخت اذیتیں برداشت  
کیں اور تکلیفیں اٹھائیں وطن سے دور اپنی اولاد کو لاکر اس بے آب دگیاہ وادی میں  
آباد کیا، کعبۃ اللہ کو توحید کا مرکز بنایا لیکن اہل مکہ نے جن کا حضرت ابراہیمؑ سے  
براہ راست نسلی تعلق تھا ان کے درس توحید کو بھلا دیا، ان کی تعلیمات  
فراموش کر دیں اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کعبۃ اللہ کو بت خانہ میں تبدیل کر دیا اور اس  
پر اپنا قبضہ اور تسلط قائم کر لیا۔

۶۰۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے خانہ کعبہ کی زیارت  
کرنی چاہی تو انھوں نے روک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے  
صلح کی اور دس سال کے لیے ان سے ناجنگ معاہدہ کیا۔ لیکن جلد ہی اسے انھوں  
نے توڑ دیا۔ ان کے اس پورے رویے نے اس بات کا جواز فراہم کر دیا کہ کعبۃ اللہ پر سے

ان کا ناجائز قبضہ ختم کر دیا جائے۔ فتح مکہ نے اس کی راہ ہموار کر دی اور وہ از سر نو سارے عالم کا مرکز توحید بن گیا۔

## مشرکین عرب کا حکم

قرآن مجید نے مشرکین عرب اور دوسروں کے درمیان فرق کیا ہے۔ مشرکین نے اس نئے براہ راست خطاب کیا، شرک کا بے بنیاد ہونا ان پر ثابت کر دیا، انھیں توحید کی دعوت دی اور اس کے حق میں ناقابل تردید دلائل فراہم کیے۔ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپ نے ہر پہلو سے ان پر رحمت تمام کر دی۔ جب اس پر یاس برس کی طویل مدت گزر گئی تو کہا گیا کہ اب مرکز اسلام لازماً شرک سے پاک ہوگا، اس میں کسی کو شرک پر قائم رہنے کی اجازت نہ ہوگی وہ دعوت توحید کو قبول کرے یا اسلامی ریاست اس سے جہاد کرے گی۔ اس کے لیے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

مشرکین عرب سے جنگ سے پہلے ان کے معاہدے منسوخ کیے گئے، باقاعدہ اعلان جنگ کیا گیا، انھیں چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اس کے بعد جنگ ہوئی۔ اس سلسلہ کے بعض احکام یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ انھیں اسی پس منظر میں دیکھنا چاہئے حکم ہے:

فَعَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ	تم اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے
يُقَاتِلُوا نَكُمْ وَلَا تُفْتَدُوا	لا وجوہ تم سے لڑ رہے ہیں اور زیادتی نہ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ	کرد۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے
وَأَقْتَدُواهُمْ حَيْثُ تَفْتَمُوهُمْ	واہوں کو پسند نہیں کرتا۔ انھیں قتل
وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ	کرو جہاں بھی انھیں پاؤ۔ انھیں وہاں
أَخْرَجُواكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ	سے (مکہ سے) نکال دو جہاں سے

اس کی تفصیل سورہ توبہ میں موجود ہے۔

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ  
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
حَتَّى يُقْتَلُوا مِنْكُمْ فَنِيءٌ  
فَإِنْ قَتَلْتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ  
كَذَلِكَ حَبْرَاءُ الْكُفْرِينَ  
فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ  
رَحِيمٌ ۚ وَ قَتَلُوا هُمْ حَتَّى  
لَا تَكُونُ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ  
الَّذِينَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أَنْتَهُوا  
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى  
الظَّالِمِينَ ۚ

(البقرہ: ۱۹۰-۱۹۳)

انہوں نے ہمیں نکالا تھا فتنہ قتل سے  
بھی زیادہ شدید چیز ہے۔ مسجد حرام  
کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب  
تک کہ وہ خود تم سے جنگ نہ کریں۔  
اگر وہ تم سے لڑائی چھیڑ دیں تو تم انہیں  
قتل کر سکتے ہو۔ ایسے کافروں کا یہی  
بدلہ ہے۔ اگر وہ جنگ سے باز آجائیں  
تو تم بھی ہاتھ روک لو۔ بے شک اللہ  
بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا  
ہے۔ ان سے جنگ جاری رکھو یہاں  
تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے  
لیے ہو جائے۔ اگر وہ باز آجائیں تو زیاد  
رکھو کہ ظالموں کے موا کسی پر زیادتی روا

نہیں ہے۔

یہ آیات ایک ایسی صورت حال سے بحث کرتی ہیں جب کہ اسلامی ریاست  
حالتِ جنگ سے دوچار ہے اور میدانِ جنگ میں اسے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔  
یہاں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ ان سے کی جائے جو عملاً  
جنگ کر رہے ہیں۔ جب جنگ چھیڑی ہوئی ہے تو دشمن پر وار کرنے میں کوئی پس  
و پیش اور تامل نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں کہیں بھی اس پر قابو حاصل ہوا اسے تہ تیغ  
کر دیا جائے، اس لیے کہ اس کے بغیر جنگ جیتی نہیں جاسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ  
انسان کی جان بڑی قیمتی ہے۔ کسی کی جان لینا بہت بری چیز ہے لیکن اس سے بدتر  
چیز 'فتنہ' ہے۔ یہ جنگ اسی فتنہ کے خلاف لڑی جارہی ہے۔ فتنہ یہ ہے کہ آدمی  
کو اس کے عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا جائے اور محض اس کے عقیدہ کی وجہ سے  
اسے ظلم و ستم کا نشانہ بنا لیا جائے۔ یہ شریکین اسی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اب

تہارے لیے رہا ہے کہ جس طرح انھوں نے تمہیں مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا اسی طرح تم بھی انھیں وہاں سے نکال دو، تاکہ یہ سر زمین خدائے واحد کی اطاعت کے لیے خالص ہو جائے اور خانہ کعبہ کی تعمیر جس پاک مقصد کے لیے ہوئی تھی وہ پورا ہو۔ یہ خدا کا گھر ہے، اس کا احترام ضروری ہے۔ حالت جنگ میں بھی یہ احترام باقی رہنا چاہیے۔ جب تک دشمن اس کے حدود میں جنگ نہ شروع کرے اس وقت تک تم بھی جنگ سے کنارہ کش رہو تمہاری طرف سے سبقت نہ ہو۔ ہاں اگر وہ حدودِ حرم کا بھی پاس و لحاظ نہ کرے اور اس میں جنگ چھیڑ دے تو تمہیں جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھو جب تک کہ فتنہ کی بیخ کنی نہ ہو جائے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ ہونے لگے۔

ان احکام کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے۔ اس سلسلے کے احکام بھی ہیں۔ اسلام کے قوانین جنگ و صلح پر غور کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان میں سے کن امور کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے اور وہ کون سا سے احکام و ہدایات ہیں جو عمومی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کے عمومی احکام مشرکین عرب سے جنگ کے سلسلے میں بھی موجود ہیں۔ انھیں بھی سامنے رکھنا ہوگا۔

## اسلامی ریاست کا دفاع اور تحفظ ضروری ہے

دنیا کی ہر ریاست کی طرح اسلامی ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دفاع اور تحفظ کی طرف توجہ دے اور اس کا اہتمام کرے۔ اسلامی ریاست پر اگر جنگ مسلط کر دی جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے تحت زندگی بسر کرنے سے روکنے کی کوشش ہونے لگے تو اسلامی ریاست اس کا مقابلہ کرے گی۔ مخالف قوتیں ایک ہو کر اسے مٹانے پر تل جائیں تو وہ بھی متحد ہو کر اس کا جواب دے گی۔ حکم ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً  
 كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً  
 وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ  
 مشرکین سے تم سب مل کر لڑو جیسا  
 کہ وہ سب مل کر تم سے لڑ رہے ہیں  
 اور جان لو کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے  
 والوں کے ساتھ ہے۔ (التوبہ: ۲۶)

اسلامی ریاست مخالف قوتوں سے بے خبر غفلت کی نیند نہیں سونے کی۔ بلکہ اپنی حفاظت کا سامان کرے گی۔ دشمن سازو سامان سے لیں ہے تو وہ بھی اپنی تیاری جاری رکھے گی۔ وہ جنگی لحاظ سے مضبوط ہوگی تو مخالف قوتیں جو سامنے ہیں ان پر بھی اور جو پس پردہ ہیں ان پر بھی دھاک بیٹھے گی اور وہ اس پر حملہ آور ہونے کی بہت نہ کر سکیں گے۔ اس پر جو سرمایہ اور دولت صرف ہوگی اس کا پورا اجر و ثواب کل قیامت کے روز خدا کے ہاں ملے گا۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ  
 مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ  
 تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ  
 وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ  
 دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمُ  
 اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا  
 مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُلْقَ  
 إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ  
 ان کے مقابلے کے لیے، جہازک  
 تم سے ہو سکے (جنگی، قوت (فزاہم کرد)  
 اور سدھائے ہوئے گھوڑے تیار کرو  
 جس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور  
 اپنے دشمن کو خوف زدہ کرو۔ اس کے  
 علاوہ دوسروں پر بھی جھین تم نہیں  
 جانتے اور اللہ جانتا ہے، تمہارا  
 رعب قائم رہے تم اللہ کی راہ میں  
 جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ  
 اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور تم پر  
 کوئی ظلم نہ ہوگا۔ (الانفال: ۶۰)

اس مقدس جنگ کے لیے وجہ جواز یہ تھی کہ باطل قوتیں طاغوت کا پرچم اٹھا  
 پھر رہی ہیں اور حق کو صفحہ زمین سے مٹا دینا چاہتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہل ایمان

کی جنگ حق و صداقت کی راہ میں ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس میں اللہ کے بندے کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان دے رہے ہیں اس لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے اور باطل کی ساری تدبیریں ناکام ہوں گی۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُمَاتُونَ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا  
يُمَاتُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ  
فَمَا تَلُوا إِلَّا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ  
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ  
صَعِيفًا (اسناد: ۷۶)

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے  
راستے میں لڑ رہے ہیں اور جنہوں نے  
کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کے  
راستے میں لڑ رہے ہیں۔ تم شیطان کے  
ساتھیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان  
کی تدبیر کمزور ہے۔

## جنگ کے آداب

اسلام نے جنگ کے جو ضابطے بیان کیے ہیں، حالتِ جنگ میں جب کہ دنیا حق و باطل کو بھول جاتی ہے، جن اصول و قوانین کا پابند بنایا ہے اور عین محاذِ جنگ پر جن اخلاقی اقدار کی نگہداشت کی بدایت کی ہے، وہ دنیا کے قوانین میں ایک بے نظیر اضافہ ہے۔ ذیل میں ان اصول و آداب کی کسی قدر وضاحت کی کوشش ہوگی۔

جنگ ان سے کی جائے جو عملاً جنگ میں حصہ لے رہے ہیں اور ہر طرح کے ظلم و تعدی سے احتراز کیا جائے۔ جو لوگ جنگ میں ملوث نہیں ہیں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور شہری آبادیوں پر حملے نہ ہوں، غیر فوجی علاقوں کو نشانہ بنانا، عورتوں بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو ہدف بنانا صحیح نہیں ہے۔ جنگ خدا کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہو اور اس کے ساتھ کوئی دنیوی غرض وابستہ نہ ہو۔ یہ ساری باتیں ان چند الفاظ میں کہی گئی ہیں۔

وَعَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ  
يَعَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَغَدُّوا إِنَّ  
اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ه

اور اللہ کے راستے میں لڑو ان لوگوں  
سے جو تم سے لڑ رہے ہیں اور ظلم نہ زیادتی  
نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے  
والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ (البقرہ: ۱۹۰)

علامہ ابوالسعود اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں  
جنگ کرو، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مہلک نہ کرنے اور اس کے کلمہ کو اونچا کرنے  
کے لیے جہاد کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، زیادتی نہ کرو، سے مراد یہ ہے  
کہ جنگ خود سے نہ شروع کرو، جو شخص تمہارے جہد و ایمان میں ہے اس سے جنگ  
نہ کرو، دین کی دعوت دے بغیر ہی اپنا نیک حملہ نہ کرو، متقویوں کا مثلہ اور ان کی لاشوں  
کی بے حرمتی نہ کرو، عورتیں، بچے اور ان جیسے کم زور انسانوں کے قتل سے تمہیں منع کیا  
گیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت  
عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

فہی عن قتل النساء و  
النصیبان ۛ

آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل  
سے منع فرمایا۔

اس کا پس منظر حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں دیکھا  
گیا کہ مخالف کیمپ کی ایک عورت قتل ہو گئی ہے۔ آپ نے اس حرکت کو ناپسند  
کیا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

۱۔ ابوالسعود: تفسیر ارشاد العقل السليم الی مزایا الكتاب الکریم علی ہاشم ارزانی: ۲/۸۵  
۲۔ بخاری کتاب الجہاد، باب قتل النساء فی الحرب۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت باقاعدہ  
جنگ میں شریک نہ ہو لیکن اگر وہ قیادت کر رہی ہے یا حملہ آور ہے تو اس کا جواب دیا جائے گا۔ (جلد ۲/۵۴۲)  
۳۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والنصیبان۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء برزوی  
کتاب السیر، باب ماجاء فی البہی عن قتل النساء والنصیبان۔

حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر تقویٰ کی اور ان مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی نصیحت فرماتے جو جنگ میں شریک اور اس کے ماتحت ہیں۔ اس کے بعد فرماتے۔

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا تعدروا ولا تملثوا ولا تھتلوا  
 اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جنگ کرو، لڑو، ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ہے۔ لڑو، خیانت نہ کرو، دھوکا اور فریب نہ دو، کسی لاش کا شلہ نہ کرو، اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت میں آپؐ کی ہدایات ان الفاظ میں نقل ہوئی ہیں۔

انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملقہ رسول اللہ ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین  
 جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی مدد چاہتے ہوئے اور اللہ کے رسول کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے۔ قتل نہ کرو کسی شیخ، فانی کو، کسی بچہ کو، کسی کم سن کو اور کسی عورت کو۔ خیانت نہ کرو، اپنی غنیمتیں جمع کرو، اپنے معاملات ٹھیک رکھو اور حسن سلوک کر ڈالو۔ امان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زبیر بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں لشکر روانہ فرمایا تو انھیں ہدایت فرمائی۔

انک استجد قوم از عموا تمہیں ایسے لوگ ملیں گے جو کہیں گے

۱۔ سلم، کتاب الجہاد والیر، باب تأمیر الامام الامر علی البعث الخ۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین۔ ترمذی، کتاب الیر، باب ماجاء فی وصیۃ فی القتال۔  
 ۲۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین۔

أَنَّهُمْ حَبِصُوا أَنفُسَهُمْ لِلَّهِ  
 فَذَرَهُمْ وَمَا زَعَمُوا مِنْ  
 أَنَّهُمْ حَبِصُوا أَنفُسَهُمْ  
 لَهُ وَسَجَدُوا مَا فَصَّرَا  
 عَنْ أَوْسَاطِ رُؤُوسِهِمْ مِنْ  
 الشَّعْرِ فَاضْرِبْ مَا  
 فَصَّرَا عَنْهُ بِالسَّيْفِ  
 وَالْمِ مَوْصِيكَ بَعْشَرَ  
 لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا  
 صَبِيًّا وَلَا كَبِيرًا هَرْمًا  
 وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجْرًا مَثْمُرًا  
 وَلَا تَحْرَبَنَّ عَامِرًا وَلَا  
 تَعْقِرَنَّ شَاةً وَلَا بَعِيرًا  
 إِلَّا لِمَا كَلَّتْ وَلَا تَحْرِقَنَّ  
 نَجْلًا وَلَا تَفْرِقَنَّهٗ وَلَا  
 تَغْلُلْ وَلَا تَجْبِنَ لِي

کہ انہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کی عبادت  
 میں لگا رکھا ہے۔ ان (راہبوں) سے تو عرض  
 مت کرو۔ ان کے اس دعویٰ کو مان  
 لو کہ وہ اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے  
 ہیں۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو  
 اپنے سر کے درمیان جتنے منڈھا رکھے  
 ہوں گے۔ ان کے سر قلم کر دو میں تمہیں  
 دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں ہرگز  
 کسی عورت کو کسی بچہ کو اور کسی بوڑھے  
 کھوسٹ کو قتل نہ کرو، کسی پھل والے  
 درخت کو ہرگز مت کاٹو، اور کسی  
 قابل کاشت زمین کو خراب مت کرو  
 کسی بکری یا اونٹ کو سوائے کسی غذائی  
 ضرورت کے ذبح نہ کرو۔ ہرگز شہد  
 کی مکھڑوں کو جلا مت ڈالو یا انہیں منتشر نہ کرو۔  
 خیانت نہ کرو اور بڑھلی نہ دکھاؤ۔

سلہ مؤطا، ۱۱۱، مالک، کتاب الجہاد، باب البی عن قتل النساء والولدان فی الغزو۔ نصاریٰ کے جو سردار اس زمانہ  
 میں سرکارِ رومیانِ حصر صاف رکھتے تھے انہیں شہداء کہا جاتا تھا۔ زر قانی علی مؤطا: ۲/۲۹۵ غالباً یہ وہ دنیا دار  
 سردار تھے جو مذہب کا نباہہ اوڑھے رہتے تھے۔ کہا گیا کہ راہبوں سے تو تو عرض مت کرو البتہ ان دنیا چرتوں کو مت چھڑو۔  
 ان تعلیمات کے پیش نظر فقہاء نے کہا ہے کہ عورت، شیخ فانی، اپنا حج، انڈسے اور راہب پر میدان  
 جنگ میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جنگ میں براہِ راست حصہ لیں یا معاونت کریں تو مارے  
 جا سکتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۳۰/۱۳۱۔ اگر دشمن ان کم زور =

یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ جنگ کن لوگوں سے کی گئی اور اس کے اسباب کیا تھے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے حالتِ جنگ میں بھی کس قدر اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی ہے اور محاذِ جنگ پر بھی انسانیت کا کتنا احترام باقی رکھا ہے؟

موجودہ دور میں بم بارطیاریوں، رائٹوں اور جدید ترین ہلاکت خیز اسلحہ کی ایجاد نے جنگ کا نقشہ بدل دیا ہے۔ اب جنگ صرف محاذِ جنگ تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دُور دُور تک پھیل جاتی ہے۔ جنگ چھڑتے ہی اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ دشمن کو معاشی لحاظ سے تباہ کر دیا جائے، کارخانے اور فیکٹریاں ختم کر دی جائیں، دفاعی صنعتوں کو بدف بنایا جائے، حمل و نقل اور مواصلات کے ذرائع ناکارہ کر دئے جائیں۔ یہ ساری چیزیں بالعموم محاذِ جنگ سے دور اور شہری آبادیوں سے قریب ہوتی ہیں۔ ان حملوں کی زد میں جب یہ آبادیاں آتی ہیں تو مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے، بچے سب بغیر کسی امتیاز کے ان کا نشانہ بنتے ہیں اور موت کی نیند سو جاتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں وہ زہریلے ہتھیاروں کے استعمال کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتے۔ جسمانی، دماغی اور نفسیاتی امراض کا بعض اوقات اس طرح تمکار ہو جاتے ہیں کہ ان کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

اگر نوعِ انسانی کے ساتھ ہمدردی ہو اور جنگ کا بھی کوئی ضابطہ ہو تو اس سے ممکنہ حد تک بچا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض بین الاقوامی قوانین بھی ہیں، آئندہ اس طرح کے اور قوانین بھی وضع کیے جاسکتے ہیں۔ عام انسانی آبادی کی حفاظت کے لیے جو بھی قوانین وضع کیے جائیں وہ اسلام کے قوانینِ جنگ کے عین مطابق ہوں گے اور انھیں اسلام کی تائید حاصل ہوگی۔

طبقات کو ڈھال بنا کر حتیٰ کہ کسی مسلمان کو آگے کر کے کوئی جنگی چال چلنا چاہے تو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا۔ اس طرح عورتیں اور بچے وغیرہ کسی عمومی حملہ کی زد میں آجائیں تو یہ جنگی مجبوری ہوگی۔ (ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۱۶۶-۱۸۰)

## ذمیوں کے حقوق

اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو اس قدر مسخ کیا گیا اور بھیانک بنا دیا گیا ہے کہ اس کے زبان پر آتے ہی مظلومی اور محکومی محرومی اور مجبوری اور ذلت و رسوائی کا تصور ابھرنے لگتا ہے۔ یہاں اس کی براہ راست تردید کی جگہ اسلامی ریاست میں ذمی کی صحیح حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے خود بخود یہ بات نکھر کر سامنے آجائے گی کہ یہ ایک مسخ شدہ تصور ہے جو اسلامی تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ذمی اور دوسرے معاہدہ۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ یہاں پہلے اس کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔ جو مالک جنگ کے بعد فتح ہوئے اسلامی ریاست نے ان کے باشندوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی انھیں مذہبی آزادی عطا کی۔ ان کے مقتوح اور مغلوب ہونے کے باوجود ان کے قانونی حقوق متعین کیے۔ ان سے لازمی فوجی خدمات نہیں لی گئیں، اصطلاح میں انھیں ذمی کہا جاتا ہے۔ ان کو جو حقوق حاصل ہیں اس کے عوض ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

جزیہ کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ارشاد اور تعامل کی روشنی میں حسب ذیل اصول فقہاء نے بیان کئے ہیں۔

۱۔ بیشتر فقہاء کے نزدیک جزیہ آدمی کی مالی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ باج میں کم آمدنی والے بھی ہوتے ہیں، وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی آمدنی اوسط درجہ کی ہوتی ہے اور خوش حال افراد بھی ہوتے ہیں۔ کم آمدنی والے کا جزیہ اوسط آمدنی

والے سے کم ہوگا اور خوش حال آدمی کا جزیہ اس شخص سے زیادہ ہوگا جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

۲ جزیہ نقدی کی شکل میں وصول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس میں زرعی پیداوار اور مویشی بھی لیے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں صنعتی پیداوار سے بھی جزیہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

۳ نابالغ بچہ، عورت، فاجر العقل (پاگل)، فقیر، نادار، شیخ فانی، جسمانی طور پر معذور جیسے نابینا اور پانچ وغیرہ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح پادریوں اور راہبوں سے بھی نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ خود ہی دوسروں کی اعانت پر گزار بسر کرتے ہیں۔ جزیہ ادا نہیں کر سکتے۔

معاهدہ وغیر مسلم ہیں جن کے علاقے جنگ کے ذریعہ فتح نہیں ہوئے بلکہ وہ بعض شرائط کے ساتھ اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے۔ یہ شرائط چونکہ ریاست کے

بنیادی اصول، مفاد اور اس کی سالمیت کے خلاف نہیں تھے اس لیے ان کی بنیاد پر ان سے معاہدہ ہو گیا۔ جن شرائط کے تحت معاہدہ ہوا ان کی پابندی کی گئی۔

ذمی اور معاہدہ میں اس پہلو سے فرق ہے کہ ذمی کو اسلامی ریاست اپنی طرف سے حقوق دیتی ہے اور معاہدہ ریاست سے معاہدہ کے تحت اپنے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ ہمارے علماء جب ذمی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو یہ دونوں

سلہ جزیہ کی مقدار فقہ حنفی میں متعین ہے۔ اس میں حالات کے لحاظ سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ کہ جو غریب اور محتک کش ہے اس کے جزیہ کی مقدار سالانہ بارہ درہم ہوگی اور متوسط طبقے کے فرد کا جزیہ چوبیس درہم اور خوشحال شخص کا اڑتالیس درہم ہوگا۔ درالمنہار مع رد المحتار: ۳۶۷/۲۔ یہ تھیری اور معمولی رقم کسی بھی طبقے کے لیے کسی حال میں بار نہیں بن سکتی۔ اس سے بڑی بڑی رقم ٹیکس بن خوش دلی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ مماحب حیثیت مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے جو نقدین پر ۲½ فی صد اور زرعی پیداوار کا دسواں یا پچاسواں حصہ ہے۔ جو جزیہ کی رقم سے بہت زیادہ ہے۔ زکوٰۃ غیر مسلم پر نہیں ہے۔

۴ تفصیل کے لیے دیکھئے ابن قدامہ، المغنی: ۲۱۶/۱۳-۲۲۱۔

۵ مالک فرماتے ہیں کہ جو مالک جنگ کے ذریعہ فتح ہوئے وہاں کی زمین اور اموال مسلمانوں کی ملکیت ہوں گے۔ وہ ان کے لیے مال غنیمت ہیں اس کے برخلاف جن قوموں سے صلح ہوئی ان کے ساتھ صلح کے مطابق مال لیا جائے گا۔ ان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو وہ حسب سابق اپنی زمین اور جائیداد مالک ہوگا۔ (موطا، کتاب الجہاد، باب اجزائے من اسلم من اہل الذمہ)

طرح کے لوگ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر معاہدہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

المعاہد من کان بینک  
وبینہ عہد و اکثر ما یطلق  
در بیان عہد و بیمان جو حدیث میں اس  
فی الحدیث علی اهل الذمۃ  
کا زیادہ تر اطلاق ذمیوں پر ہوتا ہے۔  
وقد یطلق علی غیرہم  
کبھی ان کے علاوہ یہ ان غیر مسلموں کے  
من الکفار اذا صلحو  
لیے بھی بولا جاتا ہے جن سے کسی نہ ت  
علی ترک الحرب مدۃ ما  
تک کے لیے جنگ نہ کی کی صلح ہو جائے۔  
ذمی کی طرح معاہدہ پر کسی بھی نوع کی دست درازی کا کسی کو حق نہ ہوگا۔ علامہ ابن اثیر  
اس کے مال کی حیثیت بیان کرتے ہیں۔

لانہ معصوم المال  
یجبری حکمہ مجبری حکم  
اس لیے کہ اس کے مال کو عصمت اور  
حفاظت حاصل ہے۔ اس پر وہی حکم  
الذمی لہ  
نافذ ہوگا جو ذمی پر نافذ ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر نے معاہدہ کی تعریف اور اس سے جو عہد و بیمان ہوتا ہے اس کے  
بعض پہلوؤں کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ  
معاہدہ کی اصطلاح حدیث میں زیادہ تر ذمی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

## ذمی کی تعریف

ذمی کے حقوق بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے لغوی  
اور اصطلاحی معنی متعین ہو جائیں اور اس کی روشنی میں اہل علم نے اس کی جو تعریف کی  
ہے وہ بھی واضح ہو جائے۔ اس سے خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ یہ اصطلاح غیر مسلم  
رعایا کی تذلیل و تحقیر کے لیے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اس سے ان کے سلسلہ میں سلامتی

ریاست کی ذمہ داری واضح ہوتی ہے۔

ذمہ کے معنی عہد و پیمان، ضمانت، قابل احترام قول و قرار اور حق کے ہیں  
اسی سے ذمی یا اہل ذمہ مانوڑ ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

سمى اهل الذمة ذمة      اہل ذمہ کو ذمی اس لیے کہا جاتا  
لدخولهم في عهد المسلمين      ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان اور  
وامانهم له      امان میں وہ داخل ہیں۔

اسی ذیل میں کہا گیا ہے۔

الذمة هي الامان،      ذمہ کے معنی امان کے ہیں۔ اسی وجہ  
لهذا سمى المعاهد ذميا      سے معاہدہ کو ذمی کہا جاتا ہے۔ اس لیے  
لانه اعطى الامان على ذمة      کہ جو چیز اس سے لیا جاتا ہے اس  
الجزية التي تؤخذ منه ۳۳      کی بنیاد پر اسے امان دی گئی ہے۔  
اسی کے مادہ سے 'ذمام' کا لفظ آتا ہے۔ اس کی تشریح ان الفاظ میں کی  
گئی ہے۔

الذمام كل حرمة تلزمك      'ذمام' ہر محترم چیز کو کہا جاتا ہے  
اذا ضيعتها المذمة ومن      کہ اسے تم ضائع کر دو تو قابل مذمت  
ذلك ليسمى اهل العهد      قرار پاؤ، اسی وجہ سے اہل عہد کو  
اهل الذمة ۳۴      اہل ذمہ کہا جاتا ہے (کہ ان کے حقوق  
کی عدم ادائیگی بھی قابل مذمت ہے)

۳۳ ابن منظور، لسان العرب مادہ 'ذمم'

۳۴ حوالہ سابق

۳۵ حوالہ سابق

دورِ جدید کے ایک مستند عربی لغت میں ہے۔

الذی المعاهد الذی  
أعطی عہد ایا من بہ علی  
مالہ و عرضہ و دینہ لہ  
ذی وہ شخص ہے جسے عہدیمان  
دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مال  
اپنی عزت و آبرو اور دین کے بارے  
میں محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ ذی اسلامی ریاست کا وہ غیر مسلم شہری ہے جس کی جان  
ال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا وہ اس سے عہد کرتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سے  
جزیرہ یا ایک متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔

اس عہد و پیمان کی اہمیت کا اندازہ حضرت عمرؓ کے ایک بیان سے ہوتا  
ہے۔ جب آپؐ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپؐ نے انتقال سے پہلے اپنے بعد منتخب ہونے  
والے امیر کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک ذمیوں سے متعلق تھی۔ فرمایا۔

و اوصیہ بذمة اللہ  
وذمة رسوله صلی اللہ علیہ  
وسلم ان یوفی بہم بعہدہم  
وان یقاتل من ورائہم  
ولا یکفروا الا طاقہم بہ  
میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں  
کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے  
جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے  
ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کرے  
ان پر حملہ ہوا تو ان کے دفاع میں جنگ  
کرے اور ان پر اتنا ہی (جزیرہ کا) بوجھ ڈالے  
جتنا کہ وہ اٹھا سکیں۔

یہ اس بات کی ہدایت ہے کہ اسلامی ریاست کا ذمیوں سے خدا اور  
رسول کے نام پر ایک معاہدہ ہوتا ہے، اس معاہدہ کا پورا کرنا اس کے لیے ضروری

لہ المعجم الوسیط مادہ ذم

لہ بخاری، کتاب الناقب، باب قصۃ البیعة والاتفاق علی عثمان بن العاص، عمدۃ القاری ۱۲/۱۷۰

ہے۔ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اس ذمہ داری کو اسے ہر قیمت پر ادا کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ ان کے تحفظ کے لیے اسے دشمن سے جنگ بھی کرنی پڑے تو اسے اس کے لیے بھی تیار ہونا چاہیے۔

## ذمی کے حقوق

اسلامی ریاست میں ذمیوں کو جو حقوق حاصل ہوں گے ان میں سے بعض بنیادی حقوق کا یہاں ذکر کیا جائے گا اور ان کے سلسلے میں جو فقہی اور قانونی بحثیں ماہرین شریعت کے درمیان رہی ہیں ان کا بھی کسی قدر تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

## ذمی کی جان کی حفاظت

اسلام کے نزدیک ہر انسان کی جان محترم ہے۔ ناحق کسی کی جان لینا اس کے نزدیک سنگین جرم ہے۔ ذمی کی جان کا احترام بھی لازم ہے۔ وہ شخص سخت گناہگار ہے جس کے ہاتھ کسی ذمی کے خون سے رنگین ہوں۔ اسے جنت سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من قتل معاہدًا لم	جو کسی معاہدہ کو قتل کرے وہ جنت کی
یرح رائحة الجنة	خوشبو (بھی) نہیں پائے گا، حالانکہ اس
وان ريحها ليوجد من	کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک
مسيرة اربعين عامًا	موجود ہوگی۔
من قتل معاہدًا فغيب	جو شخص کسی معاہدہ کو بے بنیاد قتل
کنہہ حرم اللہ علیہ الجنة لہ	کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیگا۔

لہ بناری، کتاب الہیات، باب من قتل ذمیًا بغير جرم۔

لہ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الوفا للمعاہد وحرمة ذمہ۔ نسائی، قسامۃ، باب تعظیم قتل المعاہد۔

یہ وعیدیں ذمی پر دست درازی سے باز رکھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی ریاست اس کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے کوئی بھی شخص اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ ایک سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کے نزدیک مسلمان اور ذمی کا خون از روئے قانون برابر ہے؟ کیا کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے یا اس معاملہ میں دونوں کے درمیان فرق ہے؟ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں صرف اصولی ہدایات دی ہیں، ان ہی سے اس سلسلہ میں راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس نے قتلِ ناحق کی صریح ممانعت کی ہے اور مظلوم کی داد رسی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي  
حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ  
قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا  
لِرَبِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ  
فِي الْقَتْلِ ۗ إِنَّهُ كَانَ مُنْصُورًا

اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ  
نے حرام قرار دیا ہے مگر یہ کہ حق کا تقاضا  
ہو۔ جس شخص کا مظلومانہ قتل ہو مرنے  
اس کے دنی کو قصاص کا حق دیا ہے۔  
پس وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے

(بنی اسرائیل: ۳۳) اس کی مدد ہوگی۔

اسلام نے قاتل سے 'قصاص' کا حکم دیا ہے۔ 'قصاص' میں برابری اور مساوات کا تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کی جان برابر ہے۔ ان کے درمیان فرق نہیں ہوگا۔ مقتول چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، اہل بیت ہو یا بے حیثیت، اس کے عوض قاتل کی جان لی جائے گی، قطع نظر اس کے کہ وہ سماج کا ایک عام فرد ہے یا اس کی کوئی بااثر اور معزز شخصیت ہے اس لیے کہ اس نے قتل کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی جان کی عصمت کھو دی ہے۔

۱۔ یہاں قصاص پر گفتگو کو زیر بحث موضوع کی حد تک محدود رکھا گیا ہے۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید کا حکم ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ  
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ..... (البقرہ: ۱۷۹)

اے ایمان والو! مقتولین کے سلسلے میں  
تم پر قصاص (مساوات) فرض کر دیا گیا ہے۔

اس حکم کی علت اور حکمت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ  
حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۷۹)

اے قتل والو! تمہارے لیے قصاص  
میں بڑی زندگی ہے۔ تاکہ تم (اس طرح)  
قتل سے بچتے رہو۔

مطلب یہ کہ قانونِ قصاص پر عمل ہو تو قتل کا اقدام کرنے سے پہلے آدمی  
یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اس کے بعد اس کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ اس سے  
دونوں کی زندگی بچ سکتی ہے۔ کسی قوم میں قتلِ ناحق کی راہ کا سدود ہونا اس کی  
حیات کا ذریعہ ہے۔ اس سے بے شمار انسانوں کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس  
سلسلے میں اصول یہ بیان ہوا ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ  
بِالْعَيْنِ..... (المائدہ: ۴۵)

بے شک جان کے بدلہ جان ہے  
اور آنکھ کے بدلہ آنکھ.....

## ذمی کا قصاص مسلمان سے

اس حکم کے دائرہ میں ذمی بھی آتے ہیں یا نہیں اس کے معلوم کرنے کے  
لیے احادیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے۔

كَالْقَتْلِ مُسْلِمٍ بِكَافِرٍ لَّهُ  
جَانَهُ

مسلمان کو کافر کے برابر قتل نہیں کیا  
جانے گا۔

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

لے بخاری، کتاب الدیات، باب لا یقتل مسلم بکافر



سے مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف بھی کر دیں تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ یہ ذمی کے مسلمان قاتل سے قصاص نہ لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے کوئی دوسری سزا بھی نہیں دی جائے گی بلکہ جیسا کہ علامہ ابن حزم نے کہا ہے قتل، خاص طور پر قتل عمد ہو تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی ہوگی۔ قاتل کو قید و بند کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

امام شعبی، ابراہیم نخعی، محمد بن ابی لیلیٰ، عثمان بن ابی، امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا۔ اگر وہ اسے قتل کر دے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ صحابہ کرام میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ ان حضرات کی ایک دلیل تو قرآن مجید کے یہ الفاظ ہیں اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ اِجَابًا کے بدلہ جان، ان میں مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہو یا ذمی دونوں کے لیے قصاص کا ایک ہی حکم ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے تو اس سے ذمی نہیں بلکہ حربی کافر مراد ہے۔ یہی مطلب دوسری حدیث کا ہے کہ کسی مومن کو اور اسی طرح کسی معاہدہ کو جب تک اس کا عہد باقی ہے حربی کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہاں معاہدہ کے مقابل میں کافر کا لفظ حربی کافر کے لیے آیا ہے۔ ظاہر ہے جس سے جنگ ہے اس کا خون ایک مسلمان یا ذمی یا معاہدہ کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور ذمی کو ریاست کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس معاملے میں وہ مسلمان کے برابر ہے۔

۱۔ شرح زرقانی علی الماظا: ۲۲۳

۲۔ عینی، عمدۃ القاری: ۱۹/۳۴۹

www.kitabosunnat.com

۳۔ حوالہ سابق

۴۔ فقرہ ضمنی کے نقل و نظر کو سمجھنے کے لیے دیکھیے جلد ۱۰، صفحہ ۵۵۹۔ فریقین کے دلائل اور ان کے =

دوسری بات یہ کہ ان روایات کے بالمقابل بعض اور روایات بھی ہیں جو صحیح ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا گیا۔ یہ روایات سند کے اعتبار سے گو مقدم الذکر روایات کے پایہ کی نہیں ہیں لیکن مجموعی طور پر استدلال کے قابل ہیں۔ دارقطنی وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا:

انا اصرم من وحقا میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ  
بذمتہ لے شریف ہوں جنہوں نے اپنا عہد و پیمانہ  
پورا کیا۔

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے اہل حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا۔  
ایک اور روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے نکھا کہ قاتل کو مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دیا جائے چاہے وہ اسے قتل کریں یا معاف کر دیں۔ چنانچہ اسے مقتول کے وئی کے حوالہ کر دیا گیا جسے ضین کہا جاتا تھا۔ اس نے قاتل کو قتل کر دیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی نکھا کہ اگر وہ قتل نہیں ہوا ہے تو اسے قتل مت کرو۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ مقتول کے اولیاء کو ودیت پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔  
حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک مسلمان کو پیش کیا

= ضعف وقوت کے جاننے کے لیے ملاحظہ ہو۔ خطابی، معالم السنن، ۱۶/۱۶-۱۹، فتح الباری، ۱۳/۲۶۱-۲۶۲، بیروانی،

نیل الاوطار، ۱۵۲/۱۵۵

۱۵۔ یہ حدیث کزور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ زلیخی، نصب الراية فی تاریخ احادیث الہدایہ، ۳/۳۲۵-۳۲۶، نیز دیکھی جائے

ابن حجر، فتح الباری، ۱۳/۲۶۲

۱۶۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰/۱۰۱-۱۰۱/۱۰۱، زلیخی، نصب الراية، ۳/۳۲۶

۱۷۔ المصنف، ۱۰/۱۰۱-۱۰۲/۱۰۱، نصب الراية، ۳/۳۲۷

گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا۔ جب قتل ثابت ہو گیا تو آپ نے قاتل سے قصاص کا حکم دیا۔ اتنے میں مقتول کا بھائی حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ حضرت علیؑ نے اس سے کہا کہ شاید ان لوگوں نے تمہیں ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس کے قتل کرنے سے میرا بھائی تو نہیں مل جائے گا پھر یہ کہ انھوں نے مجھے اس کا معاوضہ بھی پیش کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ تم خود اپنے معاملہ کو سمجھ سکتے ہو۔ اس کے بعد حکم شریعت بیان کیا۔

من کان له ذمتنا فدمه      جسے ہمارا ذمہ ہے اس کا خون ہمارے  
صد منا و دیتہ کدیننا۔      خون کے برابر اور اس کی دیت ہماری

دیت کے برابر ہے۔

میوں بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک تحریر دیکھی جو حیرہ کے گورنر کے نام تھی۔ اس کا تعلق اس معاملہ سے تھا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی تحریر میں لکھا کہ قاتل کو تم مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دو۔ وہ چاہے اسے قتل کر دیں یا معاف کر دیں۔  
اس سے اتنی بات واضح ہے کہ اسلامی ریاست اگر یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا اور ذمی کے بدلہ مسلمان کو قتل کیا جائے گا تو یہ کم زور موقف نہ ہوگا۔ اس کے حق میں بھی اتنے ہی دلائل ہیں جتنے مخالف نقطہ نظر کے حق میں ہیں۔

لے اس کی سندیں ضعف ہے۔ امام شافعی نے معنوی لحاظ سے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے خود حضرت علیؑ نے اس کے خلاف روایت بیان کی ہے کہ مسلمان سے کافر کا قصاص نہیں لیا جائے گا یہ باطل صحیح حدیث ہے۔ کیا وہ آپ کے ارشاد کے خلاف فیصلہ کر سکتے ہیں؟ نصب الایام: ۳۲۷/۴۔ لیکن جیسا کہ اضافہ نے توجیہ کی ہے روایت کو جزیوں سے متعلق ان لیا جانے تو روایت اور علیؑ میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

سے زیلی، نصب الایام: ۳۲۷/۴

## ذمی کی دیت

اسی طرح کی بحث ذمی کی دیت کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں تین نقطہ نظر ملتے ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی تہائی (۱/۳) ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمان کی دیت بارہ ہزار اور یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار مقرر کی تھی۔ مجوسی کی دیت اس سے بھی کم آٹھ سو درہم رکھی۔

امام احمد اور بعض دوسرے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف (۱/۲) ہے۔ اس کی دلیل عمر بن شعیب کی روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دیتة المعاهد نصف دیتة

معاهد کی دیت (مسلمان) کی دیت کی

نصف ہے۔

الحر ۵۵

۱۔ ملاحظہ ہو خطابی، معالم السنن: ۳/۳۶-۳۸۔ ابن مبرہ، الافصاح: ۲/۲۱۱۔ ابن رشد، بریۃ المجتہد: ۶/۶۶

۲۔ ابن تدریس، المنہج: ۱۳/۵۵

۳۔ ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لا یقتل مسلم لکافر۔ بیہقی، السنن الجری: ۱۰/۱۰۰۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے زیلیں، نصب الراية: ۴/۳۶۵۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۴/۲۲۶-۲۲۲۔ حضرت عثمانؓ سے بھی یہودی اور نصرانی کی یہی دیت منقول ہے۔

۴۔ ابو داؤد، کتاب الدیات، باب فی دیتہ الذمی، خطابی کہتے ہیں میں نے فی دیتہ اہل الکتاب شیعہ میں من پڑا۔ معالم السنن ۴/۳۶۔ یعنی اہل کتاب کی دیت کے سلسلے میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی روایت نہیں ہے۔

یہی روایت ابن الغزالی کے ساتھ بھی آئی ہے۔

دینۃ عقل الکافر نصف کافر کی دینت مومن کی دینت کی

دینۃ عقل المومن نصف ہے۔

سنن نسائی کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

عقل الکافر نصف عقل کافر کی دینت مومن کی دینت کی

مومن کی دینت نصف ہے۔

اہم ایک اور بعض دوسرے صحیح روایات کو ذمعی بن کتاب

کے ساتھ مضموم سمجھے ہیں۔ اس لیے کہ یہ روایت ن غزالی کے ساتھ بھی آئی ہے۔

عقل کافر نصف عقل مومن کی دینت مومن کی دینت

مؤمنین وہم یہود و نصاریٰ کے نصف ہے۔ اہل ذمہ و بدعتیہ

ان حدیث کے نزدیک جن روایات میں "فرد غفر" ہے یہ روایات بہائی

ہیں کہ اس سے ابن کتاب مایوں۔ غیر بن کتاب اس میں شامل نہیں ہیں۔ اہم ایک

فراگے ہیں کہ فی حدیث عمر بن عبد العزیز کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے۔

قضی ان دینۃ یہودی ان انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ یہودی اور

انصاری کا حق نصف ہے۔ انصاری میں سے کوئی قتل ہو جائے تو اس

نصف دینۃ العدم ہے کی دینت آزاد مسلمان کی دینت کی نصف ہوگا۔

سہ ترمذی، ابواب الدیات، باب اجارہ لایقتل مسلم بکافر۔

سہ نسائی ابواب القصاص، باب کم دینۃ الکافر۔

سہ حوالہ سابق، مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل عقل اہل الکتاب

من یہود و انصاری نصف عقل المسلم ۹۲/۱۰۔ ایک اور روایت میں ہے قضی ان عقل اہل الکتاب من

نصف المسلمین وہم یہود و انصاری۔ دارقطنی مطبوعہ ہند ۳۲۰۔

سہ موطا، کتاب العقول، باب اجارہ فی دینۃ اہل الذمہ، ترمذی، ابواب الدیات، باب اجارہ لایقتل مسلم بکافر۔

مجوس کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ان کی دیت آٹھ سو درہم ہوگی۔ یہ اہل کتاب کی دیت سے بہت کم ہے۔ اسی کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے اختیار کیا ہے۔  
مشہور تابعی حضرت سلیمان بن یسار کہا کرتے تھے۔

دية المجوس ثمانمائة درهم مجوس کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام مالک اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ہمارے ہاں اسی پر عمل ہے۔  
مجوس ہی کے حکم میں دوسری بت پرست قومیں بھی داخل ہیں۔  
اس نقطہ نظر پر تنقید کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ خیال کہ عمرو بن شعیب کی سند سے مروی حدیث میں اہل کتاب کا ذکر ہے اس لیے ان ہی کی دیت نصف ہوگی، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ کسی گروہ کا خاص طور پر ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے گروہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ حدیث کے الفاظ مختلف راویوں نے نقل کیے ہیں ان میں سے کئی ایک کے الفاظ عام ہیں۔ اس لیے اس میں اہل کتاب ہو یا مجوسی اسلامی ریاست کا ہر ذمی شامل ہے۔ سب کی دیت نصف ہوگی۔  
حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی اس رائے کا ذکر آچکا ہے کہ ذمیوں میں جو اہل کتاب ہیں ان کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہوگی۔ ایک روایت ان سے مجوس کے متعلق بھی مروی ہے۔

۱۔ دارقطنی ص ۳۲۳

۲۔ احمد الدریر مالکی فرماتے ہیں کہ کتابی ذمی ہو یا امان یافتہ حربی دونوں کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔ مجوسی اور مرتد کی دیت  $\frac{1}{15}$  ہے۔ سونا  $\frac{1}{15}$  دینار یا چاندی آٹھ سو درہم یا اونٹ  $\frac{1}{15}$ ۔ الشرح الصغیر علی

اقرب المسالك: ۲/۳۷۹

۳۔ مؤلف، کتاب العقول، باب ماجاء فی دية اهل الذم۔

۴۔ ابن قدام، المغنی: ۱۳/۵۵-۵۶ ۵۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۲۲۳/۷۰

جعل دية المجوسى نصف انہوں نے مجوس کی دیت مسلمان کی  
دیت المسلم لے دیت کی نصف رکھی۔

ہشام بن عروہ کہتے ہیں:

دية الذی خمس مائة دينار ذمی کی دیت پانچ سو دینار ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور امام ثوری کے نزدیک ذمی کی دیت وہی ہے جو مسلمان کی دیت ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح کی رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ملتی ہے۔ ہدیہ میں فقہ حنفی کا مسلک ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

دية المسلم والذی سواہ مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

اس لفظ نظر کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

..... وَإِنْ كَانَ مِنْكُمْ مِّنْ مَّنْ قُتِلَ أَوْ قَتَلَ

وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مِّنْ مَّا كَرِهُوا

أَوْ قَتَلُوا أَوْ قَتَلُوا أَوْ قَتَلُوا (النساء: ۹۲) کو پوری دیت دینی ہوگی۔

اس سے واضح ہے کہ جس قوم سے میثاق اور عہد و پیمان ہے اس کے مقتول کی اسی طرح پوری دیت دی جائے گی جس طرح ایک مسلمان مقتول کی دی جاتی ہے۔ بعض احادیث و آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ نے دو افراد کو جن کے نام عامر تھے قتل کر دیا۔ ان افراد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ

۱۔ عبدالرزاق، المعنف: ۹۵/۱۰

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ المعنی: ۵۱/۱۲

۴۔ ہادیہ: ۵۸۲/۴



مصنف عبدالرزاق میں حضرت علیؓ سے منقول ہے۔

دیة الیہودی والنصرانی یہودی اور نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان  
 ذکل ذمی مثل دیة المسلم کی دیت کے برابر ہے۔  
 امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں 'وہود قونی' (یہی میری رائے ہے)۔  
 حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے :-

دیة المعاهد مثل دیة معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے  
 المسلم مثل ہے۔

یہ وہی بات ہے جو حضرت علیؓ نے کہی ہے۔

جن روایات سے مسلمان اور ذمی کی دیت کے یکساں ہونے کا ثبوت ملتا ہے  
 ان میں گو کسی قدر ضعف ہے لیکن مجموعی طور پر قابل استدلال ضروریں۔ آثار صحابہ سے  
 جہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض صحابہ نے ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کا نصف  
 یا اس سے کم کہا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کے نزدیک ذمی اور  
 مسلمان کی دیت برابر ہے بلکہ بعض صحابہ سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ اس  
 کا ثبوت اوپر کے نقل کردہ اقوال سے ملتا ہے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ گو ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے لیکن  
 بطور تعزیر اس میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت  
 عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی  
 کو عداً قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے قصاص تو نہیں لیا البتہ دیت میں اضافہ

۱۰/۹۷

کہ حوالہ سابق اس سلسلہ کے مزید اقوال ص ۹۸ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۰/۹۷-۱۰/۱۰۳

۱۰/۹۷

کر کے مسلمان کی دیت کے برابر اس پر دیت لازم کر دی۔  
 امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں خالد بن مہاجر نے ایک  
 ذمی کے قتل کا ارتکاب کیا تو انھوں نے بھی اسے قتل نہیں کیا البتہ دیت میں اضافہ  
 کر کے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔

ان دلائل کی بنا پر فقہ حنبلی میں گو ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کی نصف  
 مانا گیا ہے لیکن بطور تعزیر اس میں اضافہ کا جواز پایا جاتا ہے۔  
 ان تفصیلات کے پیش نظر مسلمان اور ذمی کی دیت میں مساوات کی فقہ میں  
 پوری گنجائش ہے بلکہ اسے اس پہلو سے ترجیح حاصل ہے کہ یہ عدل و انصاف  
 کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اسلامی ریاست اسے اختیار کر سکتی ہے۔

## ذمی کے مال کی حفاظت

ذمیوں کی جان کی طرح ان کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسلامی  
 ریاست پر ہے۔ کسی کو ان کے مال پر قبضہ کرنے اور ان کی املاک اور جائیداد سے  
 ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگِ خیبر  
 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جنگ کے بعد یہود نے آ کر شکایت کی  
 کہ لوگ ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ جب کہ یہ چیزیں کھلے میدان میں نہیں  
 محفوظ جگہوں پر ہیں۔ یہود سے چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا اس لیے آپ نے فوراً ہدایت فرمائی۔

الا لایحل اموال المعاہدین      صن نو معاہدین کے اموال حلال نہیں ہیں  
 الا بحقہما ینہ      آیا یہ کہ ان کے لینے کا (ریاست کی طرف سے) حق ہے۔

۱۔ عبدالرزاق، المعنف: ۱۰/۹۶

۲۔ حوالہ سابق، نیز اس موضوع پر ملاحظہ ہو۔ نصب الرایہ: ۴/۳۶۸

۳۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/۵۳

۴۔ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب انہی عن اکل السباع

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے جو بڑا شریر تھا یہ شکایت کی کہ لوگ ہمارے جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں، ہمارے پھل کھا رہے ہیں، عورتوں کے ساتھ مار پیٹ ہو رہی ہے۔ آپ نے اس کی شکایت پر توجہ فرمائی۔ لوگوں پر سخت ناراض ہوئے۔ انھیں جمع کیا، نماز پڑھی اور خطبہ دیا جس میں فرمایا:-

ان اللہ لم یحل لکم  
ان تدخلوا بیوت اہل الکتاب  
الباذن ولا ضرب لسانہم  
ولا اکل ثمارہم اذا اعطوکم  
ما علیہم۔  
اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کو حلال نہیں قرار دیا ہے اور زبان کی عورتوں کو مارنے اور ان کے پھل کھانے کی اجازت دی ہے جبکہ وہ اپنے اوپر جو واجب (جزیہ) ہے اسے تمہیں ادا کریں۔

حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر کسی ذمی یا معاہدہ کا مال کہیں پڑا ہوا ملے تو مسلمان کے لیے اس پر قبضہ کر لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت مقدم بن صدیق ربیع کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لایحل..... اللقطة  
من مال معاہد الا ان  
استغنی عنہا  
سن لو معاہد کے مال کا لفظ (جو چیز گرجائے) حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی اسے ضرورت نہیں ہے تو اسے لے سکتے ہو۔

ذمیوں کی وہ چیزیں جنہیں مسلمان ناپاک تصور کرتا اور جن کے استعمال کو حرام سمجھتا ہے انہیں بھی وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ورنہ فقہ حنفی کی رو سے اسے تاوان دینا ہوگا۔ شراب اور خمر اس کی دو مثالیں ہیں۔ فقہ حنفی کی رو سے اگر یہ کسی مسلمان

۱۔ ابوداؤد، کتاب الخراج والفتی والامارہ، باب فی تعزیر اہل الذمۃ  
۲۔ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب الہنی عن اکل الباع۔

کی ملکیت میں ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان انھیں نقصان پہنچا دے یا ختم کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ چیزیں ایک مسلمان کے نزدیک بے قیمت ہیں۔ لیکن اگر یہ کسی ذمی کی ہوں اور مسلمان انھیں نقصان پہنچائے تو اسے تاوان دینا پڑے گا اس لیے کہ ذمی کے نزدیک ان کی قیمت ہے۔ اس کے نزدیک خنزیر کی حیثیت وہی ہے جو مسلمان کے نزدیک بھری کی ہو سکتی ہے یا شراب ہے تو اسے وہ سرکرہ کی طرح مباح اور قیمت والی چیز سمجھتا ہے۔

اسلامی ریاست شہریوں کے مالی حقوق کی محافظ اور نگراں ہے۔ ان حقوق پر شب خون مارنے اور انھیں غصب کرنے کی وہ کسی کو اجازت نہ دے گی۔ کاروباری امور، قرض کے لین دین اور اس کے تمام معاملات میں کسی کے جائز حق کو ضائع ہونے نہ دے گی۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں اصولی ہدایت ہمیں عہد نبوی کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن ابی حدرد نامی صحابی کی شکایت کی کہ انھوں نے اس سے چار دینار قرض لیے تھے لیکن ادا نہیں کر رہے ہیں۔ آپ نے انھیں اس کا قرض ادا کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق سے کبھی بچا ہے اس وقت میں قرض ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوں، آپ نے فرمایا تھا کہ میں خیبر کی جنگ میں بھیجیں گے۔ مجھے تو یہ ہے کہ مال غنیمت میرے حصہ میں بھی آئے گا اسی وقت قرض ادا کر دوں گا۔ ان کی اس گزارش کو سن کر بھی آپ نے فرمایا اس کا قرض ادا کر دو۔ انھوں نے اپنا پہلا جواب دہرایا آپ نے سب بارہ قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے تین مرتبہ کہنے کے بعد کسی کو جواب دینے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن ابی حدرد اٹھے۔ بازار پہنچنے ان کے جسم پر چادر اور سر پر عامہ تھا۔ عامہ کھول کر انھوں

نے اسے تہ بند بنالیا اور چار دینار میں چادر فروخت کر دی۔ ایک خاتون نے اس حال میں دیکھا تو اپنی طرف سے ایک چادر دی کر اسے اڑھلے۔ اس روایت کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

فیہ التشدید علی	اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے
المدیون با یجاب القضاء و	کفرض دار پر قرض کی ادائیگی کے لیے سختی
عدم قبول دعواہ الاعسار	کی جانے گی اور بغیر دلیل کے اس کا
لمجرد ہا من دون بینہ	محض یہ دہائی کردہ تنگ ست اور مجبور ہے نہیں
وعدم الاعتداء بیمینہ من	سنا جائے گا۔ اس کی قسم کا بھی اس معاملہ
فرق بین ان یکون حسب	میں اعتبار نہ ہوگا قطع نظر اس کے کفرض دار
المال مسلما و کافراً لہ	مسلمان ہے یا کافر۔

اسلام میں چوری کی سزا قطعید ہے (المائدہ: ۳۸) چوری مسلمان کرے یا ذمی، مال چاہے مسلمان کا ہو یا ذمی کا دونوں کی یہی سزا ہے۔ امام احمد، امام شافعی اور احناف سب کے ہاں مسلمان خواہ مسلمان کا مال چوری کرے یا ذمی کا اسے قطعید کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح ذمی اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں اس معاملہ میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے یتلہ

اسی طرح اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے اور وہ عدالت میں آئے تو اس کا تصفیہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا تا کہ کسی پر بھی ظلم نہ ہو یتلہ

۱۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۱۸۲/۹، قرض دار کو قید بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل تھری کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ ابن قدامہ۔ المغنی: ۳۵۱/۱۳

۳۔ حوالہ سابق: ۲۸۲/۱۲

اسلامی ریاست ذمی کو پورا مالی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ تاکہ وہ ہر خطرہ اور اندیشے سے آزاد ہو کر پورے اطمینان کے ساتھ مالی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔

## ریاستی امور میں ذمیوں کی خدمات

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں یا غیر مسلموں کو کوئی عہدہ و منصب حاصل ہوگا یا وہ اس کی کوئی خدمت کر سکیں گے؟ آج کل کی اصطلاح میں ملازمت کا حق حاصل ہوگا؟

یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ اسلام کو خدا کا نازل کردہ دین مانتے ہیں اور جنہیں اس کی صداقت پر ایمان و یقین ہے وہی اس دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کا نظم و نسق خلوص کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو اسلام کی صداقت ہی میں شبہ ہو اور جو اسے خدا کا دین نہ مانتے ہوں ان پر اسلامی ریاست کے چلانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔ وہ اس کے کلیدی مناصب کے لیے ہوزوں نہیں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان سے ہٹ کر دیگر ریاستی امور میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ایک رائے یہ ملتی ہے کہ ریاست کو ان سے کسی بھی طرح کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس پر قرآن مجید کی جن آیات سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا	اے ایمان والو اپنے لوگوں کے
بِبَطَانَتِكُمْ مِمَّنْ دُونِكُمْ لَأَيَّدُوا	سواد و سروں کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہارے
خَبَائِلًا وَدُّوا مَا عُشِمْتُمْ فَذَبِّتْ	بگاڑ میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس
الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ	چیز سے خوش ہوتے ہیں جس سے نہیں
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ	مکھلیف پہنچنے ان کے منہ سے بغض و
فَدَّ بَيِّنَاتٍ لَكُمْ إِلَّا يَاتِ	عداوت ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے
إِنْ كُنْتُمْ لَتَّعْلُونَ ۝	سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی

(آل عمران: ۱۱۸) زیادہ ہے، ہم نے تمہیں اپنی آیات کھول

کر بیان کر دی ہیں۔ اگر تم قتل سے کام لو لیتے

اس آیت کے ذیل میں قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں۔

وفي هذه الآية دلالة

على انه لا يجوز الاستعانة

باهل الذمّة في امور المسلمين

من العمالات والكتبة لے

لینا جائز نہیں ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک

ذبی کو اپنا کتاب (منشی) مقرر کیا ہے تو انھیں سخت خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ سے انھیں

ہمارے ماتحت رکھا ہے تم انھیں فرمانروائی کا مقام دے رہے ہو۔

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ "ماشر" یعنی وہ شخص جو مشر و خراج اور تجارتی ٹیکس وصول

کرے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم کو اس منصب پر (یا اس جیسے دوسرے

منصب پر) فائز کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا - (انساء: ۱۲۱) اور اللہ تمہیں کافروں

کے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے

اس کی تائید میں حضرت عمرؓ کا اسی طرح کا قول پیش کیا گیا ہے جو ابھی گزر چکا

امام محمدؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ

ملہ یہ اور اس مفہوم کی دوسری آیات کے سیاق و سباق اور پس منظر سے بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ 'غیر مسلموں سے

عدم تعلق کے قرآنی احکام کا پس منظر'

سلف ابن جوزی: زاد المیر: ۱/۲۴۷

سلف حوالہ سابق۔ اس نبیہ کا خاص پس منظر معلوم ہوتا ہے اس کا حوالہ ہم آگے دیں گے۔ اس نقطہ نظر کی مزید

تفصیل کے لیے دیکھیں جانے۔ قرطبی، جامع الاحکام القرآن: ۱۶۹/۱

مشرکین میں سے کسی کو کاتب (منشی) نہ مقرر کرو کہ وہ مسلمانوں کے معاملات قلم بند کرے۔ اس لیے کہ وہ اپنے دینی کاموں میں رشوت لیتے ہیں اور ہمارے دین میں رشوت جائز نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ سربراہ مملکت کے لیے غیر مسلم کو کاتب مقرر کرنا جائز ہے۔

حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو کاتب کا عہدہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رشوت خور ہیں۔ مسلمان اس دور میں اس کم زوری سے پاک تھے اس لیے وہی اس کے مستحق سمجھے گئے۔ درنہ ظاہر ہے کسی رشوت خور کو سرکاری عہدہ پر مامور نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ عمومی استدلال شاید صحیح نہ ہو کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کو کوئی اہم منصب نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اگر دیانت و امانت سے متصف اور قابل اعتماد ہے تو اسے ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔

## جنگ میں غیر مسلموں کی شرکت

فقہاء کے درمیان ایک مسئلہ یہ زیر بحث رہا ہے کہ غیر مسلموں سے جنگی خدمات لی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ مشرکین سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ ان ہی میں امام احمد بھی ہیں۔ ان کے نزدیک جن اتحاد سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ان کے مقابلے میں وہ احادیث زیادہ قوی اور مستند ہیں جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

مسلم وغیرہ کی روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے اور حرۃ الوبرہ نامی مقام پر پہنچے (جو مدینہ سے

۱۔ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۰-۵۱

۲۔ زیلعی، نصب الرایہ: ۳/۴۲۴۔ نیز قرطبی: الجامع لاحکام القرآن ۴/۱۶۹

تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے) تو آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی جس کی جرات و ہمت اور مضبوطی و توانائی کا شہرہ تھا۔ مسلمان اس کی آمد پر خوش ہوئے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس جنگ میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اور جہاں ملے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا اِنَّا لَا نَسْتَعِينُ بِمَشْرِكٍ (ہم کسی مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دوبارہ الشجرہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس سے وہی سوال کیا جو پہلے کیا تھا کہ تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے اب کی بار بھی نفی میں جواب دیا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے اس کے بعد وہ مقام بیدار میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس بار بھی اس سے یہی سوال کیا کہ کیا تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اب تم ہمارے ساتھ چلو۔

اسی قسم کا ایک واقعہ مستدرک حاکم، مسند احمد، ابن ابی شیبہ اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ میں موجود ہے کہ حبیب بن اساف اور ان کے ایک ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ہماری قوم کسی جنگ میں شریک ہو اور ہم شریک نہ ہوں یہ ہمارے لیے باعثِ عار ہے۔ لہذا ہمیں بھی شرکت کی اجازت دیجئے۔ آپ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا تم اسلام لاکچے ہو؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ فرماتے ہیں پھر ہم اسلام لے آئے اور جنگ میں شریک ہوئے۔

لے مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ الاستعانۃ فی الفروک و بکا فر  
لے زہبی، نصب الراية، ۳/۲۲۳

ایک طرف تو یہ روایات ہیں دوسری طرف بعض اور روایات ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ نازک سے نازک معاملات میں بھی وقت ضرورت غیر مسلم کی خدمات اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے مکہ سے ہجرت کی تو راستہ کی راہنمائی کے لیے بنو الدیل کے ایک شخص کی خدمات اجرت پر حاصل کیں جو کافر تھا۔ اس نے جاہلیت کے طریقے کے مطابق پختہ قسم کھائی کہ وہ اس سفر کو راز میں رکھے گا اور سفر میں راہنمائی کرے گا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں تین دن کے بعد مکہ میں جب آپ کی تلاش کا ہنگامہ فرو ہوا تو وہ حسب وعدہ اونٹنیاں لے کر غار ثور کے پاس پہنچا اور آپ دونوں کو لے کر سمندر کے کنارے کے راستہ سے مدینہ پہنچا۔

اس حدیث کے ذیل میں علامہ بدر الدین عینی کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے اگر وفاداری اور اعلیٰ اخلاق جذبات کا مظاہرہ ہو تو ان پر رازداری کے معاملات اور مال کے سلسلہ میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اس مشرک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد فرمایا تھا۔ اس لیے کہ مشرکین گو کہ آپ کے دشمن تھے لیکن دین ابراہیمی کی جو صالح روایات ان میں باقی رہ گئی تھیں ان کے وہ پابند تھے۔ (ان ہی میں ایک عہد و پیمانہ کا احترام بھی تھا) چونکہ اس شخص میں آپ نے اخلاق و مروت دیکھی تو سفر ہجرت کے خفیہ پروگرام کے سلسلہ میں

لے اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ ارتقا نام تھا۔ فتح الباری ۲۲۸/۷

۷۷ دور جاہلیت میں ہاتھ کو خون یا زعفرانی رنگ یا سیاہی طرح کی کسی چیز میں لوث کر کے قسم پکی کی جاتی تھی۔

فتح الباری : ۲۲۶/۷

۳۷ بخاری کتاب منایہ، الاضواء باب ہجرت النبیؐ واصحابہ انی المدینہ مع فتح الباری : ۲۳۲/۷ - ۲۳۸

اس پر اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں کہ تین دن بعد وہ انھیں لے کر غار ثور پر پہنچ جائے۔ یہ مال کے بارے میں اس پر اعتماد تھا۔  
 مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت ترین حالات میں گھر گئے، مخالفین نے آپ کے قیام کو ناممکن بنا دیا اور آپ کی شہادت کی تدبیریں کی جانے لگیں تو آپ نے ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ یہ ایک بالکل راز دارانہ فیصلہ تھا۔ اس پر عمل درآمد کی راہ میں آپ نے ایک ایسے فرد کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس کا معاوضہ بھی دیا جو عقیدہ کے لحاظ سے دشمن قوم کا فرد تھا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سخت مخالف ماحول میں بھی ضرورت پڑنے پر قابل اعتماد غیر مسلم افراد کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تعاون ممنوع نہ ہوگا۔

اس واقعہ کا تعلق جنگ سے نہیں ہے لیکن اس سے جنگی تعاون کے سلسلہ میں استدلال کرنا غلط نہ ہوگا۔ دونوں میں رازداری اور اعتماد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد بعض اوقات جنگی مہمات میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ حالات کے لحاظ سے اسے جائز سمجھتے ہیں۔

جن ائمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا سربراہ یا حاکم دو شرائط کے ساتھ غیر مسلموں کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے سکتا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور ان سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ جن سے مددنی جائے وہ قابل اعتماد ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کی یہ روایت کہ آپ نے ایک یاد و مشرکوں کی اس پیش کش کو رد فرمادیا کہ وہ جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، اس کا تعلق جنگ بدر سے ہے۔

لیکن بدر کے چار سال بعد آپ نے جنگ خیبر کے موقع پر بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی اور جنگ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی جو اس وقت مشرک تھے۔ بدر کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آیا اس کے بارے میں دو باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو کسی مشرک کو جنگ میں ساتھ لینے اور شریک کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ساتھ لیا دوسری مرتبہ نہیں لیا۔ یہ اختیار تو آپ کو مسلمانوں کے سلسلہ میں بھی حاصل تھا کسی مسلمان کو جنگ میں ساتھ نہ لے جانا چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ حدیثیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ آپ انہیں مشرک ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے۔ اگر یہ ہے تو بعد کے واقعات کو ناخبر سمجھا جائے گا۔ جن میں آپ نے ان سے مدد لی تھی۔ غزوہ بدر میں جس مشرک کو آپ نے لوٹایا ہو سکتا ہے آپ کے اس رویہ سے اس کے اسلام لانے کی توقع رہی ہو بہر حال امام کو یقین ہے کہ مصلحت کے پیش نظر وہ کسی کو جنگ میں شرکت سے روک دے یہ

مسلم کی روایت اِنَّا لَا نَسْتَعِينُ بِمَشْرُكٍ (ہم کسی مشرک سے مدد نہیں

لے۔ غزوہ حنین کا واقعہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ اور اس کے حلیف آپ کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ آپ نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ صفوان بن امیہ، جو اس وقت تک مشرک تھے، کے پاس کافی ہتھیار ہیں۔ آپ نے ان کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور فرمایا: اے ابوامیہ! آپ اپنے ہتھیار ہمیں عاریتاً دیں تاکہ کل دشمن سے ہونے والی جنگ میں ہم فائدہ اٹھا سکیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہتھیار غصب تو نہیں کر لیے جائیں گے۔ آپ نے اطمینان دلایا کہ یہ عاریتاً لیے جارہے ہیں اور اس کی کمی کی تلافی ہوگی۔ اس نے کہا تب تو کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کو تلواریں اور اس کے مناسب ہتھیار دئے روایت ہے کہ آپ کی درخواست پر اس نے ان کے پہنچانے کا بھی نظم کیا۔ سیرۃ ابن ہشام: ۴۸/۴

۲۴۴/۳۳۳ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، فتح القدير: ۴۲۴/۲۲۴

لیں گے) کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے قبل مدد حاصل کی تھی علماء کے ایک طبقہ نے پہلی حدیث کو اس کے اطلاق کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی مشرک سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے، لیکن امام شافعی اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے اور ضرورت کا تقاضا ہے کہ اس سے مدد لی جائے تو مدد لی جائے گی۔ بلا ضرورت یہ ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح دونوں حدیثیں دو مختلف صورت حال پر جموں ہوں گی۔  
امام ابو جبر جصاص فرماتے ہیں:-

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین سے جنگ میں (ان کے مخالف) مشرکین سے مدد لی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے گی کہ جنگ کے بعد اسلام کے احکام کا غلبہ ہو، لیکن اگر مشرکین کے غلبہ کا اندیشہ ہو تو ان سے مدد نہیں لی جائے گی۔ ایسی صورت میں مسلمان ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ سیرت و معاشی کی مشہور روایات میں کہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی یہود رہے ہیں اور کبھی مشرکین کا ساتھ رہا ہے۔ باقی رہا اس روایت کا معاصر جس میں آپ نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات خاص اس شخص سے متعلق ہو۔ ممکن ہے آپ نے اسے جاسوس خیال فرمایا ہو۔ آپ کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس جیسے آدمی سے مدد نہیں لیتے۔

## مال غنیمت میں غیر مسلموں کا حصہ

جن فقہاء کے نزدیک اسلامی ریاست غیر مسلموں سے وقت ضرورت فوجی

۱۔ نووی، شرح مسلم ج ۴، جز ۱۲، ص ۱۹۹

۲۔ جصاص، احکام القرآن: ۵۴۴/۲

خدمات لے سکتی ہے ان کے درمیان یہ بحث رہی ہے کہ مالِ غنیمت میں مسلمانوں کی طرح ان کا بھی کوئی متعین حصہ ہوگا یا نہیں؟ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے تو بھی مالِ غنیمت میں اس کا کوئی (متعین) حصہ نہ ہوگا لیکن بعض دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں وہ بھی مالِ غنیمت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن یہودیوں نے جنگ میں شرکت کی آپ نے انھیں بھی حصہ دیا تھا۔

امام زہری کا یہ بیان ابوداؤد کی مراسیل میں بھی ہے۔ اس کے ایک راوی نے مثل سہمان المسلمین (مسلمانوں کے حصہ کی طرح) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے فیسہم لہم کسہام المسلمین۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو مسلمانوں کی طرح حصہ دیا کرتے تھے۔ بیہقی کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی تھی۔ ان کو عطیہ دیا تھا حصہ نہیں دیا تھا۔

واقدی کا بیان ہے کہ غزوہ خیبر میں آپ کے ساتھ مدینہ کے دس یہودی تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے حصہ کی طرح ان کو بھی حصہ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ بطور عطیہ دیا تھا باقاعدہ حصہ نہیں دیا تھا۔ امام نووی فرماتے ہیں:-

لہ ترمذی، ابواب البیڑاب ماجا فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین ہل لہم لہم۔

۱۷۰ یہ روایتیں امام زہری سے مرسل ہیں اہل علم نے امام زہری کے مراسیل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ زہری

نصب الزیاء لاحادیث الہدایہ: ۳/۲۲۲-۲۲۳

۱۷۱ اس روایت میں بھی ضعف ہے۔ حوالہ سابق۔ لہ حوالہ سابق۔

اگر کوئی غیر مسلم امام کی اجازت سے جنگ میں شرکت کرے تو اسے بطور عطیہ کچھ دیا جائے گا، یا قاعدہ اس کا حصہ نہ ہوگا یہی امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور کا مسلک ہے۔ امام زہری اور اوزاعی کہتے ہیں کہ ان کا بھی باقاعدہ حصہ نکالا جائے گا۔

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اگر ذمی جنگ میں شریک ہو تو اس کا حصہ (مال غنیمت میں) مسلمانوں کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ کسی مسلمان کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ بہر حال کسی مسلمان کو ملنے والے حصہ سے کم ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ اگر وہ جنگ میں براہ راست شریک نہیں ہے لیکن اس نے اس سلسلہ کی کوئی اور خدمت انجام دی ہے تو اسے اس کی اجرت دی جائے گی۔ یہ خدمت اگر اس نوعیت کی ہے کہ اس سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہنچ رہا ہے، مثلاً اس نے کسی خاص پہلو سے راہنمائی کی ہے تو اسے جو اجرت دی جائے گی وہ مال غنیمت میں ملنے والے حصے سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

ان تفصیلات میں سب سے پہلے سفر، ہجرت کا واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سفر میں ایک غیر مسلم سے مدد حاصل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سخت اسلام دشمنی کے ماحول میں بھی ایسے غیر مسلم افراد ہو سکتے ہیں جن پر پیش نظر اسلامی منصوبوں میں اعتماد کیا جاسکے۔ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی حکمت عملی کا ایک ضروری جزو ہے۔ اسی طرح احادیث اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور بیشتر مذاہب فقہ کی اسے تائید حاصل

لہ نووی، شرح مسلم جلد ۴، جزء ۱۲، ص ۱۹۹

۱۵ ہدایہ مع فتح القدیر: ۴/۳۲۶ - درالمختار مع رد المحتار: ۳/۲۵

ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے جنگی خدمات حاصل کر سکتی ہے۔ جہور اس بات کے قائل ہیں کہ مال غنیمت میں جس طرح مسلمان سپاہیوں کا حصہ متعین ہے اس طرح غیر مسلم فوجیوں کا حصہ متعین نہیں ہے۔ لیکن بعض ائمہ کے نزدیک غیر مسلم فوجی کا بھی وہی حصہ ہوگا جو ایک مسلم سپاہی کا ہوتا ہے۔ یہ بحث زیادہ اہم اس لیے نہیں ہے کہ موجودہ دور میں جنگی ٹیکنک اتنی پیچیدہ ہو گئی ہے کہ اس میں مال غنیمت کا سوال مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی گنجائش بہر حال فقہ میں پائی جاتی ہے کہ غیر مسلموں کی فوجی خدمات بالموادضہ حاصل کی جاسکتی ہیں۔

## زکوٰۃ کی وصولیابی

ایک اور جزئیہ پر غور کیجئے۔

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے۔ لیکن زکوٰۃ کے جو مصارف بیان ہوئے ہیں ان میں اس کے عمال اور کارندے بھی ہیں۔ اسے قرآن مجید نے *وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهِمْ* کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم وغیرہ کے کام پر کسی غیر مسلم کو لگانا اور اسے اس کا محتانہ دینا صحیح ہے؟ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح اور کاموں پر اسے اجرت دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کام پر بھی اسے اجرت دینا غلط نہیں ہے۔ مشہور حنبلی فقیہ علامہ خرقی کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کا تعلق خاص مسلمانوں سے ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے محاصل اور ٹیکس وغیرہ کی وصولی غیر مسلموں کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ خاص طور پر جزیرہ یا خزانہ

۱۰۶/۴۳، المغنی،

۱۰۷/۴۳ حوالہ سابق

ان سے وصول کیا جاتا ہے اس کی وصولی کے لیے ان کے تعینات میں بظاہر کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں موجودہ حالات کے پیش نظر غیر مسلموں کی خدمات اور ان کے حقوق ملازمت وغیرہ پر از سر نو غور ہونا چاہیے۔

## ذمیوں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کی بہت سی عبادت گاہوں کو توڑا اور انھیں منہدم کر دیا۔ اس کا تاریخی ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس بحث سے ہٹ کر یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ نے یہ حرکت کی ہے تو ایک ناروا فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات اس کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو جہاد کی پہلی مرتبہ جب اجازت دی گئی تو اس کی ضرورت اور حکمت ان الفاظ میں بیان ہوئی۔

وَ لَوْ كَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ	اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهَدَّ مَتَّ	کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو خائف ہیں، گرے،
صَوًّا مَعَ وَّبِيعٌ وَّصَلَوٰتٌ	عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ
وَمَسَاجِدٌ يُدْعَوْنَ فِيهَا اسْمُ	کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب
اللَّهِ كَثِيرًا وَّلَيَنْصُرَنَّ	منہدم کرنے جاتے اور اللہ ضرور
اللَّهُ مَن يَنْصُرْهُ اِنَّ اللّٰهَ	مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی
لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ	مدد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ طاقتور

(الحج : ۴۰) اور غالب ہے۔

مطلب یہ کہ جہاد کا حکم صرف مسلمانوں ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ ظلم و بربریت کو مٹانے کے لیے دوسرے انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی دیا جاتا رہا ہے۔ اس پر

اعتراض اپنی ہی دینی تعلیمات پر اعتراض ہے اگر یہ حکم نہ ہوتا تو دنیا ظلم و جور سے بھر جاتی اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں۔ اللہ کے دشمن اور اس کے باغی انھیں بھی ہمارا کر کے چھوڑتے۔ اس لیے جب بھی ظلم حد سے آگے بڑھا اور ظالموں نے دین اور مذہب کی نشانیوں کو بھی ختم کر دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو ان کے خلاف صف آرا ہونے کا حکم دیا اور ان کے ذریعہ ظلم کے بڑھتے ہوئے قدم روک دئے گئے۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ ظلم و ستم جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تو زمین پر کوئی عبادت گاہ باقی نہیں رہے گی، یہودیوں کے معبد نصاریٰ کے گرجا اور خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب مٹا دی جائیں گی۔

ان میں سے جو بھی مفہوم لیا جائے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبادت گاہوں کا انہدام اسلام کے نزدیک سراسر ناروا اور ظالمانہ عمل ہے۔ وہ ان کے انہدام کا نہ صرف مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح مساجد کی حفاظت چاہتا ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم علاقہ پر اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہاں غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں پائی جاتی ہیں انھیں منہدم نہیں کیا جائے گا۔ ان کی مرمت کی انھیں اجازت ہوگی اور ضرورت پڑنے پر وہ ان کی از سر نو تعمیر بھی کر سکتے ہیں چنانچہ مسلمانوں نے بہت سے علاقے اور بہت سے شہر فتح کیے لیکن وہاں کسی کلیسیا یا کسی معبد کو ہمارا کیا معنی نقصان بھی نہیں پہنچایا گیا۔

اس کے ثبوت میں ان عبادت گاہوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کی تعمیر اسلامی فتوحات سے پہلے ہوئی تھی جو ان کے بعد بھی صدیوں تک قائم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۲/۷۰

۲۔ ماوردی، الملکوت والعبود: ۳/۸۲

کی عبادت گاہوں کو توڑنے یا انھیں سمار کرنے کا از روئے شرع کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باقی رکھی جائیں اور اسلام کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ باقی رکھی گئیں اور انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ حکم صرف آسمانی مذاہب کی عبادت گاہوں کا ہے یا اس میں دوسرے مذاہب بھی آتے ہیں؟ سورہ حج کی جو آیت اس بحث کے شروع میں آئی ہے اس میں 'صوامع'، 'بیع'، 'صلوات' اور مساجد کا ذکر آیا ہے۔ 'صوامع' جمع ہے۔ اس کا واحد صومعہ ہے۔ اس کے معنی اونچی عمارت کے ہیں۔ یہ لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور عیسائیوں کے زاہدوں کی عبادت گاہ کے لیے بولا جاتا تھا۔ 'بیع' کا واحد بیعۃ ہے۔ یہ کلیسا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ 'صلوات' یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ 'صلوات' کا لفظ اہل عرب نے عبرانی کے صلوتا سے بنایا ہے۔ آخر میں مسلمانوں کی مساجد کا ذکر ہے۔

ان عبادت گاہوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کے ذریعہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اب بھی فرمانے گا ورنہ خدا کے باغی اور اس کے دشمن انھیں تباہ کر دیں گے۔ اس سے بہت سے مفسرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آیت میں جن عبادت گاہوں کا ذکر ہے ان ہی کی حفاظت کا اس میں حکم ہے۔ دوسری عبادت گاہیں اس میں شامل نہیں ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں:-

یہاں ان امتوں کی عبادت گاہوں کا بیان ہے جن کے پاس قدیم زمانہ سے آسمانی کتاب رہی ہے۔ جس یا مشرکین کا ذکر نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان قوموں میں نہیں ہیں جن کی حمایت واجب ہو اور صرف اہل شرائع ہی کے ہاں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن ابوالعالیہ نے 'صلوات' سے صائبین کی مسجد مراد لی ہے۔

صائبہ کے پاس آسمانی کتاب کے ہونے کا قطعی ثبوت نہیں ہے۔ صرف اس کا

لہ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۱۴

۱۲۵ اس سلسلے میں سلف کی آراء کے لیے دیکھی جائے۔ ہری، جامع ابیان فی تفسیر القرآن ج ۹، جز ۱، ص ۱۲۵-۱۲۶  
طبع قدیم۔

امکان ہے۔ اس طرح کا امکان بہت سے قدیم مذاہب کے بارے میں بھی ہے۔ آیت میں مساجد کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری عبادت گاہوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ ان سب میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال حضرت ابوالعالیہ کی رائے کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر اہل کتاب کی عبادت گاہ کے انہدام کی بھی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔

ابن خوزیمند کہتے ہیں کہ سورہ حج کی آیت میں ذمیوں کے کلیسا، ان کی عبادت گاہیں اور ان کے آتش کدے منہدم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء نے بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مسلمانوں کے شہروں کی قسبوں کی قسبوں سے ہونے لکھتے ہیں کہ جن شہروں پر مسلمانوں کا بزور قبضہ ہوا ان میں غیر مسلم نئی عبادت گاہیں تو نہیں بنا سکیں گے البتہ قدیم عبادت گاہوں کے بارے میں انھوں نے دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ باقی رہیں گی۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔

ایما مصر مصیۃ العجم  
فتحه الله علی العرب  
فنزولک فان للعجم مانی  
عہدہم  
جس شہر کو بچانے آباد کیا اور اللہ تعالیٰ  
نے عربوں کو اس پر فتح نصیب کی اور وہ  
وہاں بیٹھے تو بچے کی وہ چیزیں باقی رہیں  
گی جو ان کے عہد میں تھیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ کوئی عبادت گاہ کوئی کلیسا اور کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے اس لیے کہ یہ عبادت گاہیں مسلمانوں کے شہروں میں رہیں اور کسی نے ان پر نیکیر نہیں کی۔

## کیا ذمیوں کی نئی عبادت گاہیں تعمیر ہو سکتی ہیں؟

فقہاء کے درمیان یہ بحث ضرور ہی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں کہ وہ اپنی نئی عبادت گاہیں تعمیر کریں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شہروں میں انھیں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہ ہوگی خاص طور پر ان شہروں میں جنہیں مسلمان (اپنے مصالح اور ضروریات کے تحت) آباد کریں جیسے کوفہ اور بصرہ ۱۱ھ لے کر شہروں کی حیثیت اسلام کے تہذیبی مراکز کی ہے۔ البتہ قدیم شہروں میں ان کی جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہیں وہ باقی رہیں گی۔ جیسے بغداد میں روم کا کلیسا۔

دیہاتوں میں یا جن علاقوں میں ذمیوں کی آبادیاں ہیں وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں۔

اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی اسلامی ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقہ پر یا اس کے کسی ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہوگی اور وہ اس میں اپنی عبادت گاہیں اور گرجے تعمیر کر سکتے ہیں۔ ان رالیوں کے پیچھے اپنے دور کے سیاسی مصالح بھی ضرور ہوں گے لیکن ہر حال یہ رائے مذہبی آزادی کے تصور سے پوری طرح میل نہیں کھاتیں۔ اگر کسی شہر یا علاقہ کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی ہے یا کچھ مخصوص سیاسی ضروریات کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے تو اس کی نوعیت دوسری ہے ورنہ آج کے دور میں جب کہ زیادہ تر آبادیاں مخلوط ہیں اور بڑے شہروں میں متعدد مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں اگر ان کا کوئی بھی گروہ اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ہدایہ: ۵۷۴/۲۰ مع فتح القدر: ۲/۴۷۷، ۲۴۹ نیز ان قدر: المغنی ۱۳/۲۲۹-۲۳۰

۲۔ المغنی: ۱۳/۲۳۰

۳۔ اس سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے ضعف کے لیے ملاحظہ ہو نصب الراية ۳/۵۳-۵۴

## اسلامی ریاست اور بین الاقوامی تعلقات

بعض اوقات اسلامی ریاست کے بارے میں اس طرح کا تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کا نفس وجود ہی غیر اسلامی ریاستوں کے لیے خطرہ کا باعث ہوگا۔ وہ کسی دوسری سیاسی طاقت یا ریاست کو برداشت نہیں کرے گی بلکہ اس وقت تک خاموش نہ رہے گی جب تک کہ دوسری ریاستیں اقتدار سے محروم اور اس کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں۔ وہ پوری دنیا پر حالتِ جنگ طاری کر دے گی۔

یہ ایک بالکل غلط اور بے بنیاد خیال ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال نہ تو ممکن ہے اور نہ یہ اسلام کی تعلیمات اور اس کی تاریخ سے ہم آہنگ ہے۔

### جنگ ایک عارضی کیفیت

اسلام نے بین الاقوامی سطح پر جنگ کو نہیں بلکہ امن کو تعلقات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کوئی بھی ریاست جنگی حالات سے گزر سکتی ہے لیکن جنگ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ اس کا مستقل ہونا انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ ایک عارضی کیفیت ہے جو کبھی طاری ہو جاتی ہے۔ اسلامی ریاست اس کو دوام عطا کرنے کے لیے وجود میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں استخلاف فی الارض اور اقتدار عطا کرے گا۔ اس وعدہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

وَمَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا  
مِنْكُمْ وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ

وعدہ کیا ہے اللہ نے تم میں سے  
ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور

جسوں نے نیک کام کیے کہ وہ ضرور  
 انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح  
 اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو  
 خلیفہ بنایا تھا اور ان کے اس دین  
 کو ان کے لیے اچھی طرح جمادے  
 گا جسے اس نے ان کے حق میں  
 پسند کیا ہے اور ضروران کے خوف  
 کو امن و امان سے بدلے گا وہ میری  
 بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو  
 شریک نہیں کریں گے۔ اس کے بعد  
 جو کوئی ناشکری کرے گا تو ایسے ہی

لَيْسَ خَلِيفَتَهُمْ فِي الْأَرْضِ  
 كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ  
 قَبْلِهِمْ سَوْ يُمَكِّنَنَّ لَهُمْ  
 دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ  
 وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خِرْفِهِمْ  
 أُمَّنًا يَحِبُّهُ دِينِي لَا يُشْرِكُونَ  
 فِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ  
 ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ  
 الْفَاسِقُونَ ۝

(انور: ۵۵)

لوگ فاسق ہیں۔

اقتدار اور تمکین فی الارض کی غرض و غایت یہ بتائی گئی ہے کہ اہل ایمان کو امن  
 کی حالت نصیب ہوگی اور وہ سکون کے ساتھ خدا کی عبادت کر سکیں گے۔ یہ اس  
 بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست اپنے حدود کے اندر اور حدود سے باہر جنگ  
 کے حالات پیدا کرنے کی جگہ امن کی فضا برپا کرنے اور اسے قائم رکھنے کی کوشش  
 کرے گی۔ وہ امن کی تلاشی ہوگی نہ کہ جنگ کی خواہاں۔ وہ اضطراب اور بے چینی کے  
 اسباب رفع کرے گی اور سکون کا ماحول فراہم کرے گی تاکہ انسان ہر خوف سے آزاد ہو کر  
 خدا کی بندگی کر سکے۔

عداوت ختم ہو سکتی ہے

اسلام نے اپنے اتنے والوں کو ہدایت کی کہ حالت جنگ میں بھی اس حقیقت  
 کو فراموش نہ کیا جائے کہ جو قوم یا مملکت آج اسلامی ریاست کی دشمن اور برسرِ پیکار

ہے، ضروری نہیں کہ ہمیشہ اس کی عداوت اور دشمنی برقرار رہے۔ حالات میں تبدیلی آسکتی ہے۔ آج کے دشمن کل دوست ہو سکتے ہیں، اس لیے ایسا رویہ نہ اختیار کیا جائے کہ پھر تعلقات کی بجالی ہی ناممکن ہو جائے اور دوستی کے تمام دروازے بند ہو جائیں؛ اس لیے فرمایا۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ  
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ  
عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ  
قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ  
قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے  
اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا  
کر دے جن سے تم نے اب تک دشمنی  
کی ہے۔ اللہ (ہر چیز پر) قدرت رکھتا  
ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ (التحذ: ۷)

یہ بات اس پس منظر میں کہی گئی ہے کہ مسلمان اہل مکہ کے ہاتھوں بے پناہ اذیتیں اور تکلیفیں مسلسل برداشت کرتے رہے تھے۔ اس لیے ان کے خلاف مسلمانوں کے اندر شدید جذبات کا پایا جانا غیر فطری یا ناممکن نہیں تھا۔ ان پر قابو پانا اور وہ بھی حالت جنگ میں زیادہ دشوار تھا، ان حالات میں یہ خوش خبری سنانی گئی کہ اللہ نے چاہا تو بہت جلد یہ تاریک بادل چھٹیں گے اور حالات نیا رخ اختیار کریں گے۔ چنانچہ حالات نے کروٹی، دشمنیاں ختم ہوئیں اور محبت و الفت کے چراغ روشن ہو گئے اس سے بین الاقوامی تعلقات میں اس کے دھچکان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

## مستامن کے احکام

اسلامی ریاست حالت جنگ میں بھی، دشمن کے لئے آمد و رفت، تعلیم، تجارت اور سفارت جیسی سرگرمیوں کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ حریف ریاست کے افراد بھی اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کے عام رویہ کا مطالعہ کر سکیں اس پر وہ اسی وقت قدغن لگاتی ہے جب کہ خود اس کے مفادات خطر سے محفوظ ہوں۔ یہاں اس سلسلہ کی بعض تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

غائب قوم، جس سے حالت جنگ قائم ہے، اس کا کوئی فرد، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے احکام کو کھینچنا چاہے تو حکم ہے کہ اس حالت میں بھی اسے اس کا موقع دیا جائے۔ وہ اسلامی ریاست میں آئے۔ اسلام کا، اس کی تعلیمات کا، اس کے اخلاق و قانون اور اس کی تہذیب و معاشرت کا اطمینان سے مطالعہ کرے اور اخلاص کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے اسے سہولتیں تو فراہم کی جائیں لیکن اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ اسلام کے اصول آزادی کے خلاف ہے۔ جو وقت اسے دیا گیا ہے اس کے ختم ہونے پر حفاظت کے ساتھ اسے اس کے وطن پہنچانے کا نظم کیا جائے۔

وَأَنَّ أَحَدًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ	اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے
اسْتَجَارَكُمْ فَاجْعَلُوا بَيْنَهُ	پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو یہاں
يَسْمَعُ كَلِمَ اللَّهِ لِيُؤْمِنَ بِهِ	تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے
مَّا مَنَعَهُ ذَٰلِكَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اس کے امن تک پہنچا دو یہ اس لیے
لَا يَعْلَمُونَ ۝ (التوبہ: ۶)	ہے کہ یہ علم نہیں رکھتے۔

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ جن مشرکین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان ہی کے بارے میں یہ حکم بھی ہے کہ ان میں سے کوئی اسلام کو کھینچنے کے لیے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے۔ اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو یہ حفاظت اسے اس کے علاقہ میں پہنچا دیا جائے۔ اسلامی ریاست کا کوئی فرد اس سے (اس مدت میں) تعرض نہ کرے۔ علامہ ابوبکر جصاص نے اس آیت کے ذیل میں فقہ حنفی کی ترجمانی کی ہے۔ ان کی بحث سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ا. کوئی حربی ہم سے اس مقصد سے امان کا طالب ہو کہ قرآن مجید سنے، اس میں تلخید و رسالت کے جو دلائل بیان ہوئے ہیں ان سے واقف ہو اور اسلام کے دین حق ہونے

کا علم حاصل کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔

۲۔ کوئی غیر مسلم ہم سے اگر یہ مطالبہ کرے کہ دلیل کے ذریعہ اس پر حجت قائم کی جائے اور توحید و رسالت کے دلائل واضح کیے جائیں تاکہ اس بنیاد پر اس کا اعتقاد ہو تو ان دلائل کا فراہم کرنا ہم پر واجب ہے، اس کے بغیر کسی کافر کو (جو کہ جہنمی ہے) قتل نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ جو حربی ہمارے پناہ میں ہے امام کی ذمہ داری ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کے ساتھ کوئی غلط رویہ اختیار کرنے کی کسی کو اجازت نہ دے۔

۴۔ امام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ذمیوں کی حفاظت کرے اور اس کا اہتمام کرے کہ ان کو تکلیف نہ پہنچے اور ان پر ظلم نہ ہو۔

۵۔ کسی حربی کا دارالاسلام میں طویل مدت تک ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ اسے اتنی ہی مدت قیام کی اجازت ہونی چاہیے جس میں اس کی ضرورت پوری ہو جائے، حتیٰ لیسَمَعِ كَلَامِ اللّٰهِ کے الفاظ کا یہی تقاضا ہے۔ اس میں کلام اللہ کے سننے کے بعد اسے لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے یہی بات ہمارے اصحاب (فقہاء، احناف) نے کہی ہے، کہ حربی کو دارالاسلام میں بغیر کسی عذر کے اور بغیر کسی ایسے سبب کے جس کی بنا پر اس کا قیام ضروری ہو، قیام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اسے واپس جانے کے لیے کہا جائے گا۔ اس کے بعد بھی وہ ایک سال قیام کرے تو وہ ذمی سمجھا جائے گا اور اس پر خراج لازم آئے گا۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں:-

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ محارب قوم کا کوئی فرد قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اسلامی ریاست سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے گی سب کچھ سننے اور سمجھنے کے بعد وہ اسلام قبول

کرنے تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :-

آیت کا تعلق نظر ہر اس شخص سے	ظاہر الآية انما هي من
ہے جو قرآن مجید کو سنا اور اسلام پزیر	يريد سماع القرآن والنظر
و فکر کرنا چاہے۔ اس کے علاوہ جہاں	في الاسلام فاما الاجازة
تک کسی اور مقصد سے ان فراہم کرنے	لغير ذلك فانما هي
کا تعلق ہے تو اس میں مسلمانوں کی صلحت	لمصلحة المسلمين والنظر
کو سامنے رکھا اور ان کی منفعت کو	في ما تعود عليهم به منفعته.

دیکھا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے بھی محارب قوم کا کوئی فرد اسلامی ریاست میں آنا چاہے تو اگر مسلمانوں کے مفاد کا تقاضا ہو تو اسے اجازت دی جائے گی۔ جب تک وہ اسلامی ریاست میں ہے اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوگا اور ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اسے اس کی مملکت بنا فیت پہنچنے کا نظم کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس موضوع پر مزید کچھ فقہی تفصیلات فراہم کی ہیں اس آیت کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

اگر کوئی شخص کلام اللہ کو سنے اور اسلامی شریعت کو جاننے کے لیے امان کا طالب ہو تو اسے امان دینا واجب ہے۔ پھر اسے اس کی منزل (ریاست) تک پہنچا دیا جائے گا۔ ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہی بات قتادہ، مکحول، امام اوزاعی اور امام شافعی نے کہی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہی بات لکھ کر (اپنی مملکت میں) بھجوائی تھی۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ سفیر، قاصد اور مسافر کے لیے عقدِ امان (عہدِ نیاہ) جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے سفراء کو امان دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میلہ کذاب کے سفیر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا سفیروں اور قاصدوں کے قتل کا دستور نہیں ہے ورنہ میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ یہ ایک ضرورت بھی ہے۔ اگر ہم ان کے قاصدوں کو قتل کریں گے تو وہ بھی ہمارے قاصدوں کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔ پھر سفارت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

سفیر یا مسافر کے لیے عقدِ امان مطلق اور مفید دونوں طرح سے دیا جاسکتا ہے۔ یعنی مدت کی تعیین کے بغیر اور مدت کی تعیین کے ساتھ۔ مدت کی تعیین کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

اس طرح کے مسافروں کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

امام اوزاعی کے نزدیک صلح کی مدت کے دوران وہ غیر جزیرہ کے قیام کر سکتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں۔ کوئی حربی دارالاسلام میں امان لے کر آجائے اور یہاں اپنا مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس رکھے یا انھیں قرض دے اور پھر تجارت، سفارت، سیر و تفریح یا کسی بھی غرض سے دارالحرب جائے اور وہاں سے واپس دارالاسلام آئے تو اسے جو سابق امان حاصل ہے وہ جاری رہے گی اور اس کے مال پر اس کا حق باقی رہے گا۔ یہ ایک لحاظ سے ذمی ہے۔ لیکن اگر وہ دوبارہ دارالحرب ہی کو وطن بنا لے تو جو امان دی گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی البتہ اس کا مال جو دارالاسلام میں ہے محفوظ رہے گا۔ اگر وہ دارالحرب میں طلب کرے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔ اس میں بیع، ہبہ یا اور کوئی تصرف کرنا چاہے تو کر سکے گا۔ دارالحرب میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں اس کا جو وارث ہے اسے اسلامی

ریاست کی پناہ حاصل نہیں ہے اس لیے وہ مال اس کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ متسامن کو دارالاسلام میں کاروبار کی اور اپنے پیسہ کو کارِ خیر میں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی جب تک وہ دارالاسلام میں ہے اس کی حیثیت ذمی کی ہے۔ دارالاسلام میں اس کا کوئی وارث نہیں ہے اور وہ اپنا پورا مال کسی مسلمان یا ذمی کے نام وصیت کر دے تو وہ نافذ ہو جائے گی۔ وارث ہو تو ایک تہائی کی وصیت کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیت کرے تو یہ بھی نافذ ہو جائے گی۔ باقی مال اس کے ان وارثوں کو جو دارالاحزاب میں ہوں لوٹا دیا جائے گا ہمارے نزدیک گو وہ از روئے قانون وارث نہیں ہیں لیکن یہ متسامن کا حق ہے کہ اس کا مال واپس کر دیا جائے۔ کوئی مسلمان یا ذمی اس کے نام وصیت کرے تو یہ بھی نافذ ہوگی۔

## معاهدات کا احترام

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان امن و امان اور صلح کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ یہ معاہدے جن شرائط کے ساتھ ہوں ان کی پابندی ضروری ہے

اسلام نے معاہدہ کی پابندی اور اس کے احترام کی سخت تاکید کی ہے۔ اس کے نزدیک معاہدے اس لیے نہیں ہوتے کہ موقع ملتے ہی ان کی خلاف ورزی ہونے لگے اور ادنیٰ مفادات پر انھیں قربان کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس کی ہدایات بہت واضح ہیں۔ ارشاد ہے۔

..... وَادْفَعُوا بِالْعَهْدِ اٰتِ  
..... اور عہد کو پورا کر دو۔ بے شک  
الْعَهْدُ كَانَ مَسْئُوْلًا (تیسرا باب: ۳۴)

سورہ قلم، البانع الاکام القرآن: ۷۸/۷۹

سورہ ہایہ: ۳۰/۶۸۶ در المنار مع رد المحتار: ۵/۶۱۰-۶۱۱

ایک اصول ہدایت یردی گئی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا  
بِالْعُقُودِ : (المائدہ: ۱)

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔

..... وَلَا تَقْضُوا الْآيْمَانَ بَعْدَ  
تَوَكُّدِهَا وَقَدْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ  
عَلَيْكُمْ وَكِيلًا إِنَّ اللَّهَ لَعَلَّمُ  
مَا تَفْعَلُونَ (انمل: ۹۱)

.... اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو  
جب کہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو منکران  
بنایا ہے بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے  
ہو اس سے باخبر ہے۔

اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ :

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتَانِهِمْ  
وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (الزمنون: ۸)

وہ اپنی امتوں اور عہد و پیمان کی  
نگہداشت کرتے ہیں۔

عہد و پیمان افراد کے درمیان بھی ہوتا ہے اور جماعتوں کے درمیان بھی۔ فرد اور ریاست کے مابین بھی ہوتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ یہ ایک دوسرے پر اعتماد کا اظہار بھی ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ ہر عہد پورا کیا جائے اور ایک فرقہ نے دوسرے پر جوا اعتماد کیا ہے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

## عہد شکنی پر وعید

دنیا میں افراد اور جماعتوں کے درمیان عہد و پیمان ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن جب کوئی فرد یا جماعت فرقہ تانی کو کم زور دیکھتی ہے یا کوئی مادی منفعت اس کے پیش نظر ہوتی ہے تو جھوٹے الزامات لگا کر یا مکر و فریب کے ذریعہ بڑے سے بڑے عہد کو توڑ دیتی ہے۔ لیکن عہد شکنی اسلام کے نزدیک نفاق کی علامت ہے۔ جو من کا دامن اس سے پاک ہوتا ہے۔ رسول اللہ نے منافق کی پہچان یہ بیان فرمائی ہے :

إِذَا مَهَّدَ عِنْدَ رَأْسِهِ  
جَبَّ عَهْدَ بَيْتَانِ كَرِهَ تَوَاسُطَ كَيْ خَلْفَ وَرَأْسِهِ

اے بخاری، کتاب الجزیرہ والمواعدۃ، باب الفرم من ماہر غدر مسلم، کتاب الایمان

اسلام نے عہد شکنی کو جرمِ عظیم اور آخرت میں سخت رسوائی کا باعث قرار دیا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

يَكْلُ غَادِرٌ لَوْ اءِ يَوْمِ  
الْقِيَامَةِ يَرَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
يعرفن به بله سے وہ پہچانا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَكْلُ غَادِرٌ لَوْ اءِ يَنْصَبُ  
لغدرتہ سے اس کی دھوکا بازی کی وجہ سے نفسی کجاکھا۔

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے:

اذا جمع الله الاولين  
والاخرين يوم القيامة يرفع  
كل غادر لواء فويل هذا تندرة  
فلان بن فلان سے کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کا دھوکہ ہے۔

فوج میں عام طور پر سہ سالار کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ سب میں نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ اگر کوئی شخص عہد شکنی اور بے وفائی کرتا تو اس کے اعلانِ عام کے لیے کھلے بازار میں یا جہاں مجمع ہوتا اس کے تام کا جھنڈا نصب کر دیا جاتا تاکہ لوگوں کو اس کے فریب اور عہد شکنی کا پتہ چل جائے۔ عہد شکنی کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب کہ ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے، دھوکہ باز اور عہد شکن کے نام کا جھنڈا لٹکا دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں غدار اور

۱۔ بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعہ، باب اثم الغادر للبر والفاجر مسلم، کتاب الجہاد، باب تحريم الذر

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ حوالہ سابق

بدعہد کا جھنڈا ہے۔ ان احادیث میں عہد شکنی سے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کا تعلق عام عہد و پیمان سے زیادہ سیاسی سطح پر کیے جانے والے عہد و پیمان سے ہے اس لیے کہ حاکم وقت یا ریاست کی جانب سے جو عہد شکنی ہوتی ہے اس کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں اس بات کی تاکید ہے کہ اسلامی ریاست کا حاکم اپنی رعیت سے خواہ وہ غیر مسلم اور ذمی ہی کیوں نہ ہو جو عہد و پیمان کرے اسے پورا کرے اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں کوئی کوتاہی نہ برتے بلکہ

اسلام نے جس طرح افراد کے درمیان یا ریاست اور شہریوں کے مابین ہونے والے معاہدوں کو اہمیت دی ہے، اسی طرح بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی اور اقرار کی تاکید کی ہے اس لیے کہ اس کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم بین الاقوامی معاہدات کو پامال کرتی ہے تو اپنی تباہی کو دعوت دیتی ہے اور اللہ کے قانون کے تحت دشمن کے غلبہ کی راہ ہموار کرتی ہے۔

ماختر قوم بالعہد الاسلامی  
اللہ علیہم العدوۃ

جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو  
اللہ تعالیٰ لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے

ریاستی عہد و پیمان یا ناجنگ معاہدے کو اسلام نے جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو حکم ہے کہ قاتل ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے، لیکن اگر مقتول کا تعلق محارب قوم سے ہو تو قاتل صرف غلام آزاد کرے گا، دیت نہیں دے گا۔ اس کے برخلاف مقتول معاہدہ قوم کا فرد ہو تو اس کے ورثہ کو دیت بھی دی جائے گی اور غلام بھی آزاد کیا جائے گا (النساء: ۹۲)

سہ نووی، شرح مسلم، ج ۴، جزء ۱۲، ص ۴۳، ۴۴

سہ مؤطا، امام مالک، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الوفا بالایمان۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ امام شعبیؒ اور امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتول چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کی دیت ایک ہوگی، امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا یہی مسلک ہے۔ یہ مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا تھا، اس کی ایک شق یہ تھی کہ کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسے دوبارہ مکہ لوٹا دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ واپس چلا جائے تو اسے لوٹا یا نہیں جائے گا یہ دفعہ بہت سے صحابہ پر گوشاق گزری تھی لیکن اس کے باوجود معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت ابو جندلؓ پٹیوں میں گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں مجھے ان ظالموں کے درمیان واپس نبھیجئے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

انما تدا اعطينا هؤلاء	ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو عہد
القوم ما وعدت وکما	کیا ہے اسے تم جانتے ہو۔ ہمارے
ليصلح لنا في ديننا الغدرو	دین میں عہد شکنی اور بے وفائی درست
ان الله جاعل لك وللمن	نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے
معك من المستضعفين	اور تمہارے ساتھ مکہ میں جو کمزور رہ
فرجاً ومخرجاً فانطلق اى	گئے ہیں ان کے لیے کوئی صورت نکلے
قومك لى	گا، لہذا تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ۔

یہ اسلامی تاریخ کے روشن اوراق ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے احترام کی ایسی مثال کسی اور جگہ شاید ہی مل سکے۔

بین الاقوامی معاہدات کے سلسلے کی بعض اور ہدایات یہ ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ ایک قوم سے ریاست کا معاہدہ امن ہو اور دوسری قوم کے ساتھ وہ

سلف قرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۲۱۰/۵

سلف ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۳/۳۴۴

حالتِ جنگ سے گزر رہی ہو۔ اس صورت میں محارب قوم کے افراد یا ان کا کوئی گروہ کسی ایسی ریاست میں پہنچ جائے، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہے تو وہ محفوظ و امانت ہوں گے۔ ورنہ اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو اسلامی ریاست کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے ان کے خلاف بھی کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ احکامِ جہاد کے ذیل میں فرمایا کہ جب جہاد جاری ہے تو دشمن کا ہر حکم مقابلاً کرو اور جہاں بھی پاؤ اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔

اَلَا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلَى  
 قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ  
 مِيثَاقٌ .....  
 البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے  
 پاس پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے  
 درمیان معاہدہ ہے (تو ان سے بھی جنگ  
 نہ ہوگی) (النسار: ۹۰)

۲۔ اسلامی ریاست کا کسی ریاست سے معاہدہ ہو اور اس معاہدے میں تیسری ریاست شریک ہونا چاہیے تو شریک ہو سکتی ہے۔ اسے اس کا اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ وابستہ ہونا چاہے وابستہ ہو جائے۔ دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جن کا پابند ان کا حلیف ہے۔ حدیبیہ میں جو معاہدہ صلح طے ہوا تھا، اس میں یہ دفعہ بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا چاہے وہ آپ کا ساتھ دے گا اور جو قریش کی رفاقت پسند کرے، اسے اس کا حق حاصل ہوگا چنانچہ اس پر قبیلہ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں اور نبوکر نے قریش کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

۳۔ کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہے، وہ جنگ میں اسلامی ریاست کا ساتھ دے رہی ہے اور نہ محارب قوم کا، تو اسلامی ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی۔ اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ ہو سکتا ہے، ارشاد ہے:

لے حوالہ سابق: اس معاہدہ کا حوالہ آگے بھی آ رہا ہے۔

..... اَوْ جَاءَكُمْ حَصْرَتٌ  
 صِدُورُهُمْ اَنْ يُقَاتِلُوكُمْ  
 اَوْ يُقَاتِلُوْا اَوْ مَهُمْ ؕ وَلَوْ شَاءَ  
 اللّٰهُ لَسَلَطَهُمْ عَلَيْكُمْ  
 فَلَقَاتَلُوْكُمْ ؕ فَاِنْ اَعْرَضُوْكُمْ  
 فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَالْقَوٰ اِلَيْكُمْ  
 اَسْلَمَ ۗ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ  
 عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

..... یا وہ تمہارے پاس اس حال میں  
 آئیں کہ ان کے دل اس سے تکلیف محسوس  
 کر رہے ہیں کہ تم سے جنگ کریں یا اپنی  
 قوم سے لڑیں۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں  
 بہرے پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے  
 اس لیے اگر وہ تم سے الگ رہ رہے ہیں  
 اور لڑ نہیں رہے ہیں اور تم سے صلح کی  
 پیش کش کر رہے ہیں اللہ نے تمہارے  
 لیے ان پر حملہ کی کوئی صورت نہیں رکھی ہے۔

(النساء: ۹۰)

مطلب یہ کہ جو لوگ یہ معاہدہ کرنا چاہیں کہ جنگ میں وہ تمہارا ساتھ دیں گے اور  
 نہ دشمن کا تو معاہدہ کر لو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بھی تمہارے مقابلہ میں آجاتے  
 لیکن جب وہ اس سے کنارہ کش رہنا اور صلح کرنا چاہ رہے ہیں تو اس کا خیر مقدم ہونا  
 چاہیے۔ اسے رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

### معاہدہ کب ختم کیا جائے گا؟

معاہدہ کا دوسرا ذریعہ اخلاص کا ثبوت نہ دے، اس کی طرف سے خلا درزی  
 کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور وہ سازش اور خفیہ تدبیریں کرتا ہوا محسوس ہو تو  
 ریاست کو حق ہوگا کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دے لیکن اس کا صاف صاف اعلان کرنا  
 ہوگا۔ بغیر اعلان کیے اس کے خلاف کسی جنگی کارروائی کی اجازت نہ ہوگی۔

وَ اِمَّا لَخَافَتَ مِنْ قَوْمٍ  
 خِيَانَةً فَاَنْبِذْ اِلَيْهِمْ  
 عَلٰى سَوَابِغٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَا  
 نُحْتِ الْخَافِيْنَ ۝

اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خطرہ  
 ہو تو تم (ان سے) کیسے گئے عہد و پیمانہ کو  
 ان کی طرف پھینک دو کہ معاہدے کے  
 ختم ہونے کا تمہیں اور انہیں برابر علم ہو جائے

(الأنفال: ۵۸) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پینہ نہیں کرتا۔

آیت میں فَاَنْبِذُوا إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاحِلِ الْبَحْرِ کے الفاظ آئے ہیں مشہور ماہر لغت ازہری کہتے ہیں:

المعنى اذا عاهدت	اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی قوم
قوما فخشيت منهم	سے معاہدہ کرنے کے بعد نہیں اس کے بعض عہد
النقض فلا توقع بهم	کا خدشہ لاحق ہو جائے تو بعض اس
بمجرد ذلك حتى	خدشہ کی بنا پر اس پر حملہ نہ کر دو جب
تعلمهم	تک کہ تم اسے باخبر نہ کر دو کہ معاہدہ

ختم ہو گیا ہے۔

مطلب یہ کہ معاہدہ ختم ہو تو فریقِ ثانی اس سے بجزوئی واقف ہو جائے۔ اس میں اسے کوئی شبہ نہ رہے۔ جس طرح تم پر یہ بات واضح ہے کہ اب معاہدہ نہیں رہا، اسی طرح اس پر بھی واضح ہو جائے۔

حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک مدت کے لیے معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہؓ ان کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر روانہ ہو گئے اور یہ جا ہا کر جیسے ہی معاہدہ کی مدت پوری ہو حملہ کر دیا جائے۔ اس اثنا میں ایک شخص اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا پہنچا اور کہا اللہ اکبر! معاہدہ پورا کرنا ہو گا، دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ یہ حضرت عمر بن عبد اللہؓ تھے حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے ”کسی قوم سے عہد و پیمانہ باندھا جائے تو جب تک مدت پوری نہ ہو ہرگز اسے کھولنا نہ جائے اور اس پر حملہ نہ کیا جائے۔ یا یہ کہ معاہدہ کو اس طرح ختم کر دیا جائے کہ فریقِ ثانی کو شک و شبہ نہ رہے اور ہماری طرح وہ بھی جان لے کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے“ اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت معاویہؓ اس مہم سے لوٹ

آئے۔ صلح میں جنگ کے ارادہ سے حضرت معاویہؓ کے سفر کو حضرت عمرؓ نے معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فریقِ ثانی کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں، لیکن کھلم کھلا اس کا ارتکاب ہونے لگے اور مفادِ ریاست کے خلاف اقدامات شروع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ معاہدہ از خود ختم ہو گیا ہے۔ اب اسلامی ریاست اپنے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کی مجاز ہوگی۔ وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کر سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نفع و خیر خواہی کا تعلق ہوگا، ان میں سے کوئی بھی اپنے حلیف کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور وہ دشمنِ کاملِ جل کو مقابلہ کریں گے۔ لیکن اس معاہدے کی انھوں نے صریح خلاف ورزی کی۔ جنگِ بدر میں مشرکینِ مکہ کو ہتھیار فراہم کیے۔ جب معاہدہ یاد دلایا گیا تو معذرت کرنے لگے کہ اس معاملہ میں ہم سے چوک ہو گئی۔ دوبارہ معاہدہ ہوا لیکن جنگِ خندق میں دشمنوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔ جب اس طرح ایک سے دو مرتبہ ان سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تو ان سے جنگ کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ بِي شَكِّ اللّٰهِ كَالزُّبَيْنِ

صلح ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام جیزدین، بعد عہد الحج، تحفہ فی کتاب السیر، باب ماجاء فی العذر

مسند احمد: ۴/ ۱۱۳، ۲۸۱

صلح قرظی، الجامع لاحکام القرآن: ۲۲۸

صلح اس معاہدے کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

سکھ رازی، التفسیر البکر: المطبعة العامرة: مصر ۱۹۰۶

اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ  
 كَايُوْمِنُوْنَ هَ الَّذِيْنَ مَهَّدْنَا  
 مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ  
 فِيْ كُلِّ مَرْجَآةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ  
 فَاِمَّا تَنْقَضَتْهُمْ فِي الْخَرْبِ  
 فَسَبِّحْ ذِيْهِمْ مَنْ خَلَقَهُمْ  
 لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ه

بجائیں شاید نصیحت حاصل کریں۔ (الانفال: ۵۵-۵۷)

یہود کی ان سازشوں کے بعد معاہدے کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا، انہوں نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے میں اسلامی ریاست حق بجانب ہے۔

## بعض بین الاقوامی معاہدے

رسول اللہ نے جو معاہدے کیے وہ کئی طرح کے ہیں۔ ان کی شرائط میں بھی حسب حال فرق رہا ہے۔ بعض میں صرف امن و صلح کی بات طے ہوئی ہے، بعض میں خراج اور جزیہ جیسے مالی معاملات شامل ہیں۔ بعض میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہوا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایک معاہدے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا۔ دونوں معاہدے ایک ہی تفصیلی معاہدے کا حصہ تھے۔ یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں، اس کے بعض اجزاء یہ ہیں:

ان یہود بنی عوف  
 امۃ مع المؤمنین۔

بنو عوف کے یہود اسی میں دوسرے  
 قبائل بھی شامل تھے مسلمانوں کے ساتھ

مل کر آپ قوم ہیں

یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور	لنیرود دینہم وللمسلمین
مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا۔	دینہم
یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں	ان بطانة اليهود
وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔	كأنفسہم
یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ	وان علی اليهود نفقتہم
برداشت کریں گے۔ چوتھے شخص اس صحیفے	وعلى المسلمین نفقتہم
میں شامل طبقات کے خلاف جنگ	وان بینہم النصر علی من
کرے گا اس کے مقابلے میں ان کے دریا	حارب علی ہذہ الصحیفۃ
تعاوان ہوگا۔ ان کے درمیان نصیحت و	وان بینہم النصیحۃ والنصیحة
خیر خواہی کا تعلق ہوگا نیکی اور حسن سلوک	والبر دون الاثم وانہ
بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔	لم یأثم امرء بجلیفہ وان
کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ	النصر للمظلوم۔
غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا جو مظلوم	
ہوگا اس کی حمایت کی جائے گی۔	
جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے	ان اليهود ینفقون مع
ساتھ یہود بھی خرچ کریں گے۔	المومنین ماداموا محاربین۔
اس صحیفے میں شامل سبھی جماعتوں کے	وان یثرب حرام جو فہا
لیے مدینہ حرم ہوگا۔	لاہل ہذہ الصحیفۃ

سالہ اس کا مطلب جیسا کہ علامہ ابو سعید قاسم بن سلام نے کہا ہے یہ ہے کہ یہود کو جنگ کی حالت سے سابقہ پیش آنے تو مسلمان معاہدے میں مذکور شرائط کے تحت ان کا الٰہی تعادان کریں گے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو دونوں کے دین الگ ہیں۔ جیسا کہ بعد کے جملے سے واضح ہے۔ کتاب الاموال: ص ۱۹۷



اس معاہدہ کی نوعیت پہلے سے مختلف تھی۔

ذی قعدہ ۳۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آپ کے اور ان کے درمیان صلح ہوئی، اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ صلح کی بعض دفعات کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے بعض اور دفعات یہ تھیں۔

فرضیت کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تاکہ دونوں طرف کے لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ آپ اور آپ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے۔ صرف تین دن مکہ میں قیام کر سکیں گے۔ وہ غیر مسلح ہوں گے، تلواریں نیام میں ہوں گی۔ کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔

مکہ کے کسی فرد کو آپ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکیں گے۔ البتہ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو آپ اسے نہیں روکیں گے۔ صلح اس معاہدے میں یہ ظاہر فریقین کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ قریش کے ناروا مطالبات بھی ان لیے گئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض صحابہ اس سے ناخوش اور کبھی قہقار تھے۔ لیکن اس وقت مصالح کا یہی تقاضا تھا۔ ریاست کو بہر حال یہ حق حاصل ہے کہ وہ وقت ضرورت اس طرح کا معاہدہ بھی کر سکتی ہے۔ اس نے بعد میں فتح و کامرانی کے دروازے کھول دیے۔

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے شروع

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیہ، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ۔ ابن ہشام، تاریخ الامم؛

میں فرماتے ہیں :

قد وادع رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم قبلنا  
عام الحدیبیة وامسک  
عن محاربتہم فلایام ان  
یوادع اهل الشریک اذا کان  
فی ذلک صلاح الدین و  
الاسلام وکان یرجوان  
یتالفہم بذلک علی الاسلام لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ  
کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے  
جنگ سے دست کش ہو گئے، لہذا  
امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہل شرک سے  
مصالحت کرے، اگر اس میں دین  
اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ  
وہ اس کے ذریعہ انھیں اسلام سے  
مانوس اور قریب کر سکے گا۔

اس معاہدہ سے کوئی مالی پہلو متعلق نہیں ہے۔ قیام امن کے لیے نہ تو رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی پیش کش کی ہے اور نہ قریش ہی کی طرف سے اس  
طرح کی کوئی شرط رکھی گئی ہے۔ بغیر مال کے اس نوعیت کا معاہدہ وقت ضرورت ہر  
زمانہ میں ہو سکتا ہے اس معاملہ میں شافعی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ سیوطی  
کہتے ہیں :

ان الہدنة تعقد بغیر مال لہ صلح مال کے بغیر منعقد ہو جاتی ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ وقت ضرورت مال دے  
کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس  
لیے کہ اس سے ریاست کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کے دفاع کے منافی  
ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: مال دینے بغیر دشمن سے صلح جائز ہے جیسا کہ حدیبیہ  
میں صلح ہوئی تھی۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو مال دے کر بھی صلح کی جاسکتی ہے۔ ورنہ یہ صحیح  
نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ”مسلمان کمزور ہوں اور وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے

۱۔ کتاب الخراج ص ۲۰۴

۲۔ جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۵۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت

ہوں تو اس سے صلح ہو سکتی ہے لیکن یہ صلح بغیر کسی مال کے ہوگی۔ کسی مسلمان کا اللہ کی راہ میں جان دینا شہادت ہے۔ اس لیے اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اس سے بلند و برتر ہے کہ مسلمان مال دے کر دشمن سے جنگ سے باز آنے کی درخواست کرے۔ ہاں اگر دشمن کی اس قدر کثرت ہو کہ مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہو جائے کہ وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور انھیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے تو یہ ایک طرح کی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس میں جواز کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان اگر گرفتار ہو جائے اور فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کر سکتا ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ شدید ضرورت کے تحت فدیہ دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے اپنے حالات و ظروف اور امت کے مفاد کے پیش نظر اس نوعیت کا اقدام از روئے شرع ناجائز نہ ہوگا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی بڑے فزر کو دفع کرنے کے لیے چھوٹے فزر کو برداشت کر لیا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ دی ہے:-

ولو احاط الكفار بالمسلمين	اگر کفار مسلمانوں کو گھیر لیں اور ان کا
ولا مقاومة بهم جازدفع	مقابلہ نہ ہو سکتا ہو تو ان کے لیے مال
المال اليهم وكذا الاستنقاذ	دے کر اس (صورت حال) سے بچنا
الاسرى منهم بالمال اذا	جائز ہے۔ اسی طرح مال کبغیر ان سے
لم يمكن بخير لان مضرة	قیدیوں کا چھڑانا ممکن نہ ہو تو اس
بقائهم فإيدىهم واصطلامهم	صورت میں بھی مال دے کر انھیں
للمسلمين اعظم من بذل	چھڑانا جائز ہوگا کیونکہ قیدیوں کا ان
المال له	کے ہاتھوں میں ہونا اور ان کا مسلمانوں

کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا مال خرچ

کرنے کے مقابل میں بہت بڑی چیز ہے۔

علامہ ابو عبید کہتے ہیں کہ امام یاسر براہ مملکت اگر یہ دیکھے کہ مسلمانوں پر دشمن کے غلبے کا اندیشہ ہے اور فدیہ دے کر ہی اس سے بچا جاسکتا ہے تو اسے اس کا حق ہے امام مسلمانوں کے مصالح کا نگران ہے۔ وہ اس کے پیش نظر اس طرح کا اقدام کر سکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ جب ضرورت تقاضا کر رہی ہو اور مسلمانوں کی ہلاکت یا قید و بند کا اندیشہ ہو تو مال کے ذریعہ صلح جائز ہے، جس طرح ایک فرد فدیہ (مال) دے کر امن حاصل کر سکتا ہے اسی طرح ریاست کے لیے بھی اس کے جواز سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں ریاست کی ذلت اور توہین کا پہلو نکل رہا ہو تو بھی قتل، گرفتاری اور غلامی سے بچنا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس کی خاطر اسے برداشت کرنا چاہیے۔ علامہ ابو عبید اور علامہ ابن قدامہ نے اپنی تائید میں حسب ذیل واقعہ پیش کیا ہے۔

جنگ خندق میں مختلف قبائل نے چاروں طرف سے ایک ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا تھا۔ ایک مہینے کے قریب انہوں نے مدینہ کو اپنے زرعے میں لے رکھا تھا۔ حالات نے زیادہ شدت اختیار کرنی تو آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن مری کو، جو قبیلہ غطفان کے سردار تھے، پیش کش کی کہ اگر وہ ان قبائل کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں، تو انھیں مدینہ کی کھجور کی پیداوار کا ایک تہائی دیا جائے گا۔ یہ چیز تحریر میں بھی آگئی تھی۔ لیکن اس پر فریقین کے اور گواہوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں صرف اس کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اسے قطعی شکل دینے سے پہلے انصار کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو طلب فرمایا اور

ان سے مشورہ کیا، انہوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس پر عمل کریں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے یا آپ ہمارے مفاد میں یہ چاہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم خدا کی میں نے تو یہ تمہارے فائدے کے لیے سوچا ہے، سارا عرب ایک تیر سے تمہیں ہدف بنا لے ہوئے ہے، ہر طرف سے قبائل تم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی قوت کسی حد تک کمزور ہو۔ ان دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی اور یہ بھی شرک میں مبتلا تھے، بت پرستی میں پڑے ہوئے تھے، اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے بے خبر تھے۔ اس حال میں بھی کبھی انہوں نے اس کی ہمت نہیں کی کہ ہماری پیداوار میں سے کوئی کھجور کھا سکیں سوائے اس کے کہ وہ ہمارے ہمجان ہوں یا ہم سے خرید کر کھائیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ قوت بخشی ہے، ہمیں ہدایت سے نوازا ہے، دین اسلام کے ذریعہ اور آپ کے ذریعے سر بلندی عطا کی ہے تو کیا ہم اپنا مال انہیں پیش کر دیں؟ ہم تو ان کے مقابلے میں تلوار اٹھائیں گے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمادے۔ آپ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور کہا کہ تم بہتر سمجھ سکتے ہو حضرت سعد بن معاذ نے تحریر کی اور مسودہ کو مسترد کیا اور کہا کہ وہ ہمارے خلاف جو چاہیں کریں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں اگر بذریعہ مال صلح کرنا فی نفسہ جائز نہ ہوتا تو اسے آپ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے سامنے مشورے کے لیے پیش ہی نہ فرماتے۔

## جنگی قیدیوں کا تبادلہ

بین الاقوامی سطح پر جنگی قیدیوں کے تبادلے اور ان کی رہائی کے لیے معاہدے

۱۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، ۳/۲۳۹، ۲۴۰، کتاب الاموال: ص ۱۵۸، ۱۵۹  
 ۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۱۵۹

ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست بھی اس طرح کے معاہدے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑانے کی ممکنہ حد تک کوشش کرے گی۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

يجب فداء أسرى  
مسلمان قیدیوں کا چھڑانا واجب

المسلمین اذا امکن۔  
ہے اگر اس کا امکان ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، اسحاق بن راہویہ کی ہے۔

اس سلسلہ کے بعض واقعات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

حضرت سلم بن کوثرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں جو حضرت ابو بکرؓ کی سربراہی میں بھیجا گیا تھا، ہم نے دشمن پر حملہ کیا۔ جنگ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے غنیمت میں مجھے بنو فزارہ کی ایک لوتھی دی جو بہت خوبصورت تھی۔ میں اسے لے کر مدینہ پہنچا۔

بازار میں رسول اللہؐ سے میری ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا سلم! یہ عورت مجھے دے دو، دوسرے روز بھی آپؐ نے یہی بات فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ آپؐ کی ہے۔ میں نے اس سے کوئی جنسی تعلق نہیں قائم کیا ہے۔ یہ لڑکی آپؐ نے مجھ سے لی اور اس کے عوض مسلمان قیدیوں کو جو مکہ میں گرفتار تھے، رہا کر آیا۔

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا ایک

آدمی قیدی میں دے کر دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔

اسلامی ریاست مال کے عوض دشمن کے قیدیوں کو رہا کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس

میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے اسے

سنہ ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۱۳۵

سنہ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب التخیل وفداء المسلمین بالاساری۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی الدرکین لفرق بینہم۔

سنہ ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتل الاساری۔

نا پسند کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ لیکن حضرت صن بصری اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے چالیس قیدیوں کو جو اپنے شہسوار اور تیر انداز تھے، فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ ہماری فوج کو کبھی کوئی دھوکا دے سکتے تھے۔ اس لیے میں نے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا اور مسلمانوں کے درمیان شریعت کے مطابق مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا۔

## جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے

کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاہدہ رہے تو اسلامی ریاست اس سے خواہ مخواہ کشمکش مول نہ لے گی۔ جیسا کہ حبشہ اور ترک کے معاملہ میں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی۔

اترکو ۱۱ الحبیثۃ ما دعوکم حبشہ کو چھوڑ دو جب تک کہ وہ تم سے

واترکو ۱۱ التورک ما ترکوکم تروض نہ کریں (اسی طرح ترک کو چھوڑ دو

جب تک کہ انہوں نے تمہیں چھوڑ رکھا ہے۔

اس حدیث میں صاف کہا گیا ہے جب تک یہ ریاستیں اسلامی ریاست کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہو رہی ہیں اور اس سے الگ تھلگ اور کنارہ کش ہیں ان سے محاذ آرائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی ریاستوں سے صلح کے معاہدے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی مرحلے میں وہ اسلامی ریاست کے خلاف مہم چوٹی شروع کریں اور اس پر بیچارہ گردیں تو ریاست کا دفاع از روئے شرع ضروری ہے۔ جملہ آدرا کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا۔

لسہ ابو عبیدہ، کتاب الاموال ص ۱۲۲

لسہ ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب فی النبی عن تنبیج التورک والحبیثہ

اسلامی ریاست بے شک ایک نظریاتی ریاست ہے لیکن اسے ایک جنگ جو ریاست کی شکل میں پیش کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اس نے ہر حال میں نہ تو جنگ کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ہر ایک سے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ وہ آزادی، فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق مانتی ہے۔ اس کے لیے اس نے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ اپنے حق میں فضا ہموار کرنا چاہتی ہے۔ حالات کے تحت اس نے جنگ و صلح کے اقدامات بھی کیے ہیں، امن و امان کے معاہدے بھی کیے ہیں اور غیر جانب دار بھی رہی ہے۔ وہ وسیع آفاقی تصور کے تحت سیاسی اقدامات کرتی ہے اور اس میں اپنے مفادات کو نظر انداز نہیں کرتی اور نہ اس کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے۔ دنیا کی ہر ریاست اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر ہی بین الاقوامی معاہدے کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کو بھی یہ حق ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں اپنے مفادات کی نگرانی کرے اور اس کے تحت فیصلے کرے۔ اسے اپنے مفادات کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

## غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام کا پس منظر (بعض آیات کی تشریح و توضیح)

اسلام نے غیر مسلموں سے ایمان اور عقیدہ کے سارے اختلاف کے باوجود ان سے تعلقات رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی جو بے نظیر تعلیم دی ہے اس سے واقفیت کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید نے غیر مسلموں سے عدم موالات اور ان سے بے تعلق کی بھی تو ہدایت کی ہے۔ اسے کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اس ہدایت کی سنگینی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ وہ مخالفین سے جنگ اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ یہ سوال بار بار اور مختلف انداز میں اس طرح اٹھایا جاتا ہے گویا قرآن مجید کی اصل تعلیم ہی یہ ہے کہ غیر مسلمین سے مبارزت اور کشت و خون کا بازار گرم رکھا جائے اور قرآن اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو اسے زمانے اس کا سرتن سے جدا کر دیا جائے۔

### کن حالات میں یہ احکام دئے گئے؟

قرآن مجید کی جن آیات میں غیر مسلمین سے تعلقات نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا موقع و محل اور سیاق و سباق بالکل الگ ہے۔ اس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی کا امکان رہتا ہے اور دیدہ و دانستہ اسے نظر انداز کرنے سے بے جا اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑتا ہے بلکہ اسے اسلام کی صاف و شفاف تعلیمات پر گردوغبار اڑانے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے

ان حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں وہ نازل ہوئیں۔

## مخالفین کا رویہ اور ان کے عزائم

اسلامی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور کی یاد ذہن میں ڈرانا مزہ کیجئے جب کہ اس کی دعوت آہستہ آہستہ عام ہوتی گئی اور مدینہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست وجود میں آگئی اس واقعہ نے مخالفین کی صفوں میں اضطراب اور ہچل پیدا کر دی اور مخالفت کی آندھی زیادہ شدت سے ہر طرف چلنے لگی۔ مشرکین اور یہود و نصاریٰ اپنے اپنے اختلافات کو بھول کر اسلام کے خلاف متحد ہو گئے، ہر طرح کی سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا اور مسلسل حالتِ جنگ قائم کر دی گئی، اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی جو بھی تدبیر کی جاسکتی تھی وہ بے دریغ اختیار کی جانے لگی۔

یہ کھلے دشمنوں کا حال تھا دوسری طرف منافقین جو مفادات کے غلام تھے، بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور مسلمانوں سے اپنی خیر خواہی اور اخلاص و محبت کا اظہار کرتے تھے لیکن دل سے مخالفین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ انھیں ان کا پورا تعاون حاصل تھا اور وہ ان کے دم ساز اور غم خوار بنے ہوئے تھے۔

## اعداءِ دین سے عدم تعلق کی ہدایت

ان حالات میں مسلمانوں کو اسلام پر ثبات قدمی کی ہدایت کی گئی، دین و ایمان کے تقاضے واضح کیے گئے اور بتایا گیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں ان سے انھیں دور رہنا چاہئے۔ ان سے راز دارانہ تعلقات اور ذہنی قربت و یگانگت ایمان کے منافی ہے۔

منافقوں کے کردار سے بھی پردہ ہٹایا گیا اور مخلص مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان کی پس پردہ سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ مارِ آستین کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

اسلام کے ان کھلے اور چھپے دشمنوں سے تعلقات ایمان کے منافی بھی تھے اور خالص سیاسی نقطہ نظر سے بھی بے حد مہلک اور تباہ کن تھے۔ اس سے اسلامی ریاست سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتی تھی۔ اس کا تحفظ ضروری تھا۔ دنیا کی کوئی بھی حکومت دشمن سے تعلقات قائم کرنے، اس سے رازدارانہ معاملات کرنے، اسے خفیہ معلومات فراہم کرنے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی سازشوں میں شریک ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کو اپنے ان مخالفین سے تعلق نہ رکھنے۔ کا قرآن مجید کی جن آیات میں حکم دیا گیا ہے ان کے آگے پیچھے اور بعض اوقات ان ہی آیات میں اس کا پس منظر صاف موجود ہے۔ اس طرح کی چند آیات ضروری تشریح کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا	اے ایمان والو اپنے لوگوں کے سوا
تَسْجُدُوا لِطَائِفَةٍ مِّنْ دُونِكُمْ	دوسروں کو رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہارے بگاڑ
لَا يَأْتِيَنَّكُمْ خَبْرٌ لَّاهٍ وَدُوًّا	میں کو تباہی نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس چیز سے
مَا عَنِتُّمْ ۗ قَدْ بَدَأَ الْفِتْنَةَ	خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف
مِنَ أَعْيُنِهِمْ وَمَا لِعُقُوبِ	پہنچنے۔ ان کے ہونے سے نفی و عداوت
صُدُورِهِمْ أَكْبَرُ	ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ	ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۗ	تمہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دی
هَآئِنَّمْ أُولَآءِ لِيُحِبُّوهُم	ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ دیکھو تم تو ان
وَكَلَّا يُحِبُّوْكُمْ وَتُؤْمِنُونَ	سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت
بِالْكِتَابِ كَلِمَةٍ ۗ وَإِذَا	نہیں کرتے اور تم تمام آسمانی کتابوں
لَقَرُّكُمْ قَالُوا آمَنَّا ۗ	پر بھی ایمان رکھتے ہو جب وہ تم سے ملتے

وَإِذَا حَلَلُوا مَعْصَرًا عَلَيْكُمْ  
 إِلَّا نَامِلًا مِنَ الْغَيْظِ قُلْ  
 مُؤْتُوا بِالْغَيْظِ كَمَا إِنْ  
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ  
 إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ  
 لَسَوْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ  
 سَيِّئَةٌ يَفْرَجُوا بِهَا  
 وَأَنْ تَصِيبُوا وَتَنْفُوا  
 لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ سَيِّئًا  
 إِنْ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ  
 (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

ہیں تو کہتے ہیں کہ تم بھی ایمان لے آئے اور  
 جب تنہا میں ہوتے ہیں تو تمہارے غمنا  
 غصہ سے انگلیاں جبانے لگتے ہیں۔ ان  
 سے کہو کہ مرواپنے غصہ سے۔ بے شک اللہ  
 سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تمہیں  
 کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں تکلیف ہوتی  
 ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو وہ خوش  
 ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار  
 کرو تو ان کی کوئی چال تمہیں کچھ نقصان  
 نہیں پہنچائے گی۔ بے شک اللہ جو کچھ  
 یہ کر رہے ہیں اسے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

## یہود، نصاریٰ اور منافقین کا کردار

ان آیات میں یہود کا ذکر ہے۔ منافقین پوری طرح ان کے ساتھ تھے یہود  
 کی آبادی مدینہ سے ملی ہوئی تھی، ان کے قبائل اس کے اطراف موجود تھے مسلمانوں  
 کے ان سے قدیم تعلقات چلے آ رہے تھے، دوستی اور ہمسایگی تھی، کاروبار اور  
 لین دین تھا، معاہدے تھے، اس وجہ سے بہت سے سچے اور سادہ دل مسلمان  
 ان کی سازشوں کو محسوس نہیں کر پاتے تھے، انہیں بدخواہ اور دشمن سمجھنا ان کے لیے  
 مشکل ہو رہا تھا۔ منافقین خود مسلمانوں میں گھلے ملے تھے، ان سے ان کے خونریز رشتے  
 اور مختلف قسم کے سماجی اور معاشرتی تعلقات تھے۔ یہ منافقین مسلمانوں کے اندر  
 بیٹھ کر یہود کا کردار ادا کر رہے تھے۔ قرآن نے ان دونوں کے ناپاک عزائم سے آگاہ  
 کیا اور بتایا کہ ان کی عداوت اور مخالفت دھکی چھپی نہیں ہے۔ ان کے قول و فعل سے

نمایاں ہے۔ تمہاری کامیابی سے ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں اور خدا کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تم کسی ناکامی سے دوچار ہوتے ہو تو ان کے گھروں میں مسرت کے شادیاں بجنے لگتے ہیں۔ ان اعداء دین سے ذہنی و قلبی وابستگی، انھیں خیر خواہ سمجھنا اور انھیں اپنا راز دار بنانا تمہارے لیے صحیح نہیں ہے۔ ان آیات میں پہلی آیت کا پس منظر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگرد مجاہدان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

نزلت في قوم من المؤمنين	یہ آیت اہل ایمان میں سے بعض
كالوا يصافون	ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جو
المنافقين ولو اصلون	منافقین سے خلوص اور محبت اور یہود
رجلا من اليهود لما كان	کے بعض افراد سے قریبی تعلقات اس
بينهم من القرابة و	وہر سے رکھتے تھے کہ ان کے درمیان
الصدقة والجوار و	قرابت اور دوستی تھی، ہم سائیگی تھی،
الرضاع والحلف فنهوا	رضاعت اور حلیف ہونے کے روابط
عن مباطنتهم له	تھے۔ ان سے باطنی روابط سے

(یہاں) منع کیا گیا ہے۔

ان آیات میں یہود کی عداوت اور مخالفت کا ذکر ہے۔ نصاریٰ کا رویہ بھی فی الجملہ اس سے مختلف نہ تھا۔ مشرکین تو ان سب سے آگے تھے۔ ان سب نے مل کر حالات ہی ایسے پیدا کر دیے تھے کہ مسلمانوں کو ان سے قریبی تعلقات قائم کرنے سے منع کرنا پڑا چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو

تَسْخِذُوا بِاللَّيْسُوذِ وَالنَّصْرَى  
 أَوْلِيَاءَ لَعَبُضُهُمْ أَوْلِيَاءُ لِبَعْضٍ  
 وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
 الظَّالِمِينَ ۝ (المائدہ: ۵۱)

زبناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے  
 کے ولی ہیں۔ تم میں سے جو کوئی ان کو  
 ولی بنائے تو وہ ان ہی میں سے ہے  
 بے شک اللہ ظالموں کو راہ ہدایت  
 نہیں دکھاتا۔

اسی سلسلہ بیان میں آگے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 تَسْخِذُوا بِالَّذِينَ اتَّخَذُوا  
 دِينَكُمْ هَذَا قَوْلَ لِعِبَادٍ مِنَ  
 الَّذِينَ أَطَاعُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ  
 وَالنَّكَاحَ وَأَوْلِيَاءَهُ وَالْقَوْلُ اللَّهُ  
 إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا نَادَيْتُمْ  
 إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَذَا  
 قَوْلًا لِعِبَادِهِمْ يَا كُفْرًا  
 يُعْتَلُونَ ۝ (المائدہ: ۵۴، ۵۸)

اے ایمان والو! تم سے پہلے جن کو  
 کتاب دی گئی تھی ان میں سے جن لوگوں  
 نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا  
 رکھا ان کو اور کافروں کو اپنا ولی اور دوست  
 زبناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم  
 صاحب ایمان ہو جب تم نماز کے لیے  
 بلا تے ہو (اذان دیتے ہو) تو وہ اس  
 کا مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ اس کی  
 وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔

اس نازک ملی اور دینی صورت حال میں ایک کردار وہ تھا جو منافقین پیش کر رہے  
 تھے اور دوسرا کردار مخلص اہل ایمان کا تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کی بھرپور تصویر کشی  
 کی ہے۔ منافقین کے بارے میں بتایا کہ ان کے دل نور ایمان سے خالی ہیں، دین کا مذاق  
 اڑانے میں انھیں کوئی شامل نہیں ہوتا۔ وہ تذبذب کا شکار اور کیسوٹی سے محروم ہیں، کسی  
 مقصد کے لیے ایثار و قربانی کا تصور ان کے لیے گراں ہے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی آزمائش  
 کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ لیکن کسی  
 نازک موقع پر وہ ان کا بھی ساتھ چھوڑ دیں گے۔ منافقین کی یہ تصویر قرآن کے مختلف

مقامات میں موجود ہے۔ یہاں سورہ نسا کی بعض آیات پیش کی جا رہی ہیں۔

بَسْتَرِ الْمُتَّقِينَ يَا نَّ لَهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا ه الذِّينَ  
يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ  
مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلَيْسَ عِندَهُمْ  
عِزَّةٌ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا  
وَعَدَّ نَزْلَ عَلَيْكُمْ  
فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ  
آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا  
وَيُسْتَهْرَأُ بِهَا فَلَا تَمْعَدُوا  
مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي  
حَدِيثٍ عَنِيذٍ مِنَ اللَّهِ  
إِذَا مَثَلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ  
الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي  
جَهَنَّمَ جَمِيعًا ه الذِّينَ  
يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ ه فَإِنْ  
كَانَ لَكُمْ نَجْعٌ مِنَ اللَّهِ  
قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ  
وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَجِيبٌ  
قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ  
وَلَمَنَعْنَاكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ  
يُحْكَمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

منافقوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے  
لیے دردناک عذاب ہے، جو اہل ایمان  
کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں۔ کیا  
وہ ان کے پاس عزت تماش کر رہے ہیں،  
عزت تو ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ  
اس کتاب میں پہلے ہی تمہیں یہ ہدایت  
دے چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات  
کا انکار ہو رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا  
جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب  
تک کہ وہ دوسری بات میں نہ لگ جائیں  
ورنہ تمہارا شمار بھی ان ہی میں ہو گا جہنم  
اللہ منافقین اور کفار کو جہنم میں ایک  
ساتھ جمع کرے گا۔ ان منافقین کا  
حال یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں  
انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں  
اللہ کی طرف سے فتح و کامرانی حاصل  
ہو تو وہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے  
ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو اس کا  
کچھ حصہ ملے تو کہیں گے کہ کیا ہم نے  
تمہیں گھبر نہیں لیا تھا اور اہل ایمان سے  
بچایا نہیں تھا؟ اللہ قیامت کے روز

ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ  
 ہرگز کافروں کو اہل ایمان پر غلبہ کی راہ  
 نہیں دے گا۔ منافقین اللہ کو دھوکا  
 دے رہے ہیں اور (حقیقت یہ ہے کہ)  
 اللہ انہیں دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے  
 جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے  
 ہیں تو سستی اور بے ادبی کے ساتھ  
 لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے  
 ہیں۔ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ یہ  
 (حق و باطل) کے درمیان تذبذب  
 میں ہیں نراس طرف میں اور نراس  
 طرف جسے اللہ تعالیٰ گم راہ کر دے اس  
 کے لیے تم ہرگز کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔

(النساء: ۱۲۸-۱۲۳)

منافقین میں سے بعض وہ بھی تھے جو اپنے مفادات کی خاطر دارالحدیب میں رکے  
 ہوئے تھے، دشمنوں سے ان کی ساز باز تھی، ان کا تعاون انہیں حاصل تھا، وہ ہجرت  
 کے لیے جو اس وقت فرض ہو چکی تھی، آمادہ نہ تھے، اسلام سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا  
 تھا، اسلامی ریاست پر کوئی خطرہ کی گھڑی آجائے تو وہ دشمنوں کی صف میں نظر آتے۔  
 قرآن نے ان سے بھی قطع تعلق کا اور ان کے خلاف وقت ضرورت تلوار اٹھانے  
 کا حکم دیا۔ ارشاد ہے :-

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ  
 فِئْتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ  
 بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے  
 بارے میں تمہارے دو گروہ بن گئے  
 ہیں، حالانکہ ان کے ان اعمال کی وجہ

تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ  
 وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ  
 لَهُ سَبِيلًا ۚ وَذُو لُؤْلُؤَيْنِ  
 كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً  
 فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ  
 أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَوْ كَانُوا فَخَدُّوهُمْ  
 وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ  
 وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُليَاءَ وَلَا نَصْرًا  
 سے جو انھوں نے کیے ہیں اللہ نے  
 انھیں الٹا پھیر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے  
 ہو کہ جیسے اللہ نے گم راہ کر دیا اسے  
 راہ دکھاؤ۔ جسے اللہ راہ سے بھٹکا دے  
 اس کے لیے تم ہرگز کوئی راہ دیاؤ گے  
 وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ  
 جیسے وہ خود کافر ہیں اور پھر تم سب  
 برابر ہو جاؤ۔ ان کو اپنا دوست اور  
 ولی نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ  
 میں ہجرت کر کے (مدینہ) نہ آجائیں۔ اگر  
 وہ روگردانی کریں تو انھیں پکڑو اور چہا  
 انھیں پاؤ مار ڈالو۔ انھیں اپنا ولی اور

(النساء: ۸۸، ۸۹)

مددگار نہ بناؤ۔

سورہ مجادلہ میں منافقین کا رویہ زیر بحث ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے  
 تعلقات استوار کر رہے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان کا ثبوت فراہم کرنا چاہتے ہیں۔  
 یہ کسی کے بھی منہ سے نہیں ہیں۔ جس مال و دولت کے لیے آج وہ اپنا دین و ایمان بیچ  
 رہے ہیں کل وہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ شیطان ان کے سروں پر مسلط ہے اور یہ اسی کئے  
 گردہ کے افراد ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کا کردار بیان ہوا ہے جو ایمان و اخلاص  
 کی دولت سے لالامال ہیں اور جن کے دلوں میں خدا اور آخرت کا خوف جاگزیں ہے  
 کہ ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں سے خفیہ یا علانیہ تعلقات رکھیں جو خدا  
 کے دین سے برسر پیکار ہیں، چاہے وہ ان کے قریب ترین اعزہ اور خوئی رشتہ دار ہی  
 کیوں نہ ہوں۔ ان کا کردار وہی ہوگا اور وہی ہونا چاہیے جو کسی غیرت مند ملت اور اعلیٰ

نصب العین کے حامل گروہ کا ہوتا ہے۔ اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ  
مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا  
آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ  
إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ  
أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ  
الْإِيمَانَ وَأَتَدَّهُمْ فِي رُوحٍ  
مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ  
اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

تم یہ نہ دیکھو گے کہ جن لوگوں کا اللہ  
اور یومِ آخر پر ایمان ہے وہ ان لوگوں سے  
مودت کے تعلقات رکھتے ہیں جو اللہ  
اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں  
خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا ان  
کے خاندان والے یہ وہ لوگ ہیں جن  
کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا  
ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے  
ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔ وہ ان کو ایسی  
جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے  
نہرں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں  
گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ  
ان سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کے گروہ  
کے لوگ ہیں یا درکھو اللہ کے گروہ والے  
ہی کامیاب ہوں گے۔

(المجادلہ: ۲۲)

## صلح حدیبیہ

ایمان اور اخلاص کے باوجود اس بات کا امکان بہر حال ہے کہ دین کی محبت  
پر رشتوں بناطوں اور سماجی تعلقات کی محبت غالب آجائے اور آدمی کوئی ایسا قدم  
اٹھا دے جس کے نتائج امت کے عمومی مفاد اور اسلامی ریاست کے لیے خطرناک  
ہوں۔ اسی طرح کی ایک فز و گزراشت پر قرآن مجید نے تنبیہ کی اور دین و ایمان کے تقاضے

واضح کیے۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے۔

قریش مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی زیادتیاں کیں، ہجرت مدینہ کے بعد بار بار جنگ مسلط کی، مسلمانوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو خدا کے گھر کعبۃ اللہ کی زیارت سے روکا۔ بالآخر صلح حدیبیہ ہوئی۔ اس میں دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ اسی معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ جو قبیلہ جس فریق کا چاہے حلیف بن سکتا ہے چنانچہ اس شق کے تحت بنو خزاعہ مسلمانوں کے اور بنو بکر قریش کے حلیف بنے۔ لیکن جلد ہی بنو بکر نے بنو خزاعہ پر یورش کر دی۔ قریش نے ان کی اسلحہ اور افراد کے ذریعہ پشت پناہی کی اور معاہدہ کو توڑ کر بنو خزاعہ کے ساتھ ظلم و زیادتی میں شریک ہو گئے۔ یہ بین الاقوامی ضابطہ کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

### حضرت حاطب بن ابی بلتعنہ کا واقعہ

تیاری کے اس مرحلے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعنہ نے جن کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور جو بدری صحابی تھے خط کے ذریعہ مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تیاری کی اطلاع دے دی۔ یہ خط ایک عورت لے جا رہی تھی۔ اس نے مدینہ سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ وحی کے ذریعہ آپ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ اور مین دیکر صحابہ کو بھیج کر اس عورت سے یہ خط برآمد کرایا۔ جب حاطب بن ابی بلتعنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے خط کا اعتراف

سے پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۲/۲۵۵ اور آگے کے صفحہ اور دیگر کتب سیرت۔

سے معاہدہ صلح کے متن کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ۳/۳۶۶

سے بنو خزاعہ پر حملہ اور اس کے اسباب اور بعد کے واقعات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام،

سیرۃ النبیؐ: ۳/۱۵

کیا اور عرض کیا کہ قریش سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ میری حیثیت ان کے حلیف کی ہے۔ جنگ کی صورت میں مہاجرین کے تو رشتہ دار ہیں ان کی وجہ سے ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت ہو جائے گی لیکن میرے بچوں اور عزیزوں کی کوئی حفاظت نہ ہو سکے گی، اس لیے میں نے سوچا کہ قریش کو اگر میں اس کی پہلے سے اطلاع دے دوں تو وہ میرے شکر گزار ہوں گے اور میرے متعلقین کا خیال رکھیں گے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ میری اس اطلاع سے کوئی فرق واقع ہونے والا نہیں ہے۔ قریش کی قوت بہر حال اب کی بار ختم ہو کر رہے گی۔ بہر حال یہ تھا میرا مقصد۔ میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ میں نے نہ تو لقمہ کار راستہ اختیار کیا ہے اور نہ مرتد ہوا ہوں۔ حضرت حاطب نے جو بات سچی ٹھیک ٹھیک بیان کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرمایا۔ اس موقع پر حسب ذیل آیات نازل ہوئیں:

اے لوگو جو ایمان لانے ہو میرے	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
اور اپنے دشمنوں کو اولیاء اور دوست	تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ
نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کا تعلق قائم	أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
کرتے ہو جب کہ وہ اس حق کا انکار کر چکے	وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ
ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے وہ اللہ	مِّنَ الْحَقِّ يَخْرِجُونَ الرَّسُولَ
کے رسول کو اور نہیں اس بات پر کانٹے	دَايَاكُمْ أَنَّ لَوْ سَأَلُوا
ہیں کہ تم اپنے رب: اللہ پر ایمان رکھتے	بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ
ہو۔ (اس طرح تعلق قائم کرنا صحیح نہیں ہے)	خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي

۱۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب الجاسوس، نیز، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح، ۱: ۱۸۱۔ ۲۔ مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعنہ و اہل بدر۔ اس سلسلہ کی مزید روایات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن کثیر، تفسیر: ۳/۳۶۷۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن: ۱۸: ۵۰-۵۲۔ قرطبی وغیرہ میں بعض کم زور روایات کے حوالے سے اس خط کا مضمون بھی نقل ہوا ہے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعنہ نے قریش کو لکھا تھا۔

اگر تم میرے راستے میں جہاد اور میری رضا  
 کی طلب میں نکلے ہو۔ تم ان کے پاس  
 دو سنی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں  
 خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور جو تم  
 ظاہر کرتے ہو۔ تم میں سے جو یہ کرے  
 وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ ان  
 کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں پاس تو تمہارا  
 دشمن بن جائیں اور تمہارے خلاف  
 اپنے ہاتھ اور زبان چلانے لگیں۔ وہ  
 تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کی راہ اختیار  
 کرو۔ قیامت کے دن تمہاری رشاداریا  
 اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ  
 آئے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان  
 جہاں ڈال دے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ  
 اسے دیکھ رہا ہے۔ (الممتحنہ: ۱-۳)

ان آیات میں اہل ایمان سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کی رضا جوئی  
 میں اور اس کی راہ میں جان و مال لٹانے کے جذبہ سے اپنا گھر بار چھوڑا اور ہجرت  
 کی، پھر تم ان لوگوں کو کیسے اپنا ولی اور دوست بنا سکتے ہو جنہوں نے اللہ کے  
 رسول کو اور خود تمہیں محض اس وجہ سے ملکہ کی سرزمین پر رہنے نہیں دیا کہ تم اللہ واحد  
 کا نام لیتے ہو اور اس کے دین کی دعوت دے رہے ہو۔ آج بھی ان کی تلواریں  
 نیام سے باہر اور تمہارے خون کی پیاسی ہیں اور وہ صرف موقع کی تاک میں ہیں۔ ان  
 کی زبانیں آگ اگل رہی ہیں۔ جب اور جتنی اذیت تمہیں پہنچا سکتے ہیں پہنچا رہے  
 ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ تمہیں عبادت و اطاعت کی راہ سے پھیر کر

محصیت کی راہ پر ڈالیں۔ اس طرح کے دشمنوں سے تم خفیہ تعلقات قائم کر رہے ہو اور حکومت کے راز ان پر کھول رہے ہو۔ تمہیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ ظاہر و باطن سب کچھ اس کے لیے عیاں ہے۔ تم نے یہ اقدام مال و اسباب اور خویش و اقارب کی محبت میں کیا ہے۔ حالانکہ قیامت میں یہ رشتے ناطے بکھر جائیں گے اور یہ وابستگیوں ختم ہو جائیں گی۔ وہاں تو صرف اللہ سے تعلق اور محبت ہی کام آئے گی۔

## مشرکین کی عہد شکنی اور جہاد کا حکم

سورہ توبہ جہاد کی سورہ ہے۔ اس میں مشرکین کی عہد شکنی اور ان حالات کا جن میں جہاد کا حکم دیا گیا تفصیل سے ذکر ہے۔ جہاد کے جواز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

”ان لوگوں کے ساتھ عہد و پیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے جو اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے سلسلے میں نہ کسی رشتہ اور قربت کا خیال کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔ وہ تو اپنی زبان سے تمہیں خوش کر رہے ہیں جب کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بیشتر بد کردار ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض دنیا کی تھوڑی سی پونجی خریدی ہے۔ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں۔ حالانکہ بہت برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ وہ کسی مومن کے سلسلے میں نہ رشتہ کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا۔ وہی (ہر معاملے میں) زیادتی کرنے والے ہیں اگر وہ (اپنی حرکتوں کو چھوڑ کر) ایمان لے آئیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے جنگ ختم ہو جائے گی) ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ عہد و پیمان کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین

میں طعنہ زنی کریں تو ان الٰہ کفر سے جنگ کرو۔ ان کے عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے عہد توڑے اور رسول کے اخراج کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ہی (عہد شکنی کر کے) پہلے جنگ چھیڑی ہے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔“ (آیت ۸ - ۱۳)

## خدا اور رسول کی محبت پر غالب آجائے

ان حالات میں دشمن کی سرکوبی کی ضرورت تھی۔ اس راہ میں رشتوں، ناطوں، مادی علاقوں اور دنیوی مفادات کا رکاوٹ بننا ملی اور سیاسی موت کے ہم معنی تھا۔ اس لیے ارشاد ہوا:-

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو اپنے باپوں اور اپنے
أَبَاءَكُمْ وَ إِخْوَانَكُمْ أَدْبِيَاءَ إِنْ	بھائیوں کو بھی اولیاء اور دوست نہ بناؤ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ	اگر وہ ایمان کے مقابل میں کفر کو پسند
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَأُوْلَئِكَ	کرتے ہوں۔ تم میں سے جو ان کو ولی
هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ إِنْ	بنائیں گے وہی ظالم ہیں۔ اسے پیغمبران
كَانَ آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ	سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارا
وَ إِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَ	بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں
عَسْتَبْرُؤُكُمْ وَ أَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا	اور تمہارے خاندان اور تمہارے مال جو
وَ تِجَارَةٌ تَتَّخِذُونَ كَسَادًا هَٰ	تم نے کما لے ہیں اور تجارت جس کے
وَمَسٰكِنٌ تُرِثُونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ	ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات
مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي	جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب تمہیں
سَبِيلِهِ فَمَتَّكِلُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ	اللہ اور اس کے رسول سے اور اس

اللَّهُ بِأُمُوكَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝  
 کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں  
 تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ  
 نافذ کر دے اور اللہ فاسقوں کو راہِ ہدایت

(توبہ: ۲۳-۲۴) نہیں دکھاتا۔

قرآن مجید کے ان بیانات سے ان سنگین حالات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین نے مل کر پیدا کر دئے تھے۔ مسلمان پوری طرح حالت جنگ سے گزر رہے تھے، عہد و پیمان توڑے جا رہے تھے، سازشیں جاری تھیں، خطرات کے بادل ریاست پر منڈلا رہے تھے بلکہ ہر طرف سے دشمن کی لیٹھا رہی اور امن کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ اس صورتِ حال میں کسی فرد کا ملت اور ریاست کی حریف طاقتوں سے محبت کا رشتہ استوار کرنا اور خفیہ تعلقات رکھنا عداوتی اور بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اس کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر اسلام سے اس کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ملی اور ملکی حالات سے آنکھیں بند کر کے اپنے ماننے والوں کو دشمن کی سازشوں کا شکار اور اس کی تقویت کا باعث بننے کی اجازت دے گا اور ریاست کو خطرہ میں ڈالے گا۔ اسے بیک وقت بیرونی دشمنوں کا بھی اور اندرونی دشمنوں کا بھی سامنا تھا اس نے ان دونوں ہی سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ حکم تھا اور صحیح اور بروقت حکم تھا کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ منافقوں سے بھی تعلقات نہ رکھے جائیں۔ اس پر اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو سیاسی بیچیدگیوں سے ناواقف ہے۔ یہ تعلقات ملکی یا سیاسی نقطہ نظر ہی سے نہیں، دین و ایمان کے پہلو سے بھی تباہ کن ہیں۔ آدمی اگر ان لوگوں سے تعلقات رکھے جن کی دین سے عداوت و نفرت بالکل کھلی ہوئی ہے، جو اس کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور اسے یخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو اس کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا، کسی نہ کسی مرحلے میں اس کے قدم مزور دنگا جائیں گے۔ منافقین سے دوری اور علیحدگی اس لیے ضروری تھی کہ جب بھی کوئی نازک گھڑی پیش آتی خدا اور رسول پر عدم اعتماد کا اظہار ان کا دلیرانہ چکا تھا۔ ان کی پوری

کوشش ہوتی کہ معاشرہ میں ریب و تذبذب کی فضا پیدا کر دیں اور مسلمان ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو جائیں۔ ان کی بے یقینی چھوت کی بیماری کی طرح پھیل سکتی تھی۔ قرآنی تنبیہات نے اس سے محفوظ رکھا۔

## غیر جانب داروں کے ساتھ حسن سلوک

یہ ایک مخصوص صورتِ حال ہے جہاں یہ صورتِ حال نہ ہو قرآن مجید نے مشرکین اور غیر مسلمین سے بہتر روابط رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے چنانچہ سورہ ممتحنہ کے شروع میں اہل ایمان سے یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور خود تمہارے دشمن ہیں، جنہوں نے تمہارے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کی انہیں اپنا ولی نہ بناؤ۔

اس کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

لَا يَتَّخِذُ الْكُفْرُ وَاللَّيْظُ	اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ
لَمْ يُفَاتِنُواكُمْ فِي الدِّينِ	وَلَمْ
يُخْرِجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ	أَنْ تَبْرَهُمْ
وَتَقْسِطُوا	إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ	الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ
عَنِ الَّذِينَ قَتَلُواكُمْ	فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُواكُمْ
مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَيْكُمْ	إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَدَّ
هَمُّ	

لہ آیات کا حوالہ اس سے پہلے اسی بحث میں گزر چکا ہے

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الظَّالِمُونَ ۝

زکا نے میں مدد کی کہ تم ان کو اپنا دلو  
اور دوست بناؤ۔ جو انھیں اپنا دوست  
(الممتہ: ۸-۹)

یہ صاف اور واضح ہدایت ہے اس بات کی کہ ان ہی لوگوں سے عدم تعلق سے  
منع کیا گیا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی، انھیں ختم کرنے اور مٹانے کی  
کوشش میں لگے رہے اور اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ جن  
غیر مسلموں کا رویہ اس کے خلاف ہو اور جن سے مسلمانوں کی کوئی جنگ نہ ہو ان کے  
ساتھ عدل و مساوات اور مصالحت اور عہد ردی کا رویہ اختیار کرنا اسلام کی تعلیمات  
کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید نے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ جس رویہ کی ہدایت  
کی ہے اسے غیر مسلموں کے بارے میں ایک عام رویہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں  
ہے۔ یہ ایک طرح کی کج فہمی ہے جو صحیح نتیجہ تک پہنچنے نہیں دے گی۔

## عدم تعلق کے ذیل کی بعض اصطلاحات

اب آئیے یہ دیکھیں کہ جنگ کے سے نازک حالات میں بھی مخالفین سے  
کیا ہر قسم کے تعلقات سے منع کیا گیا ہے یا ممانعت خاص قسم کے تعلقات کی  
ہے؟ اس کے لیے زیر بحث آیتوں کے ان الفاظ پر غور کرنا ہو گا جن سے: 'اس  
ممانعت کی نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں ایک لفظ 'بطانہ' ہے (آل عمران: ۱۱۸)

### بطانہ کا مفہوم

'بطانہ' کا مادہ بطن ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے کہ 'بطانۃ الثوب'، کپڑے  
کے اندرونی حصہ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی ضد ہے 'طہارة الثوب'، اس کے

لہ ان آیات پر عام انسانی تعلقات کے تحت گزری ہے۔

معنی میں کپڑے کا بیرونی حصہ۔ آدمی کے خاص لوگوں کو جن پر وہ اعتماد کرتا ہے۔  
 'بطانۃ الرجل' کہا جاتا ہے یہ  
 امام راغب فرماتے ہیں:-

البطانۃ خلاف الظہارۃ  
 ..... و استعار البطانۃ لمن  
 تختصہ بالاطلاع علی  
 یاطن امرک بہ  
 و بطانۃ کا لفظ 'نہارہ' کا ضد  
 ہے۔ یہ مستعار لیا جاتا ہے اس شخص  
 کے لیے جسے تم اپنے پوشیدہ امور کے  
 اظہار کے لیے خاص کرتے ہو۔

ہمارے ایک قدیم ترین مفسر علامہ ابن جریر طبری نے اس کی تشریح اس  
 طرح کی ہے

انما جعل البطانۃ مثلا  
 لخلیل الرجل فشیبہ بما  
 ولی بطنہ من ثیابہ لحولہ  
 منہ فی اطلاعہ علی  
 اسرارہ وما یطریہ عن  
 اباعدہ و کثیر من  
 افاریہ محل ما ولی  
 جسدہ من ثیابہ ۴  
 آدمی کے خاص دوست کو بطور مثال  
 بطانۃ قرار دیا گیا ہے اس میں اسے  
 ان کپڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو  
 آدمی کے جسم سے لگے رہتے ہیں۔ اس  
 لیے کہ اس طرح کا دوست آدمی کے اسرار  
 و رموز سے اور ان چیزوں سے جنہیں وہ غریب  
 سے اور بہت سے اپنے عزیزوں سے بھی  
 پوشیدہ رکھتا ہے، واقف ہوتا ہے۔  
 اسے وہ تمام حاصل ہوتا ہے جو تمام آدمی  
 کے ان کپڑوں کا ہوتا ہے جو اس کے  
 جسم سے لگے ہوئے ہیں۔

۴ ابو نصر اسماعیل بن حماد الجہرمی، تاج اللغۃ و صحاح العربیہ: ۲/۳۵۶

۴ راغب، مفردات القرآن۔ مادہ بطن۔

۴ ابن جریر، جامع البیان عن تفسیر آی القرآن: ۴/۱۳۸

## مولیٰ کے معنی

ان میں سے بعض آیتوں میں دشمنوں کو اولیاء بنانے سے منع کیا گیا ہے (المائدہ: ۵۷، ۵۸، ۸۸، ۸۹، ۱۳۸ وغیرہ) 'اولیاء' ولی کی جمع ہے۔ اس میں انتہائی قرابت، نصرت و حمایت اور حکم رانی و سرپرستی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسی مادہ سے 'مولیٰ' کا لفظ نکلا ہے۔ اس کے متعدد استعمالات ہیں 'رب'، 'مالک'، 'سردار'، 'منعم و محسن'، 'غلام آزاد کرنے والا'، 'مدد کرنے والا'، 'محبت کرنے والا'، 'تابع و درگزر کرنے والا'، 'پڑوسی'، 'چچا زاد بھائی'، 'حلیف'، 'جس سے عہد و پیمان ہو'، 'قرابت دار' (والد) 'غلام آزاد کردہ غلام'، 'جس پر احسان کیا جائے'۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ان میں سے بیشتر استعمالات موجود ہیں۔ سیاق و سباق سے ان کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔

ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اعداءِ دین سے قلبی تعلق رکھنے اور انھیں اپنا ہمدرد، سرپرست اور مددگار بنانے سے منع کیا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ماننے والے مخالفین سے جڑے رہیں، جو لوگ ان کی جڑ کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں ان سے وہ قریب ہوتے چلے جائیں، انھیں وہ اپنا مخلص اور خیر خواہ تصور کریں، ان سے عزیزوں اور رشتہ داروں کی طرح ان کے تعلقات ہوں، ان کو ہمدرد اور بہی خواہ سمجھ کر خفیہ امورِ مملکت بھی ان پر کھول دیں۔ اسلام کی اس ہدایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ اس طرح کے تعلقات کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں ہے۔ اس سے ہٹ کر جہاں تک عام انسانی ہمدردی، حسن سلوک اور ان کے دکھ درد میں کام آنے کا تعلق ہے اس سے ان آیات میں منع نہیں کیا گیا ہے۔

## مودت کی تشریح

اسی ذیل میں "مودت" سے بھی منع کیا گیا ہے (الممتحنہ: ۱) علامہ خازن کہتے ہیں۔

فان قلت قد اجمعت  
 اذمة على انه تجوز  
 مخالطتهم و معاملتهم  
 و معاشرتهم فما هذه  
 المودة المحظورة قلت  
 المودة المحظورة هي  
 مناصحتهم و اذاعة الخيل لهم دينا  
 و دنيا مع كفرهم فاما ما سوي  
 ذلك فلا حظ فيه له

اگر تم یہ سوال کرو کہ امت کا اس پر  
 اجماع ہے کہ کفار کے ساتھ میل جول رکھنا،  
 معاملات کرنا اور معاشرتی تعلقات رکھنا  
 جائز ہے تو یہ وہ کون سی مودت ہے جس سے  
 منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے کفر کے باوجود  
 ان کے ساتھ دین و دنیا کے پلو سے انخلا اور  
 خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کے  
 علاوہ دوسرے تمام معاملات میں ان سے  
 موالات ممنوع نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ کفار سے تعلقات  
 رکھے جائیں یا نہ رکھے جائیں۔ ان سے ہر طرح کے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں البتہ  
 ایک مسلمان دل سے یہ نہیں چاہ سکتا اور ایسا رویہ نہیں اختیار کر سکتا جس  
 سے ان کے کفر و شرک کی تائید ہو، اس لیے کہ ان کے ساتھ اخلاص و  
 خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں راہِ حق دکھائی جائے اور اسلام کی صداقت  
 ان پر واضح کی جاتی رہے۔

سہ خازن، باب التاویل فی معانی التشریح: ۴۶/۱

# کتابیات

کتاب میں قرآن مجید کی آیات کے نیچے سورتوں کے نام اور آیات کے نمبر دے دیے گئے ہیں دوسرے ماخذ کے حوالے خواہی میں ہیں۔ وہاں ان کے مصنفین، مطابع اور سنین طباعت کی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ یہاں موضوع کے لحاظ سے اس کی تفصیل دی جا رہی ہے تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔ البتہ حدیث کی جن کتابوں کے حوالے کتب و ابواب کی مراجعت کے ساتھ دیے گئے ہیں ان کے مطالع کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

## تفسیر

- ۱۔ آلوسی، شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ ادارة الطباعة المنيرية۔ مصر۔
- ۲۔ ابن جوزی، ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد، القرشی البغدادی۔ زادالمیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۴/۶۱۴۰۴۔
- ۳۔ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، مطبع مصطفیٰ محمد مصر ۱۳۵۶ھ
- ۴۔ ابوالسعود، محمد بن محمد بن مصطفیٰ البغدادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الكتاب الکریم، بیروت، التفسیر البکیر للرازی۔ (دیکھئے ص ۵)
- ۵۔ بغوی، ابومحمد حسین بن مسعود القزاز۔ معالم التنزیل، برطانیہ، خازن (دیکھئے ص ۵)
- ۶۔ خازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، مطبوعہ التقدیم العلییہ مصر ۱۳۴۹ھ
- ۷۔ رشید رضا، تفسیر القرآن الکریم (تفسیر التار) دارالنار مصر ۱۳۶۵ھ
- ۸۔ راہزی، فقر الدین محمد بن عمر، مناقب الغیب (التفسیر البکیر) المطبوعہ العامرة الشرفیہ مصر ۱۳۰۸ھ
- ۹۔ زنجیزی، ابوالقاسم جار الله محمد بن عمر، انکشاف عن حقائق التنزیل، مطبع مصطفیٰ ابابن ابیجی مصر ۱۹۴۳ء
- ۱۰۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدر الباعث بن فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، تصحیح احمد عبدالسلام،

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء

۱۱۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاول آی القرآن، المطبعہ البکری مصر کے قدیم

نسخہ ۱۳۲۹ء کی نئی طباعت دار المعرفۃ بیروت، بنان ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

طبع جدید: تحقیق محمود محمد شاگرد احمد محمد شاگرد دار المعارف مصر ۱۹۶۹ء تکمیل۔ ابتدائی سولہ جلدیں ختم ہوئی۔

۱۲۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری۔ الجامع لاحکام القرآن، البیتۃ المصریۃ العامۃ ۱۹۸۷ء

۱۳۔ ماوردی، ابو الحسن علی بن حبیب البصری، السنکلت والعیون (تفسیر الماوردی) تحقیق خضر محمد خضر

مطابع المقبوی الکویت ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء

### احکام القرآن

۱۴۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبد اللہ الاشیل الماکی۔ احکام القرآن، مطبعۃ السعادة مصر ۱۳۳۱ھ

۱۵۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی، احکام القرآن، المطبعۃ البیتۃ المصریۃ ۱۳۴۷ھ

### حدیث

۱۶۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن زید بن عبد اللہ القزوی۔ سنن ابن ماجہ۔

۱۷۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشوت السجستانی، سنن ابی داؤد۔

۱۸۔ احمد بن حنبل الثیبانی، المسند، طبع قدیم، المطبعۃ المینیۃ مصر ۱۳۱۳ھ۔ طبع جدید:

شرح و تحقیق احمد محمد شاگرد دار المعارف مصر ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء تکمیل۔ ابتدائی بیس جلدیں پیش نظر ہیں۔

۱۹۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المتذکر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الادب المفرد مع الشرح (فضل اللہ اللہ) المطبعۃ السلفیۃ

و مکتبنا القاہرہ ۱۳۷۸ھ

۲۱۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود الفرار، شرح السنۃ، تحقیق زہیر الشاوش و شعب الازناوولہ۔

المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۲ء۔

۲۲۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی۔ السنن البکری۔ (ابن الزکائی کی تالیف کے ساتھ شائع ہوئی ہے)

داڑۃ المعارف الثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۵۵ھ

۲۳۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی

۲۴۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیابوری، المستدرک علی الصحیحین، داڑۃ المعارف الثمانیۃ

حیدرآباد دکن ۱۳۳۴ھ

۲۵- دارقطنی، ابوالحسن محمد بن عمر بن احمد بن بہدی الشافعی، السنن المطبوع الانصاری۔ دہلی ۱۳۱۰ھ  
 ۲۶- داری، عبداللہ بن عبدالرحمن السمرقندی، سنن الدارمی، تحقیق نواد احمد انزلی، خالد السبع السلی

دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۲۷- زبیلی، جمال الدین ابو محمد عبداللہ الحنفی، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ، دار الحدیث  
 القاہرہ۔

۲۸- عبدالرزاق، ابوبکر عبدالرزاق بن بہام الصنعانی۔ المصنف، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی۔

الکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۲۹- مالک بن انس الاصبیحی۔ الموطا

۳۰- محمد بن حسن الشیبانی، کتاب الآثار، مطبوع اسلامی لاہور ۱۹۱۱ء

۳۱- مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری۔ صحیح مسلم

۳۲- نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی۔ سنن النسائی

### شرح حدیث

۳۳- ابن اسرکانی، علاء الدین، الجوہر النقی علی سنن ابی یوسف (تفسیر)۔ بر حاشیہ سنن سبیتی (دیکھئے ص ۲۲)

۳۴- ابن حجر، الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ مطبوع مصطفیٰ البانی

الخلیجی مصر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۳۵- ابن دین العید، ابو الفتح تقی الدین محمد بن علی القشیری، احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام

ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۲۶ھ

۳۶- خطابی، ابوسلمان احمد بن محمد، معالم السنن، المطبعة العلمية حلب ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۳۷- زرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد شہاب الدین، شرح الزرقانی علی الموطا

المطبعة الخيرية مصر ۱۳۱۰ھ

۳۸- شوکانی، محمد بن علی بن محمد۔ نیل الاوطار شرح مفتی الاجازہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۲۶ھ

۳۹- عظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ مطبوع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ

۴۰- عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح صحیح البخاری۔ مطبوع مصطفیٰ البانی

الخلیجی مصر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۴۱- فضل اللہ، جمیلانی، فضل اللہ الصمدی فی توضیح الادب المفرد، المطبعة السلفية، القاہرہ ۱۳۷۸ھ

۴۲۔ منادی، محمد الدوبعلبد الرؤف، فیض القدر بشرح الجامع الصغیر دار احیاء السنۃ النبویۃ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء

۴۳۔ نووی، حمی الدین ابو ذکریا یحییٰ، شرح مسلم، دار الایمان للتراث قاہرہ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء

### فقہ

۴۴۔ ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد القرطبی، بیاۃ المجتہد ونہایۃ المقصد تحقیق وتعلیق شیخ علی محمد موصیٰ شیخ عادل احمد عبدالودود، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۷ء

۴۵۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز، رد المحتار علی الدر المختار، الطبعة الثمانیۃ، مصر ۱۳۲۷ھ

۴۶۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی، المغنی علی مختصر الحرانی۔ تحقیق الدكتور عبدالعزیز بن عبدالرحمن التركي، الدكتور عبدالفتاح محمد الحلو القاہرہ، مصر، الطبعة الثانیۃ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء

۴۷۔ ابن ہبیرہ، عدنان الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد الحمیل، الافصح عن معانی الصحاح المؤسسة السیدیۃ الرياض ۱۳۹۸ھ

۴۸۔ ابن الہمام: محمد بن عبدالواحد السیواسی الحنفی، فتح القدر، المطبعة البکریۃ الامیریۃ، مصر ۱۳۱۵ھ

۴۹۔ ابو سعید، القاسم بن سلام الہروی، کتاب الاموال، دار الفکر قاہرہ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

۵۰۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبيب الكوفي البغدادي، کتاب الخراج، دار المعرفۃ بیروت، لبنان.

۵۱۔ الحسکفی، محمد علاء الدین، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار بر حاشیہ رد المحتار (دیکھئے جز ۲)

۵۲۔ الدرر، ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد، الشرح الصغیر علی اقرب المسائل الی مذہب الامام مالک، دار المعارف، مصر ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۷ء

۵۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر الخفیری، الاستبہاء والنظائر، دار الکتب العلمیۃ بیروت.

۵۴۔ مرغینانی، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر، الہدایۃ شرح الہدایۃ (مختصر القدوسی) کتاب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ

### سیرت و تاریخ و تذکرہ

۵۵۔ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الشعب القاہرہ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

۵۶۔ ابن حجر، الحافظ الحدید بن علی بن حجر العسقلانی۔ الاصابۃ فی ترمیز الصحابہ ادارۃ الطباعت المنیریۃ  
قاہرہ، ۵، ۵، ۵

۵۷۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری، الطبقات البکری  
دار صادر بیروت

۵۸۔ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد القرظی المالکی۔ الاستیاب فی اسما والاصحاب برعاشیہ  
الاصابۃ (دیکھئے نمبر ۵۶)

۵۹۔ ابن قیم، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الخلیل الدمشقی، زادوالمعاد فی ہدی خیر العباد، تحقیق  
شعیب الارناؤذ، عبدالقادر الارناؤذ، طبع بیروت ۱۹۸۷ء

۶۰۔ ابن کثیر، ابوالقدا، عماد الدین اسماعیل، السیرۃ النبویۃ، تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد، دار المعرفۃ بیروت،  
۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۶۱۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، سیرۃ النبی، تحقیق محمد بن محمد عبدالحمید المکتبۃ التجاریۃ البکری مصر۔  
۱۳۵۹ھ/۱۹۳۷ء

۶۲۔ طبری۔ ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، دار المعارف  
القاہرہ، طبع جہازم

### لغت

۶۳۔ ابن الاثیر۔ محمد الدین ابوالساعات المبارک بن محمد الجزری۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاشتر۔  
المطبعۃ العثمانیۃ مصر (۱۳۱۱ م)

۶۴۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافرقی المعری، لسان العرب دار بیروت للطباعت والنشر  
۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

۶۵۔ الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد بن الفضل الراغب، المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ  
المہینیۃ مصر ۱۳۲۲ م

۶۶۔ الجوهری، ابونفر اسماعیل بن حاد، تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ، طبع مصر ۱۲۸۲ م

۶۷۔ الفیروز آبادی، محمد الدین محمد، القاموس المحیط، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء

۶۸۔ لودی، ابو ذکریا محی الدین محی بن شرف، تہذیب الاسماء واللغات، ادارۃ الطباعت المنیریۃ مصر۔

۶۹۔ المعجم الوسیط۔ دار الفکر مصر

## ادب

۷۰۔ ابن عبد ربیع، ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربیع الاندلسی، انعقاد الفرید۔ مطبعہ لجنہ التالیف والترجمہ

والنشر ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

### مصنف کے بعض دوسری تحریروں جن کا حوالہ کتاب میں آیا ہے

- ۷۱۔ سید جلال الدین عری، اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور۔ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی ٹرگھ۔ ۱۹۹۰ء
- ۷۲۔ " صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات۔ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی ٹرگھ ۱۹۹۲ء
- ۷۳۔ " اسلام کم زور کی ظلم سے حفاظت کرتا ہے۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی  
علی گڑھ اپریل۔ جون ۱۹۹۳ء
- ۷۴۔ " اہل ایمان کے باہمی تعلقات۔ ماہنامہ زندگی نوٹی، دہلی جنوری ۱۹۸۹ء
- ۷۵۔ " تحائف کی سہ ماہی اور سیاسی اہمیت، تحقیقات اسلامی۔ جنوری مارچ ۱۹۹۲ء
- ۷۶۔ " حکمتِ دولت، ماہنامہ زندگی نوٹی، دہلی، اپریل، مئی، جولائی، اگست ۱۹۸۵ء
- ۷۷۔ " سلام کی اہمیت اور غیر مسلم کو سلام کا حکم، تحقیقات اسلامی اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۶ء
- ۷۸۔ " کم زور اسلام کے سلسلے میں، ماہنامہ زندگی نوٹی، اگست تا دسمبر ۱۹۷۸ء
- ۷۹۔ " مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات۔ تحقیقات اسلامی  
علی گڑھ اپریل، جون، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۶ء۔

## اشاریہ شخصیات

یہ اشاریہ کتاب میں مذکور صرف مسلم شخصیات کا ہے۔ اس میں غیر مسلم شخصیات کا ذکر نہیں ہے۔ بعض ہم نام شخصیات کی تعیین میں دشواری پیش آئی۔ لیکن معنوں کے سیاق و سباق سے اس کی تعیین کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

- ۱۔ الوسی: (۱۲۱۴ - ۱۲۴۰ھ) شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی البغدادی۔ مفسر، محدث، ادیب۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت تفسیر 'روح المعانی' کو حاصل ہوئی۔
- ۲۔ ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ماریہ قبطیہ سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے۔ ۳۳ میں ولادت ہوئی اور اٹھارہ ماہ بعد وفات ہو گئی۔
- ۳۔ ابن ابی حدرد: (م ۴۱۳ھ) صحابی رسول۔ نام عبداللہ۔
- ۴۔ ابن ابی شیبہ: (۱۵۹ - ۲۳۵ھ) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العیسیٰ الکوفی۔ حافظ حدیث۔ آپ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں المصنف فی الاحادیث والاثر بہت مشہور ہوئی۔
- ۵۔ ابن ابی لیلیٰ: (۴۴ - ۱۴۴ھ) محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ یسار بن بلال الانصاری الکوفی۔ قاضی اور فقیر نواب اور نواب عباس کے دور میں ۳۳ سال تک کوفہ کے قاضی رہے۔
- ۶۔ ابن الاثیر: (۵۴۴ - ۶۰۶ھ) ابوالساعات مجد الدین المبارک بن محمد الجزری یوسل کے باشندہ۔ قرآن حدیث، فقہ اور کوفہ کے زبردست عالم۔ لغات حدیث پر انتہائی فی غریب الحدیث والاثر آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔
- ۷۔ ابن الاثیر: (۵۵۵ - ۶۳۱ھ) عزالدین ابوالحسن علی۔ مشہور مورخ۔ الکامل فی التاریخ اور اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔
- ۸۔ ابن بطلال: (م ۲۴۹ھ) ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک القرظی۔ مشہور محدث۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح کی ہے۔
- ۹۔ ابن جوزی: (م ۱۵۰ھ) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اللمکی۔ مشہور فقیہ تالیفی۔
- ۱۰۔ ابن الجوزی: (۵۰۸ - ۵۹۴ھ) ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد القرظی البغدادی۔ اپنے عہد میں تاریخ اور حدیث کے اہم۔ مختلف علوم میں آپ کی تقریباً تین سو کتابیں ہیں جن میں تیس بیس کتابیں مکتوبات

والتروکین۔ ترمذی، الاصحاح فی علم الوجوه والذخائر، الموموعات فی الاحادیث المرفوعات اور زاد المسیر فی علم التفسیر مشہور ہیں۔

۱۱۔ ابن حبان: (م ۳۵۴) البوہاتم محمد بن حبان البستی، بحبان کے باشندہ، فقہ، حدیث، طب اور نجوم کے عالم۔ المسند الصحیح، التاریخ، روضۃ القطار، وزینۃ الفضل، ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

۱۲۔ ابن حجر (۴۴۲-۸۵۲) الحافظ احمد بن علی بن حجر الحسقلانی۔ مصر کے باشندہ۔ حدیث کے زبردست عالم۔ تاریخ اور فقہ شافعی میں بھی شہرت تھی۔ ۱۵۰ سے زائد تصانیف ہیں جن میں الاصباح فی تمیز الصحابہ اور فتح الباری شرح صحیح البخاری مشہور ہیں۔

۱۳۔ ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶) ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری، اندلس کے مشہور صاحبِ مہب فقہیہ، مختلف علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں انفصل فی الملل والاسوار والنحل، المعنی، جوامع الحرف اور الاحکام فی اصول الاحکام مشہور ہیں۔

۱۴۔ ابن خویمرہ منداد مالکی:

۱۵۔ ابن دقیق العید: (۶۲۵-۷۰۲) ابو الفتح تقی الدین محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری، مجتہد فقہیہ، مصر میں منسوب قضا پر فائز رہے۔ حدیث و فقہ وغیرہ میں متعدد تصانیف ہیں جن میں احکام الاحکام اور الامام باحادیث الاحکام مشہور ہیں۔

۱۶۔ ابن رشد (م ۱۱۹۸) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد۔ اندلس کے مشہور فقہیہ، فلسفی اور طبیب فقہیہ میں بیادۃ المجتہد فلسفہ میں تہافتۃ التہافت اور طب میں کتاب الکلیات کو غیر معمولی شہرت ملی۔

۱۷۔ ابن زبید ( ) تابعی، امام محمد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے۔ امام اعش کے استاد۔

۱۸۔ ابن سعد (۱۶۸-۲۴۰) ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری، معبر مورخ اور حافظ حدیث۔ واقعی کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے کاتب واقعی کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کی کتاب الطبقات الکبریٰ مشہور ہے۔

۱۹۔ ابن سیرین (م ۱۱۰) ابوبکر محمد بن سیرین البصری الانصاری۔ جلیل القدر تابعی حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام۔ حضرت انسؓ، ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی۔

۲۰۔ ابن شبرمہ (م ۱۲۴) عبداللہ بن شبرمہ بن الطفیل الکوئی القاضی۔ فقہ اہل کوفہ، تابعی، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ سفیان ثوریؓ، سفیان بن عیینہؓ، شعبہ اور عبداللہ بن المبارکؓ

وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۱۔ ابن عابدین (۱۱۹۸-۱۱۵۲ھ) محمد بن عمر بن عبدالعزیز عبداللہ بن الدشتقی۔ فقیر شام اپنے وقت میں فقیر حنفی کے امام۔ فقہ و فتاویٰ، اصول، بلاغت، فرائض اور فقیر میں متعدد تصانیف ہیں۔ درختنا پر آپ کے حاشیہ "رد المحتار علی الدر المختار" کو غیر معمولی شہرت ملی۔

۲۲۔ ابن عبد البر (۳۶۸-۴۶۲ھ) ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمیری القرطبی المالکی۔ عظیم حافظ حدیث، مورخ، ادیب، فقہ، تراجم، سیرت، علم قرأت اور انساب وغیرہ پر بہت سی تصانیف ہیں۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جامع بیان العلم وفضله آپ کی چند مشہور تصانیف ہیں۔

۲۳۔ ابن عبد ربیعہ (۲۴۶-۳۲۸ھ) ابو عمر احمد بن محمد بن عبدالبر الاندلسی۔ قرطبہ کے مشہور ادیب اور شاعر۔ آپ کی تصنیف العقد الفرید عربی ادب کی مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔

۲۴۔ ابن عدی (۲۴۴-۳۶۵ھ) ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک بن القطان الجرجانی۔ حدیث اور اسما، الرجال میں ماہر تھے۔ اس فن میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الرواۃ اور علل الحدیث مشہور ہیں۔

۲۵۔ ابن العربی مالکی (۴۶۸-۵۴۳ھ) ابو بکر محمد بن عبداللہ بن محمد العاصمی الاشبیلی المالکی۔ حافظ حدیث، اشبیلہ میں منصب قضا پر فائز رہے۔ حدیث، فقہ، اصول، تفسیر، ادب اور تاریخ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں العواصم من القوائم احکام القرآن، عاقرۃ الاوحی فی شرح التردی مشہور ہیں۔

۲۶۔ ابن عیینہ (۱۰۴-۱۹۸ھ) ابو محمد سفیان بن عیینہ بن یحییٰ الہلالی الکوئی۔ تابعی امام زہری کے شاگرد، اعمش، ثوری، شعبہ، شافعی اور احمد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۷۔ ابن قدامہ (۵۱۶-۶۲۰ھ) ابو محمد موقت الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مشہور حنبلی فقیر۔ حدیث، فقہ و اصول، فقہ، اصول دین، لغت اور انساب وغیرہ میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں المغنی، المنقح، العمدۃ اور الکافی مشہور ہیں۔

۲۸۔ ابن قیّم الجوزیہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد لازری الدمشقی۔ ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد، مختلف اسلامی علوم میں قابل قدر تصانیف ہیں۔ اعلام المؤمنین، احکام اہل الذمہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد و مدارج السالکین، بیہان فی اقسام القرآن اور ہدایۃ الیاری فی الرد علی الیہود

وانصاری آپ کی چند مشہور تصانیف ہیں۔

۲۹۔ ابن کثیر (۷۰۱ - ۷۷۴ھ) عاد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی۔ حافظہ حدیث، مورخ، فقیہ، مفسر۔ ابوابیہ و انہائیہ، تفسیر القرآن الکریم، جامع المسائید، اختصار علوم الحدیث آپ کی اہم اور مشہور تصانیف ہیں۔

۳۰۔ ابن الکلبی (۱۴۶م) ابوالنضر محمد بن سائب بن بشر تفسیر، ایام العرب اور انساب کے عالم محدث میں ضعیف سمجھے جاتے تھے۔

۳۱۔ ابن ماجہ (۲۰۹-۲۴۳ھ) ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ مشہور محدث۔ آپ کی کتاب سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۳۲۔ ابن منذر (۲۴۲-۳۱۹ھ) ابوبکر محمد بن ابراہیم بن النذر النیسابوری۔ فقیہ مجتہد، حافظہ حدیث۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

۳۲۔ ابن منظور (۹۲۰ - ۹۷۱ھ) ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی الانصاری الرویفی الافرقی۔ مشہور ماہر لغت۔ مختلف علوم و فنون میں بہت سی کتابوں کے اختصار۔ یہ تیار کیے۔ آپ کی تصنیف لسان العرب کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

۳۳۔ ابن الصنیعی (۴۲۰ - ۴۸۳ھ) ناصر الدین احمد بن محمد الاسکندری المالکی۔ اسکندریہ کے علاوہ ارباب میں شمار ہوتا ہے۔ منصب قضا پر فائز رہے۔ الانصاف فیما لقیتمہ الکشاف من الاعتزال کے نام سے کتشاف پر حاشیہ لکھا۔

۳۴۔ ابن وہب (۱۲۵ - ۱۹۷ھ) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم الفہری۔ مالکی فقیہ، مجتہد، حافظہ حدیث۔ حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

۳۵۔ ابن وہبان حنفی (۷۸۶ھ) امین الدین عبدالوہاب بن احمد بن وہبان الحارثی الدمشقی حنفی فقیہ ادریب، تاجنی، آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

۳۶۔ ابن ہبیب (۵۶۰ھ) عون الدین ابوالنظر یحییٰ بن محمد۔ حنبلی فقیہ۔ الانصاح عن معانی الصحاح آپ کی مشہور تصانیف ہے۔

۳۷۔ ابن ہشام (۲۱۳م) ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری العسقلانی۔ مورخ، لغت اخبار عرب اور انساب کے عالم۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں السیرۃ النبویہ کو (سیرت ابن ہشام کے نام سے) غیر معمولی شہرت ملی۔

ابو ابن الہمام (۴۹۰ - ۵۸۶ھ) کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود۔ فقہ حنفی کے مشہور امام، مختلف علوم و فنون کے ماہر۔ فقہ میں ہمایہ کی شرح فتح القدر اور اصول فقہ میں التحریر آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۳۸۔ ابوامامہ الباہلیؒ (م ۳۸۶) صحابی رسول۔

۳۹۔ ابویکو صدیقؒ (م ۶۱۳) رسول صل اللہ علیہ وسلم کے یارِ عار، خلیفہ اول، نام عبداللہ تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو ثمالہ تھی۔

۴۰۔ ابو ثعلبہ حنفیؒ (م ۴۵۵) صحابی رسول، نام جہم بن ناشب، بیت رضوان میں شریک تھے۔

۴۱۔ ابوثور (م ۵۲۲) ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان، الکلبی البغدادی۔ فقہ شافعی کے امام، علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ متعدد کتابیں تالیف کیں۔

۴۲۔ ابو جندلؒ (م ۶۱۸) بہل بن عمرو القرظی العامری۔ صحابی رسول، خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔

۴۳۔ ابو جہم بن حذیفہؒ العدوی القرظی۔ نام عامر تھا۔ صحابی رسول، حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

۴۴۔ ابو حفص عکبری

۴۵۔ ابو حمید الساعدیؒ: صحابی رسول، حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

۴۶۔ ابو حنیفہ (۸۰ - ۱۵۰ھ) نعمان بن ثابت۔ فقہ حنفی کے بانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ جماد بن

ابی سلیمان، عطاء بن ابی رباح، محمد بن المنکدر، نافع اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ عبداللہ بن مبارک، وکیع، قاضی ابویوسف وغیرہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔

۴۷۔ ابوالخطاب (۲۳۲ - ۳۱۰ھ) محفوظ بن احمد الحسن انکلوذانی البغدادی۔ اپنے عہد میں فقہ حنفی کے امام۔ فقہ و فرائض میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

۴۸۔ ابوداؤد (۲۰۴ - ۲۴۵ھ) سلیمان بن الاشعث۔ مشہور محدث، آپ کی کتاب سنن ابی داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۴۹۔ ابوالدرداءؒ (م ۳۲۲) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

۵۰۔ ابودرعقاریؒ (م ۳۲۲) مشہور صحابی رسول، عبادت و زہد میں مشہور تھے۔

۵۱۔ ابوالسعود (۸۹۸ - ۹۸۲ھ) محمد بن محمد بن مصطفیٰ العامری۔ ترکی کے عالم، مفسر اور شاعر۔ قضا کے منصب پر فائز رہے۔ عربی، فارسی اور ترکی میں استفتاء کا جواب دیتے تھے۔ ارشاد العقل السلیم الی

مزایا الکتاب الکریم آپ کی مشہور تفسیر ہے۔

- ۵۲۔ ابوسعید خدریؓ (م ۴۷۲) نام سہین الملک الانصاری، صحابی رسول۔
- ۵۳۔ ابوسفیان بن حرب اموی (م ۶۳۴) صحابی رسول، اشرف قریش میں سے تھے۔
- ۵۴۔ ابوصالح (تابعی) ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت الحارثؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی۔ اعمش کے استاد۔
- ۵۵۔ ابوالعالیہ (م ۶۹۰) نام رفیع بن مہران، تابعی، حضرت عمر بن الخطاب اور ابی بن کعب سے احادیث روایت کی ہیں۔
- ۵۶۔ ابویسید (۵۷۲-۱۵۷) القاسم بن سلام الہروی الازدی۔ حدیث، فقہ اور ادب کے بڑے عالم منصب قضا پر فائز رہے۔ غریب القرآن، قرأت، حدیث اور دیگر موضوعات پر متعدد تصانیف ہیں جن میں کتاب الاموال، الغریب المصنف، کتاب الامثال مشہور ہیں۔
- ۵۷۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ (م ۶۱۸) صحابی رسول۔ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔
- ۵۸۔ ابومجلیسؓ (م ۱۰۶ھ) لائق بن حمید السدوسی۔ تابعی، حضرات صحابہ: ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، انسؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ سے سماعت کی۔ ابن سیرین، ابویوسفؓ، سخیانی اور قتادہ وغیرہ کے استاد تھے۔
- ۵۹۔ ابوموسیٰ اشعریؓ (م ۵۲ھ) صحابی رسول، امام عبداللہ بن قیس۔
- ابومیسرک: دیکھئے عمرو بن شریل۔
- ۶۰۔ ابولعیم (۳۳۴ - ۴۴۲) احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ مشائخ حدیث میں سے تھے۔ آپ کی تصنیف حلیۃ الاولیاء مشہور ہے۔
- ابووائل: دیکھئے شقیق بن ابی سلمہ۔
- ۶۱۔ ابوصیریؓ (م ۵۷۷) صحابی رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایتیں کی ہیں۔
- ۶۲۔ ابولعلی (۳۸۰ - ۴۵۸) محمد بن الحسین بن محمد بن خلف ابن القار۔ حنبلی فقیہ، بغداد میں اپنے عہد کے بڑے عالم منصب قضا پر فائز رہے۔ مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ و اصول فقہ، ادب اور طب وغیرہ میں متعدد تصانیف ہیں جن میں الاحکام السلطانیہ، الکفایۃ فی اصول الفقہ مشہور ہیں۔
- ۶۳۔ ابولیوسف (۱۱۳ - ۱۸۲) یعقوب بن ابراہیم بن حسیب البکونی البغدادی۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید، فقیہ، حافظ حدیث، طویل عرصے تک بغداد کے قاضی رہے، سب سے پہلے اصول فقہ کے موضوع پر کام کیا۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں کتاب الخراج اور کتاب الآثار کو شہرت ملی۔
- ۶۴۔ احمد الدرریدی (۱۱۷۷ - ۱۲۰۱) ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد اندودی۔ مصر کے مشہور مالکی فقیہ،

ازہر میں تعلیم پائی اقرب الساک لندہب الام مالک اور فتح القدر آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۶۵۔ احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ) ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی البوہلی۔ فقہ حنبلی کے بانی، ائمہ ابوہریرہ سے ہیں یحییٰ بن سعید، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ بخاری، مسلم، ابوزرعہ، ابوداؤد وغیرہ کے استاد۔

۶۶۔ احمد محمد شااکر (۱۲۰۹-۱۲۴۴ھ) مہری نژاد عالم، مندا حمد کی شرح اور تفسیر ابن کثیر کی تخیص کی متعدد مراجع اور اہمات کتب کی تحقیق کی۔

۶۷۔ اذینہ العیدی

۶۸۔ اروی بنت ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب ( صحابہ رسول )

۶۹۔ ازہوری ( ۲۸۲ - ۳۲۷ھ ) ابو منصور محمد بن احمد بن الازہر الہروی۔ لغت و ادب کے امام۔ خراسان کے باشندہ۔ فقہ میں بھی مہارت تھی۔ تہذیب اللغة اور غریب الافاظ التي استعملها الفقہاء آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۷۰۔ اسامہ بن زید ( ۳۵ھ ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منظور نظر صحابی۔

۷۱۔ اسحاق بن راہویہ ( ۱۶۱-۲۳۸ھ ) ابو یوسف اسحاق بن ابراہیم بن محمد المصنف التیمی۔

مشہور تابعی۔ حدیث اور فقہ کے جامع، طلب علم میں مختلف ممالک کا سفر کیا پھر نسیاپور میں اقامت اختیار کی۔ احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور دیگر محدثین نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔

۷۲۔ اسحاق بن عبد اللہ بن حارث ( ۱۳۲ھ ) مدینہ کے تابعی، امام مالک کے استاد۔ امام مالک ان سے زیادہ کسی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

۷۳۔ اسماء بنت ابی بکر ( ۴۳ھ ) حضرت ابو بکر صدیق کی بڑی صاحبزادی، حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ ذات النطاقین آپ کا لقب تھا۔

۷۴۔ اسماعیل بن اسحاق ( ۲۰۰-۲۸۲ھ ) بن اسماعیل بن حماد بن زید الجہضمی الازدی۔ مالکی فقیہ۔ بغداد و مدائن وغیرہ کے قاضی رہے۔ فقہ میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الموطا، احکام القرآن، الملبوط، الاحتجاج بالقرآن (دو جلدیں) شواہد الموطا (۱۰ جلدیں) مشہور ہیں۔

۷۵۔ اسماعیل بن محمد ( ۱۲۴ھ ) تابعی، مشہور صحابی رسول حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے پوتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ان کا شمار فقہاء مدینہ کے چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ، ابن جریر، مالک اور زہری وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

- ۷۶۔ اشہب (۱۳۵ - ۲۰۲) ابو عمرو بن عبدالعزیز بن داؤد التیمی العامری المجدی۔ مالکی فقیہ۔ اپنے عہد کے زبردست عالم دین۔ مصر کے باشندہ۔
- ۷۷۔ ام ہانیؓ (۲ ابہ ۴۲۰) صحابیہ رسول، حضرت علی بن ابی طالبؓ کی بہن۔
- ۷۸۔ امیمہ بنت بشرؓ صحابیہ رسول، انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ حضرت سہل بن حنیف کی زوجہ۔
- ۷۹۔ انس بن مالکؓ (۲ ۹۱) الانصاری۔ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔
- ۸۰۔ اوزاعی (۸۸ - ۱۵۷) ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن مجید، شام کے مشہور فقیہ، مہمدہ قضا کی پیشکش کی گئی مگر قبول نہیں کیا۔ فقہ میں السنن اور المسائل ان کی تصانیف ہیں۔

(ب)

- ۸۱۔ بخاری (۱۹۲ - ۲۵۶) ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، مشہور محدث، آپ کی کتاب الجامع الصحیح کا صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے۔ امت کی اکثریت اسے اصح کتاب بعد کتاب اللہ (قرآن) کے بعد صحیح ترین کتاب کہتا ہے۔
- ۸۲۔ بدیل بن ورقاء الخزاعی، صحابی رسول، عبد نبوی میں وفات پا گئے تھے۔
- ۸۳۔ بربیعہؓ (۲ ۶۲) بن الحصیب الاسلمی، صحابی رسول، غزوہ بدر سے قبل اسلام قبول کیا۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔
- ۸۴۔ بزار (۲۹۲) ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخائق۔ بصرہ کے مشہور محدث۔ حدیث میں آپ کی تصنیف مندرجہ ذیل مشہور ہے۔
- ۸۵۔ بشر بن براءؓ (۴ ۷۷) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ بیعت عقبہ اور بدر و احد میں شریک رہے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر وفات پائی۔
- ۸۶۔ بقوی (۴ ۵۱۶) ابو محمد حسین بن مسعود الفراء، ثقہ و حدیث کے امام آپ کی تصانیف میں حدیث میں کتاب الصایح اور شرح السنہ، فقہ میں کتاب التہذیب اور تفسیر میں معالم التنزیل مشہور رکھتی ہیں۔
- ۸۷۔ بلاذری (۴ ۲۷۹) احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البنادی، مورخ، حجازیہ داں، باہر نساب فتوح البلدان اور نساب الاشراف آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔
- ۸۸۔ بلال بن رباح (۴ ۲۰) حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام، مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمرؓ نے انہیں سیدنا یحییٰؑ کہا ہے۔

۸۹۔ بیہقی (۲۸۲ - ۳۴۵۸) ابوبکر احمد بن الحسن - حدیث کے امام۔ السنن الکبریٰ آپ کی مشہور تصانیف ہے۔

(ب)

۹۰۔ ترمذی (۲۰۹ - ۳۲۶۹) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ - مشہور محدث، آپ کی کتاب جامع الترمذی کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

۹۱۔ تمیم داریؒ: صحابی رسول، پہلے عیسائی تھے۔ ۳۹ھ میں اسلام قبول کیا۔

(ث)

۹۲۔ تمامہ بن اُتالؒ: صحابی رسول، پیام کے سردار

۹۳۔ ثوری (۹۷ - ۲۱۶) ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن سروق کوفہ کے مشہور تابعی، حدیث اور فقہ کے جامع، امام مالک، اوزاعی، ابن جریج، سفیان بن عیینہ، معمر، شعبہ وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

۹۴۔ ثویب بن ابی فاخثہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؑ کے آزاد کردہ غلام۔ محدثین نے انہیں ضعیف اور شرک قرار دیا ہے۔

(ج)

۹۵۔ جابر بن عبد اللہ الانصاری (م ۴۴ھ) صحابی رسول۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔

۹۶۔ جبارود بن المعالیؒ العبدی (یشرب عمرو) ۳۹ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ حضرت نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ۳۳ھ میں خلافت فاروقی میں شہید ہوئے۔

۹۷۔ جصاص (۳۰۵ - ۳۴۰) ابوبکر احمد بن علی الرازی۔ رے کے مشہور حنفی فقیہ، بغداد میں قیام رہا۔ عہدہ قضائیش کیا گیا مگر اسے قبول نہیں کیا۔ آپ کی کتاب احکام القرآن مشہور ہے۔

۹۸۔ جوہری (م ۳۹۳ھ) ابوالفضل اسماعیل بن حاد۔ مشہور ماہر لغت۔ الصحاح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

(ح)

۹۹۔ حارث بن ابی ربیعہ ( ) حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ المخزومیؒ کے صاحبزادے

تابعی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے لبرہ کا عامل بنایا تھا۔

۱۰۰۔ حاذی (۵۴۸ - ۵۸۴) ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن مازم مشہور محدث۔ بغداد میں وفات پائی۔ حدیث و اصول حدیث اور انساب پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں حدیث میں الاعتبار فی بیان الناسخ و المنسوخ من الآثار اور اصول حدیث میں شروط الاثر الثمہ مشہور ہیں۔

۱۰۱۔ حاطب بن ابی یلدعہؓ (م ۳۰۴) بصری صحابی

۱۰۲۔ حاکم (۳۲۱ - ۴۰۵) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ بن نعیم النیسابوری، حافظہ قندس، تافس نیسابور۔ حدیث و اصول حدیث اور اسرار رجال کے ماہر۔ التدرک علی الصحیحین، المدخل اور مرقۃ اہول الحدیث آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

حبیب بن اساتؓ (نام کا صحیح تلفظ حبیب ہے) دیکھئے حبیب بن اسات

۱۰۳۔ حدیفہ بن الیمانؓ (م ۲۲۵) صحابی رسول، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار۔ دور قن سے متعلق آنحضرتؐ کی پیشین گوئیوں سے سب سے زیادہ واقف تھے۔

۱۰۴۔ حسان بن ثابتؓ (م ۴۴) شاعر رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

۱۰۵۔ حسن بن علیؓ (۳ - ۴۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی بن ابی طالبؓ کے بڑے صاحبزادے۔

۱۰۶۔ حسن بصریؓ (۲۱ - ۱۱۰) ابوسعید الحسن بن یسار البصری، جلیل القدر تابعی، علم و فن اور زہد و ورع میں امام وقت۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، ابن عباسؓ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۰۷۔ حسین بن علیؓ (۴ - ۴۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی بن ابی طالبؓ کے چھوٹے صاحبزادے۔

(خ)

۱۰۸۔ خازن (۶۷۸ - ۷۷۱) علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم اشہمی۔ شام کے شافعی فقیر۔ تصوف کا بھی ذوق اور درحمان تھا۔ آپ کی تفسیر لباب التاویل فی معانی التشریح تفسیر خازن کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۹۔ خالد بن سعید بن العاصؓ (م ۴۴) صحابی رسول، قدیم الاسلام، مہاجر حبشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب۔

۱۱۰۔ خالد بن عبد اللہ قسریؓ (۶۶ - ۱۲۶) عرب کے مشہور خطیب اور شہ سوار اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے مکہ والی مقرر کیا تھا۔ پھر ہشام نے کوفہ و بصرہ کا والی بنایا۔ آخر میں ان پر زندقہ

کا اہرام لگا جس کی بنا پر انھیں قتل کر دیا گیا۔

۱۱۱۔ خالد بن مہاجر: تابعی، حضرت خالد بن ولیدؓ کے پوتے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی۔ ابن شہاب زہریؒ نے ان سے روایت کی ہے۔  
 ۱۱۲۔ خالد بن ولیدؓ (م ۲۱ھ) صحابی رسول، آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔

۱۱۳۔ خبابؓ بن الارت قبیلی (م ۳۴ھ) صحابی رسول، السابقون الاولون میں سے تھے۔  
 ۱۱۴۔ حبیب بن اسافؓ: الانصاری الخزرجی، صحابی رسول۔ غزوہ بدر کے موقع پر اسلام قبول کیا حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

۱۱۵۔ خرقی (م ۳۳۴ھ) ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ حبلی فقیہ، بغداد کے باشندہ۔ فقہ میں آپ کی ایک کتاب المتحرف ہے جو مختصر الخرقی کے نام سے مشہور ہے۔ ابن قدامہ نے اس کی شرح المغنی کے نام سے کی ہے۔

۱۱۶۔ خطابؓ (م ۳۸۸ھ) ابو ییمان احمد بن محمد۔ فقہ، حدیث اور ادب کے امام۔ عالم السنن، اعلام السنن اور غریب الحدیث آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

۱۱۷۔ خلّال (م ۳۱۱ھ) ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون۔ بغداد کے باشندہ، حنبلی فقیہ۔ تفسیر، حدیث اور لغت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

(۵)

۱۱۸۔ دارقطنی (۲۰۶-۳۸۵ھ) ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی اشاعفی۔ اپنے عہد میں حدیث کے امام، حدیث اور اسناد الرجال میں متعدد تصانیف ہیں جن میں السنن مشہور ہے۔

۱۱۹۔ دارمی (۱۸۱-۲۵۵ھ) ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن مشہور محدث، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کے استاد۔ آپ کی کتاب سنن الدارمی کے نام سے مشہور ہے۔

۱۲۰۔ دحبیہ کلبیؓ (م ۴۵ھ) صحابی رسول، غزوہ احد اور بحد کے غزوات میں شریک ہے۔ ۳۳ھ میں مکتوب نبوی لے کر قیصر روم کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ جبرئیل امین آپ کی صورت میں وحی لے کر آتے تھے۔

(۶)

۱۲۱۔ رازی (۵۴۴-۶۶۶ھ) ابو عبداللہ قزالدین محمد بن عمر بن الحسن بن حسین البتیمی البکری۔

مقولات و مقولات کے امام، کثیر تصانیف۔ آپ کی مشہور تفسیر مناقح الغیب تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے۔ دیگر تصانیف میں المباحث الشرعیہ، نہایت الاجازتی علم الاجازہ۔ محصل افکار المتقین و المتأخرین مشہور ہیں۔

۱۲۲۔ داغیب اصفہانی (م ۴۵۰۲) ابوالقاسم حسین بن محمد بن الفضل۔ ادب و لغت کے امام۔ آپ کی تصانیف میں المفردات فی غریب القرآن کے علاوہ محاضرات الادب اور الذریعہ الی حکام الشریعہ مشہور ہیں۔  
۱۲۳۔ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن (م ۱۳۶) جلیل القدر تابعی۔ فقہار مدینہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت سائب بن یزید سے سماعت کی۔ امام ثوری اور امام مالک بن انس کے استاد تھے۔

۱۲۴۔ رشید رضا مصری (۱۲۸۲-۱۳۵۴) مدیر مجلہ الماز مصر، شیخ محمد عبیدہ کے شاگرد رشیداً حدیث، ادب، تاریخ اور تفسیر کے عالم۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر المنار کو سب سے زیادہ شہرت ملی۔ اس کی ابتدائی جلدوں میں اپنے استاد محمد عبیدہ کے افادات اور نوٹس پیش نظر رہے۔ بعد میں اسی نچ پر تفسیر لکھنی شروع کی۔ بارہ جلدوں میں بارہ پاروں کی تفسیر لکھی، مکمل نہ کر سکے۔ الاموی الحمیری، اختلاف ذکری المولد النبوی، شبہات انصاری و حج الاسلام آپ کی چند اہم تصانیف ہیں۔

(ذ)

۱۲۵۔ ذبیح بن العوام (م ۳۶) صحابی رسول، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی، حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے۔

۱۲۶۔ ذرقانی (۱۰۵۵-۱۱۲۲) ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان المصری الازہری المالکی، مصر میں اپنے عہد کے عظیم محدث۔ حدیث اور اصول حدیث میں متعدد تصانیف ہیں جن میں شرح المواہب اللدنیہ اور شرح موطا امام مالک مشہور ہیں۔

۱۲۷۔ ذفر (۱۱۰-۱۵۸) بن الہذیل بن قیس الغیری۔ مشہور حنفی فقیہ۔ تاحضی لصرہ۔  
۱۲۸۔ ذمخشوری (۲۶۷-۵۳۸) ابوالقاسم جار اللہ محمد بن عمرو بن محمد بن احمد الخوارزمی۔ تفسیر، لغت اور ادب کے امام۔ معتزلی۔ مختلف موضوعات پر بہت سی تصانیف ہیں جن میں اکتشاف عن حقائق التنزیل، اساس البلاغۃ اور المفصل کو غیر معمولی شہرت ملی۔

۱۲۹۔ زھری (م ۱۲۲) ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن شہاب۔ جلیل القدر تابعی۔ محدث، فقیہ، بہت سے صحابہ سے روایت کی، حضرت قتادہ اور امام مالک کے استاد۔

۱۳۰۔ زیلعی (م ۴۶۲) ابو محمد جلال الدین عبداللہ بن یوسف بن محمد قفیع، محدث، تصانیف میں  
فی تخریج احادیث الہدایۃ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ کی ایک کتاب تخریج احادیث الکفانی  
بھی ہے۔

(س)

۱۳۱۔ سُبُعِیَّة بنت الحارث (اسلمیہ) صحابیہ، حضرت سعد بن حویرہؓ کی بیوی۔  
۱۳۲۔ سعد بن ابی وقاصؓ (م ۵۵) صحابی رسول، عشرہ مبشرہ میں سے تھے، عظیم سپہ سالار۔  
۱۳۳۔ سعد بن عبادہؓ (م ۶۱۵) جلیل القدر صحابی رسول۔ انصار کے قبیلہ خزرج سے  
تعلق تھا۔ ان بارہ نقباء میں سے تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت عقبہ کے موقع پر نازد  
فرمایا تھا۔

۱۳۴۔ سعد بن معاذؓ (م ۶۵) جلیل القدر صحابی۔ انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالمطلب  
سے تعلق تھا۔ عقبہ کی دونوں بیٹیوں میں شریک تھے۔

۱۳۵۔ سعید بن جبیر (م ۹۵) جلیل القدر تابعی۔ حضرات صحابہ ابو مسعودؓ، ابن عباسؓ،  
ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور انسؓ سے احادیث روایت کیں۔

۱۳۶۔ سعید بن العاصؓ (م ۵۹) صحابی رسول، سپہ سالار، حضرت عثمانؓ نے گورنر بنایا تھا۔

۱۳۷۔ سعید بن المسیب (م ۹۲) سیدنا یحییٰ، حدیث اور ثقہ کے جامع۔ عبادت اور  
زہد و ورع میں مشہور تھے۔

۱۳۸۔ سلمانؓ الفارسی (م ۳۵) صحابی رسول۔

۱۳۹۔ سلمہ بن اکوعؓ (م ۴۴) صحابی رسول، بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۱۴۰۔ سلیمان الاعمش (۶۰ - ۱۲۸) ابو محمد سلیمان بن مہران الاسدی۔ تابعی، علم حدیث  
علم قرأت اور فرائض کے ماہر۔ بکواہل کے آزاد کردہ غلام۔ کوفہ میں قیام رہا۔

۱۴۱۔ سلیمان بن موسیٰ (م ۱۱۹) ابو الازبع المعروف بالاشدق، شام کے مشہور فقیہ۔

۱۴۲۔ سلیمان بن یسار (۶۴ - ۱۲۷) ابو ایوب، تابعی، ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے  
آزاد کردہ غلام، مدینہ کے فقہاء سبعہ میں شمار ہوتا ہے۔

۱۴۳۔ سہل بن حنیفؓ (م ۳۸) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ تمام غزوات  
میں شریک رہے۔

- ۱۴۴ - سہیل بن عمروؓ (م ۱۴۲) صحابی رسول، فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔
- ۱۴۵ - سہیلی (۵۰۸ - ۶۵۸) عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد نخعی۔ حافظ، لغت اور سیر کے امام۔ سیرت ابن ہشام کی آپ کی شرح الروض الاف بہت مشہور ہوئی۔
- ۱۴۶ - سیدین - اریہ قبیطیؓ کی بہن۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے پاس رہیں۔
- ۱۴۷ - سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱) جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخفیری۔ مفسر، محدث، مورخ، ادیب، مختلف علوم میں تقریباً چھ سو کتابیں تالیف کیں جن میں الاتقان فی علوم القرآن، تفسیر جلالین، الاشیاء والنظائر، الدر المنثور فی التفسیر بالاثور، اللامی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ مشہور ہیں۔

(ش)

- ۱۴۸ - شافعی (۱۵۰ - ۲۰۴) ابو عبداللہ محمد بن ادریس اہل شامی۔ فقہ شافعی کے بانی ائمہ اربعہ میں سے تھے۔ فقہیں کتاب الام، اصول فقہ میں الرسالہ اور حدیث میں المسند آپ کی اہم کتابیں ہیں۔
- ۱۴۹ - شوبیح (م ۴۷۸) بن الحارث بن قیس بن اہبم الکندی۔ عہد اول کے مشہور قاضی۔ خلافت فاروقی سے خلافت معاویہ تک کوفہ کے قاضی رہے۔ حدیث میں ثقہ تھے۔ ادب و شعر میں بھی مہارت تھی۔
- ۱۵۰ - شعبی (۱۹ - ۱۰۳) ابو عمرو عامر بن شراحیل بن عبد ذی کبار الشیبی (بحیری)۔ جلیل القدر تابعی۔ تقریباً پانچ سو صحابہ سے آپ کو شرفِ ملاقات حاصل ہے۔ کوفہ کے مشہور امام علم و فضل میں سے تھے۔
- ۱۵۱ - شقیق بن ابی سلمہ (م ۹۹) تابعی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زنا نر یا مالکین شرفِ صحابیت سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔
- ۱۵۲ - شوکانی (۱۱۷۳ - ۱۲۵۰) محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ اشوکانی۔ یمن کے مجتہد فقیر منصب قضا پر فائز رہے۔ فقہ، رجال، تفسیر اور دیگر موضوعات پر سو سے زائد تصانیف ہیں جن میں نیل الاوطار من اسرار مستقی الاخبار اور فتح القدر بہت مشہور ہیں۔

(ص)

- ۱۵۳ - صالح (م ما بعد ۱۴۰) (بن کسان المدنی) تابعی، حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بچوں کے اتالیق تھے۔ ابن جریر، ہجر اور امام مالک کے استاد تھے۔
- ۱۵۴ - صفوان بن امیہؓ (م ۴۲) صحابی رسول، غزوہ حنین کے بعد اسلام قبول کیا۔
- ۱۵۵ - صفیہ بنت حنی بن اخطب (م ۵۰) ام المؤمنین

(ض)

۱۵۶۔ ضمورہ بن جندبؓ: (صحابی رسول۔ ان کا نام بعض سوانح نگاروں نے ضمورہ بن عمرو الخزاعی بیان کیا ہے۔

(ط)

۱۵۷۔ طاؤس بن کیسان الغولانی (م ۱۰۵ھ) تابعی، امام زہری کے استاد۔  
 ۱۵۸۔ طبرانی (۲۶۰-۳۲۰ھ) ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی مشہور محدث۔ آپ کی کتاب المعجم الصغیر مشہور ہے۔  
 ۱۵۹۔ طبری (۲۲۲-۳۱۰ھ) ابو جعفر محمد بن جریر بن زید الطبری۔ مورخ، مفسر، امام، مجتہد۔ منصب قضا کی پیش کش کی گئی مگر قبول نہیں کیا۔ تاریخ میں آپ کی کتاب اخبار الرسل والملوک (تاریخ بڑی) اور تفسیر میں جامع البیان عن تاول آی القرآن (تفسیر طبری) دونوں کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔  
 ۱۶۰۔ طحاوی (۲۲۹-۳۲۱ھ) ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمۃ الازدی۔ مہر کے مشہور حنفی فقیہ۔ آپ کی تصانیف میں شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، کتاب الشفعہ اور بیان السنۃ مشہور ہیں۔  
 ۱۶۱۔ طلحہ بن عبید اللہؓ (م ۳۶ھ) صحابی رسولؐ، مشرہ ہمشرہ میں سے تھے۔ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔  
 ۱۶۲۔ طیبی (م ۴۳ھ) شرف الدین الحسین بن محمد بن عبداللہ۔ حدیث، تفسیر اور علم بیان کے ماہر، شرح کشف، شرح مشکوٰۃ الصالحین اور اختلافات معرفۃ الحدیث آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

(ع)

۱۶۳۔ عامر بن مالکؓ: بن جعفر العامری الکلابی۔ ملاعب الائمة کے لقب سے مشہور تھے صرف خلیفہ بن خیاط نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔ یقیناً تمام اصحاب میر کے نزدیک ان کا قبول اسلام ثابت نہیں ہے۔  
 ۱۶۴۔ عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ (م ۵۷ھ) ام المومنین۔  
 ۱۶۵۔ عبادہ بن صامتؓ (م ۳۲ھ) صحابی رسولؐ، بیعت عقبہ میں شریک تھے۔  
 ۱۶۶۔ عباس بن عبدالمطلبؓ (م ۳۲ھ) صحابی رسولؐ، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔  
 ۱۶۷۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ (م ۵۳ھ) صحابی رسولؐ، ام المومنین حضرت عائشہ کے بھائی۔  
 ۱۶۸۔ عبد الرحمن بن عوفؓ (م ۳۱ھ) صحابی رسولؐ، عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔  
 ۱۶۹۔ عبد الرزاقؓ (۱۲۶-۳۱۱ھ) ابوبکر بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعائی۔ ثقہ، حافظ حدیث۔ آپ کی کتاب "المصنف" مشہور ہے۔

۱۶۰۔ عبد اللہ بن ابونکیر (م ۱۱۷ھ) ابو یحییٰ الزبائی اضاہی۔ فقہا و دانشمندی میں سے تھے۔ محمد بن سعد نے تابعینِ شام کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔

۱۶۱۔ عبد اللہ بن رواحہ (م ۴۸ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ شاعرِ رسول۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

۱۶۲۔ عبد اللہ بن زبیر (م ۴۳ھ) صحابی رسول۔

۱۶۳۔ عبد اللہ بن سہیل بن حنیف الانصاری ( صحابی رسول )

۱۶۴۔ عبد اللہ بن عباس (م ۶۸ھ) صحابی رسول، حبرِ الامہ

۱۶۵۔ عبد اللہ بن عمر (م ۴۳ھ) صحابی رسول

۱۶۶۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۳ھ) صحابی رسول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔

۱۶۷۔ عبد اللہ بن مروان تبع تابعی حضرت مجاہد کے شاگرد

۱۶۸۔ عبد اللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) جلیل القدر صحابی۔ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۶۹۔ عبد اللہ بن مغفل العزفی (م ۶۰ھ) صحابی رسول، بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۱۷۰۔ عبیدہ بن عمرو السلمانی (م ۴۲ھ) تابعی۔ یمن میں فتح مکہ کے زمانے میں اسلام

قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مدینہ ہجرت کی۔ فقہ و

حدیث میں مہارت تھی۔ قضا میں قاضی شریع کے ہم پلہ تھے۔

۱۸۱۔ عثمان بن عفان (م ۳۵ھ) صحابی رسول، خلیفہ سوم

۱۸۲۔ عثمان بقی (م ۳۳ھ) بن مسلم البصری النقیہ۔ تابعی، حضرت انسؓ سے روایت کی

شعبہ اور ثوری کے استاد تھے۔

۱۸۳۔ عثمان بن ابوالعاص الثقفی (م ۵۱ھ) صحابی رسول، سلمہ میں وفدِ نقیف کے ساتھ

خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا، حضورؐ نے طائف کا عامل بنایا تھا۔

۱۸۴۔ عزالدین بن سلام (۵۷۷-۶۶۰ھ) عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابی القاسم بن

الحسن السہمی الدمشقی، مشہور شافعی فقیہ، مہر میں عہدہ قضا پر فائز رہے۔ علوم قرآنی، فقہ و فتاویٰ اور

تصوف میں متعدد تصانیف ہیں جن میں قواعد الاحکام اور الاشارة الی الایمانی فی بعض انواع الجواز مشہور ہیں۔

- ۱۸۵۔ عطاء بن ابی رباح ( ۷۴ - ۱۱۳ھ ) عطاء بن مسلم بن صفوان۔ فقہا تابعین میں شمار ہوتا ہے۔  
حضرات صحابہ ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔
- ۱۸۶۔ عطیہ بن قیس ( م ۱۲۱ھ ) الحمصی المعروف بالذہبی۔ تابعی، علم قرأت کے ماہر
- ۱۸۷۔ عقبہ بن عامر الجہنی ( م ۵۸ھ ) صحابی رسول، حضرت معاویہؓ نے مہر کا گورنر بنایا تھا۔
- ۱۸۸۔ عکرمہ بن ابی جہلؓ بن ہشام بن المغیرہ القرظی المعزومی؛ صحابی رسول، تبع مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ معرکہ الجنادین میں شہادت پائی۔
- ۱۸۹۔ عکرمہ ( ۲۵ - ۱۰۵ھ ) ابو عبد اللہ عکرمہ بن عبد اللہ البربری المدنی، حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد۔ مکہ کے فقہا تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ تفسیر اور سخاوی میں مہارت رکھتے تھے۔
- ۱۹۰۔ علقمہ بن قیس ( م ۶۲ھ ) ابو شبل بن عبد اللہ بن مالک النخعی البہذانی۔ تابعی۔ فقیہ عرب۔ امام مالک نے ان سے روایت کی ہے۔ عہد نبوی میں ولادت پائی۔ مگر شرف صحابیت سے بہرہ ور نہ ہوئے
- ۱۹۱۔ علی بن ابی طالبؓ ( م ۴۰ھ ) صحابی رسول، خلیفہ چہارم۔
- ۱۹۲۔ علی بن زید بن جندعان ( م ۱۲۹ھ ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ بیشتر محدثین نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔
- ۱۹۳۔ عمار بن زاذان: الصیدلانی، ابو سلمہ البصری، حضرت انسؓ، ثنابہ البتانی اور کجول وغیرہ سے روایت کی۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان سے بعض احادیث روایت کی ہیں لیکن متعدد محدثین نے انھیں ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔
- ۱۹۴۔ عمر بن الخطابؓ ( م ۲۳ھ ) صحابی رسول، خلیفہ دوم۔
- ۱۹۵۔ عمر بن عبد العزیز ( م ۱۰۱ھ ) مشہور اموی خلیفہ۔ بعض لوگوں نے پانچواں خلیفہ راشد قرار دیا ہے۔ زہری اور ابوبکر ابن حزم نے ان سے روایت کی ہے۔
- ۱۹۶۔ عمران بن حصینؓ الخزازی ( م ۵۲ھ ) صحابی رسول۔
- ۱۹۷۔ عمرو بن امیہ ضمزمی ( م ۵۵ھ تقریباً ) صحابی رسول، شجاعت میں مشہور تھے۔
- ۱۹۸۔ عمرو بن شرحبیل: الہرانی الکوفی۔ تابعی۔ حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ وغیرہ سے روایت کی۔ عبد اللہ بن زیاد کے عہد ولایت میں وفات پائی۔
- ۱۹۹۔ عمرو بن شعیب ( م ۱۱۸ھ ) ابوالبرکات عمرون شعیب بن محمد السہمی القرظی۔ تابعی۔ اپنے باپ شعیب اور ابن المہیب اور طاؤس وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے زہری، ابن جریج،

عطا وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۰۰۔ عمرو بن عبسہ السلمي، صحابی رسول، حضرت علی کے عہد خلافت میں وفات پائی

۲۰۱۔ عمرو بن میمون (م ۴۴ھ) کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں، جاہلیت کا زمانہ پایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام قبول کیا۔ لیکن شرف صحابیت سے بہرہ ور نہ ہو سکے حضرت عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل اور ابن مسعود وغیرہ سے احادیث روایت کیں۔

۲۰۲۔ عمیر بن وہب صحابی رسول، غزوہ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔

۲۰۳۔ عون بن عبد اللہ (م ۱۱۵ھ تقریباً) بن مقبیر بن مسعود الہذلی، خطابت، شاعری

اور علم الانساب میں شہرت تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔

۲۰۴۔ عیاض (۴۶۲ - ۵۴۴ھ) ابو الفضل عیاض بن موتی بن میامن بن عمرو بن ایحصی السبئی۔

اپنے عہد کے مشہور محدث، عربوں کے کلام، انساب اور ایام کے عالم، سب سے پہلے غرناطہ میں منہج

قضا پر فائز رہے۔ اشفا، تفریغ حقوق المصطفیٰ، مشارق الانوار اور الانواع الی معرکہ اصول الروایۃ

مشہور تصانیف ہیں۔

۲۰۵۔ عیاض بن حماد: التیمی الجاشسی، صحابی رسول۔

۲۰۶۔ عیاض بن غنم (م ۲۰ھ) صحابی رسول۔ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا۔

۲۰۷۔ عینی (۴۶۲ - ۸۵۵ھ) بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد، مورخ، محدث، حنفی فقیہ،

قاہرہ میں قضا، اور دیگر عہدوں پر فائز رہے۔ آخر عمر میں تدریس و تصنیف میں مصروف ہو گئے تھے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ابن تہیمہ فی شرح الہدایۃ، رمز الحقائق شرح کنز الدقائق آپ کی چند

مشہور تصانیف ہیں۔

(ف)

۲۰۸۔ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (م ۱۱ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی

حضرت علیؑ کی زوجہ۔

۲۰۹۔ فضالہ بن عبید (م ۵۳ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق

تھا۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

(ق)

۲۱۰۔ قتادہ (۶۱ - ۱۱۸ھ) ابو الخطاب بن دعانہ بن قتادہ بن عزیز السدوسی البصری، جلیل القدر

تابعی۔ تفسیر حدیث، نعمت اور انساب کے امام۔

۲۱۱۔ قوطبی (م ۴۷۱) ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری، الخزرجی الاندلسی۔ قرطبہ کے رہنے والے تھے، مصر میں سکونت اختیار کی بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ کی تفسیر الجامع الحکام القرآن (تفسیر قوطبی) کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

۲۱۲۔ قیس بن سعد (م ۴۰) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

(ک)

کلبی: دیکھئے ابن کلبی۔

(م)

۲۱۳۔ مابور: ماریہ قبیطیہ کا چچا زاد بھائی، مقوقس شاہ مصر نے ماریہ کے ساتھ حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔

۲۱۴۔ ماریہ قبیطیہ (م ۱۶) مقوقس شاہ مصر نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ انہی سے حضور کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔

۲۱۵۔ مالک بن انس (۹۵-۱۴۹) ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک الاصمعی الحمیری۔ امام دارالہجرت، فقہ مالکی کے بانی۔ ائمہ اربعہ میں سے تھے۔ زہری، یحییٰ بن سعید، نافع، محمد بن السنکدر، ہشام بن عروہ اور ربیع بن ابی عبد الرحمن وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی کے استاد، موھا آپ کی مشہور کتاب ہے۔

۲۱۶۔ ماوردی (۳۶۴-۴۴۵) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب۔ اپنے عہد کے مشہور قاضی، شافعی فقیہ، عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ نے قاضی القضاة بنا دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں ادب الدین والدین، الاحکام السلطانیہ، التکت والعیون اور اعلام النبوة مشہور ہیں۔

۲۱۷۔ مجالد (م ۱۴۴) بن سید بن عمیر بن بسطام البہدانی الکوفی۔ عامر شیبی سے روایت کی محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۱۸۔ مجاہد (م ۱۰۰) ابوالججاج بن جبر الکی۔ تابعی حضرت عبداللہ بن السائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد۔ علم قرأت و تفسیر کے امام۔ مکہ کے فقہائے تابعین میں شمار ہوتا ہے۔

۲۱۹۔ محمد بن حسن شیبانی (۱۲۱-۱۸۹) ابو عبد اللہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے شاگرد و فقہ حنفی کے

ایک بڑے امام۔ ہارون رشید کے عہد میں منصب قضا پر فائز رہے، فقہ و اصول فقہ میں بہت ہی کتابیں تصنیف کیں جن میں جامع کبیر، جامع صغیر، کتاب الآثار، کتاب السیر، الموطا مشہور ہیں۔

۲۲۰۔ محمد بن حنفیہ (۲۱ - ۵۸۱) ابوالقاسم محمد بن علی بن ابی طالب الباشمی القرظی۔ تابعی، علی بن ابی طالب کے صاحبزادے۔ صاحب علم و فضل۔ شجاعت میں مشہور تھے۔

۲۲۱۔ محمد بن کعب قوفی (م ۴۱۰۸) تابعی۔ متعدد صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۲۲۲۔ محمود محمد شناکر (۱۳۲۷ - ۱۴۱۸) مشہور مصری عالم و محقق، آپ کی کتاب التنبیٰ پر ۱۹۸۲ء/۱۴۰۳ھ میں عالمی شاہ فیصل ایوارڈ برائے ادب عربی سے نوازا گیا۔ متعدد قدیم مصادر کی تحقیق کی ہے جن میں تفسیر طبری کو زیادہ شہرت ملی۔

۲۲۳۔ مژکہ ہمدانی (م ۴۷۶) بن شرجیل البکلی الکوفی مشہور تابعی حضرت حدیث بن اسمان زید بن ارقم، ابن مسعود اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے روایت کی۔

۲۲۴۔ مزنی (۱۷۵ - ۲۶۴) ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل المرسی۔ امام شافعی کے شاگرد۔ فقہ شافعی کے امام۔ الجامع البکیر، الجامع الصغیر، المختصر، الترفیہ فی العلم آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۲۲۵۔ مسلم بن حجاج (۲۰۴ - ۲۶۱) القشیری النیساپوری۔ مشہور محدث، آپ کی کتاب کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۲۲۶۔ مصعب بن عمیر (م ۵۲) صحابی رسول۔ بیعت عقبہ کے بعد حضور نے اہل بدر میں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ غزوہ احد میں شہادت پائی۔

۲۲۷۔ معاویہ بن ابی سفیان (م ۶۰) صحابی رسول، کاتب وحی۔

۲۲۸۔ معمر بن راشد (۹۵ - ۱۵۳) ابو عمرو معمر بن راشد بن ابی عمرو الازدی الہمدانی، فقیہ، حافظ حدیث، ثقہ، بصرہ کے رہنے والے تھے، بین میں سکونت اختیار کی سین میں آپ کی کتاب الجامع مشہور ہے۔

۲۲۹۔ مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰) ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی البلینی۔ مشہور مفسر، متروک الحدیث، علم تفسیر و قرأت پر متعدد کتابیں ہیں۔

۲۳۰۔ مقدام بن معدیکرب (م ۴۸۷) صحابی رسول۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے قبیلہ کنذہ کے وفد میں شامل تھے۔

۲۳۱۔ مکحول (م ۱۱۲) ابو عبداللہ بن ابی مسلم شہاب بن شاذل البذلی۔ تابعی، فقیہ شام، حافظ حدیث۔

طلبِ حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا۔ آخر میں دمشق میں سکونت اختیار کی۔

۲۳۲۔ مناوی (۹۵۲-۱۰۳۱) محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین، مختلف علوم و فنون میں تقریباً اسی کتابیں تصنیف کیں۔ حدیث میں کنوز القائل، فیض القدر، شرح الجامع الصغیر، التبیان اور شرح مثل ترمذی مشہور ہیں۔

۲۳۳۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۲۱) ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الاسدی، مشہور نثر نگار، محدث، فقیہ، ماہر جرح و تعدیل آپ کی مغازی مشہور ہے لیکن دستیاب نہیں ہے۔

۲۳۴۔ مہلب بن ابی صفوح (۷-۸۲) ابوسعید الازدی العتکی، تابعین بصرہ کے طبقہ اول میں شمار ہوتا ہے۔ خوارج کے خلاف جنگوں میں شریک رہے، حضرت عمرہ اور حضرت ابن عمر سے روایت کی۔

۲۳۵۔ میمون بن مہران (۲۷-۱۱۷) ابویوب۔ کوفہ میں پرورش پائی۔ بڑے عبادت گزار، حدیث میں ثقہ اور فقیہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے کے تابع تھے۔ شعبان پر فائز رہے۔

(ن)

۲۳۶۔ نخعی (۲۶-۹۶) ابو عمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود کبار تابعین میں سے تھے۔ فقیہ عراق، حافظ حدیث، صاحب مذہب مجتہد۔

۲۳۷۔ نسائی (م ۳۰۳) ابوعبدالرحمن احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن خالد مشہور محدث، ابوالقاسم طبرانی اور ابو جعفر حمادی کے استاد۔ آپ کی کتاب سنن النسائی کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۲۳۸۔ نووی (۶۳۱-۶۷۷) ابوزکریا محی الدین محی بن شرف بن مری بن حسن الخزامی الشافعی، فقیہ، محدث۔ حدیث میں ریاض الصالحین اور الاذکار آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ آپ کی شرح مسلم کو بھی شہرت ملی۔

(و)

۲۳۹۔ واقدی (۱۳۰-۲۰۷) ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقدی السہمی الاصلی۔ قدیم ترین اور مشہور ترین مورخ اسلام، حافظ حدیث، ہارون رشید کے زمانے میں بغداد میں منصب قضا پر فائز رہے۔ تاریخ و سیرت پر چند کتابیں تصنیف کیں جن میں کتاب المغازی کو خاص طور پر شہرت ملی۔



## مصنف کی بعض اہم مطبوعات

- ۱- معروف و منکر
- ۲- خدا اور رسول کا تصور (اسلامی تعلیمات میں)
- ۳- اسلام کی دعوت
- ۴- صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات
- ۵- انسان اور اس کے مسائل
- ۶- اسلام اور وحدت بنی آدم
- ۷- اسلام اور مشکلات حیات
- ۸- خدا کی غلامی - انسان کی معراج
- ۹- اتفاق فی سبیل اللہ
- ۱۰- دولت میں خدا کا حق
- ۱۱- یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟
- ۱۲- ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمے داریاں
- ۱۳- فقہی اختلافات کی حقیقت
- ۱۴- سوئے حرم چلا
- ۱۵- بعض اہم اسلامی اصلاحات اور ان کی تشریح
- ۱۶- وقت حساب
- ۱۷- جماعت اسلامی ہند پس منظر اور خدمات
- ۱۸- ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟
- ۱۹- موجودہ حالات میں جماعت اسلامی ہند کا لائحہ عمل

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

Post Box.9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Phones:26971652,26954341, Fax:26820975

E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in, Website: www.mmipublishers.net

## انسانی حقوق پر مصنف کی کتابیں

- ۱- اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان
- ۲- غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق
- ۳- غیر اسلامی ریاست اور مسلمان
- ۴- عورت- اسلامی معاشرہ میں
- ۵- مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ
- ۶- عورت اور اسلام
- ۷- مسلمان خواتین کی ذمے داریاں
- ۸- اسلام کا عائلی نظام
- ۹- اسلام میں خدمت خلق کا تصور
- ۱۰- اسلام اور انسانی حقوق
- ۱۱- کم زور اور مظلوم اسلام کے سایے میں

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

Post Box.9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Phones:26971652,26954341, Fax:26820975

E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in, Website: www. mmipublishers.net

[www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com)



مولانا سید جلال الدین عمری (پ: ۱۹۳۵ء) عالم اسلام کے ایک جید عالم دین، ممتاز محقق اور صاحب طرز مصنف کی حیثیت سے معروف ہیں۔ قرآن و سنت اور جدید علوم و فنون پر ان کی اچھی نظر ہے۔ موضوع کا تنوع، اسلوب کی انفرادیت، طرز استدلال کی ندرت اور زبان و بیان کی شگفتگی ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مولانا عمری معروف دینی درس گاہ جامعہ دارالسلام عمر آباد (تمل ناڈو) کے فارغ التحصیل، مدراس یونیورسٹی سے فارسی میں مثنوی فاضل اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی میں گریجویٹ ہیں۔ وہ اس وقت جماعت اسلامی ہند کے امیر، جلد۱ الفلاح بلریا گنج کے شیخ الجامعہ، سرانج العلوم نسواں کالج علی گڑھ کے سرپرست اعلیٰ، ملک کے ممتاز تحقیقی ادارے ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ اور تصنیفی اکادمی دہلی کے صدر اور مشہور ماہی مجلے ”تحقیقات اسلامی“ علی گڑھ کے بانی مدیر ہیں۔ تقریباً پانچ سال تک وہ ماہنامہ ”زندگی نو“ دہلی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔

مولانا عمری کی مختلف موضوعات پر تقریباً تین درجن تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان میں معروف و منکر، صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں، انسان اور اس کے مسائل، اسلام اور مشکلات حیات، اسلام کی دعوت، اسلام کا شورائی نظام اور کم زور اور مظلوم اسلام کے سایے میں، مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے عربی، انگریزی، ترکی، ہندی، ملیالم، تملو، مراٹھی، گجراتی، بنگلہ اور تمل میں بھی ہو چکے ہیں۔ اسلام کا معاشرتی نظام ان کی دلچسپی کا خاص موضوع رہا ہے۔ عورت اسلامی معاشرے میں، عورت اور اسلام، مسلمان خواتین کی ذمے داریاں، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ اور اسلام کا عالمی نظام جیسی وقیع کتابیں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

”غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق“ مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک مقبول کتاب ہے۔ مولانا محترم نے اس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات اور حقوق پر نہایت محققانہ اور واعیانہ بحث کی ہے۔ تعلقات کے ذیل میں خاندانی، سماجی، معاشرتی اور معاشرتی ہر نوع کے تعلق کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے اور بعض اختلافی مسائل میں معتبر علماء مفسرین اور فقہاء کی آراء سے تائید حاصل کی گئی ہے۔ ان شاء اللہ یہ کتاب دعوت و تحقیق سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔



Rs. 140.00

PN-972